سیرت سید احمد شہیدؒ

سید ابوالحسن علی ندوی

سیرت سید احمد شہید

یعنی

حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی اور آپ کے رفقاء کے
سوانح حیات اور ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد و
تنظیم، اصلاح و تجدید و احیاء خلافت کی تاریخ،

(از)

سید ابوالحسن علی ندوی

باہتمام

خاکسار بانکے لال سکسینہ (مہتمم مطبع)

نامی پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوئی

قیمت مجلد — مارچ سنہ ۱۹۳۹ء — عہ/

رائے گرامی

مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین واتباعھم المجتبین الی یوم الدین **اما بعد** اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ اس دین متین کی حفاظت کا کفیل اور ذمہ دار ہے تو ضرور بالضرور اس عالم اسباب میں قدرت اس کیلئے اسباب ذرائع مہیا کرتی رہے گی اور اگر یہ مسلم ہے (اور بیشک مسلم ہے) کہ ہر مذہب اور دین آسمانی کیلئے افراط اہل غلو اور تحریف اہل فساد و بدع تخریب اور استیصال کے باعث ہیں تو ہمیشہ ایسے لوگوں کے شکست دینے اور ان کی تاریکیوں کو محو کرنے کے لئے ایسے ایسے اہل ہمت و ورع پیدا کرتی رہیگی جو کہ دین محمدیؐ کے سرسبز باغوں کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ کرتے رہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اس دین میں ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیاں پیدا کرتا رہے گا جو کہ دین کی تجدید کرتی رہیں گی، اور کسی قسم کی احیاء دین میں کمزوری کو روا نہ رکھیں گی۔ ان بلاد مشرقیہ میں تیرھویں صدی میں اگر کوئی ہستی اس مجددیت کی مظہر ہو سکتی ہے تو یقیناً وہ حضرت امام الائمہ مرشد الامم محی السنہ قطب العالم حضرت مولانا السید احمد الشہید رائے بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز کی

عدیم النظیر ہستی ہی جس نے جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں کو ان دیار سے نیست و نابود کر دیا۔ اور اہل بدعت و فساد کی رسوم قبیحہ کو اکھاڑ کر پھینک دیا، علوم و معارف کے حقائق سے دنیا کی فضاء کو منور کر دیا اور علمی سرگرمیوں اور اخلاص و للّٰہیت کی مساعی سے نفوس انسانیہ کو زندہ کر دیا، مسلمانوں میں جو سیاسی نظام ہونا ضروری اور مفید ہے اُس کی بنیادیں استوار کر دیں اور وہ حقیقی خدمات ملت بیضاء کی سیاسیات وغیرہ میں انجام دیں جن کی نظیر سلف میں بھی کم پائی جاتی ہے۔ اس مقدس ہستی کے فیوضات اور آثار عظیمہ اتنے نہیں ہیں کہ صفحات اوراق اُن کا احاطہ کر سکیں، مگر اہل توفیق و سداد نے اپنی اپنی ہمت کے موافق مختلف تالیف کے ذریعہ سے اپنے لئے صدقۂ جاریہ اور پسماندوں کیلئے اسوۂ حسنہ مہیا کر کے خرمن حسنات میں بیش بہا ذخیرہ کا اضافہ کیا تھا ہمارے محترم جناب مولوی علی میاں صاحب رائے بریلوی نے جس تنقیح اور تحقیق کیساتھ اس محی السنۃ ہستی کے احوال و مناقب جمع کئے ہیں وہ پہلی تصانیف میں مجموعی حیثیت سے ناپید ہیں، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دلدادگان سنت و شریعت اور فریفتگان حقیقت و طریقت ضرور بالضرور اس تالیف کو مطالعہ کر کے اپنے دل و دماغ اور روح و سر کو منور کریں اور یادرفتگان کے اس درخشندہ ستارے سے ظلمات علم و عمل میں ہدایت کاملہ حاصل کریں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ کریم کارساز مؤلف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اُنکی اس تصنیف کو ذریعہ ہدایت عام اہل اسلام بنائے۔ آمین۔ واللہ ولی التوفیق

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انتساب	۲
۲	تعارف ازمولانا عبدالماجد صاحب دریابادی	۳
۳	مسافر اسلام ہندوستان کے غربتکدہ میں ازمولانا سید سلیمان صاحب ندوی	۷
۴	کتاب کے مقاصد	۱۷
۵	کتاب کے ماخذ	۲۲
۶	سید صاحب کی سیرت پر ایک اجمالی نظر	۲۹
۷	سید صاحب کا زمانہ	
۸	تیرھویں صدی کی دنیائے اسلام	۳۸
۹	ہندوستان کی حالت	۴۲
۱۰	مذہبی حالت	۴۲
۱۱	اخلاقی حالت	۴۷
۱۲	سیاسی حالت	۴۸
	باب اول	
۱۲	ازولادت تاحج	
۱۲	سید صاحب کا خاندان	۵۲
۱۳	ولادت	۵۷
۱۴	سلسلۂ نسب	۵۷
۱۵	تعلیم	۵۸
۱۶	آپ کے کھیل اور مشاغل	۵۹
۱۷	خدمت خلق	۵۹
۱۸	عبادت الٰہی	۶۰
۱۹	آپ کا ابتدائی شوق جہاد اور والدہ کا ایثار	۶۰
۲۰	آپ کی ورزشیں	۶۰
۲۱	سفر لکھنؤ و دہلی	۶۲
۲۲	سلام مسنون کا رواج	۶۸
۲۳	تعلیم تصور شیخ اور سید صاحب کا عذر	۶۹
۲۴	رائے بریلی کو واپسی	۷۴
۲۵	سفر دہلی	۷۴
۲۶	نواب امیر خاں	۷۵
۲۷	سفر دہلی اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خواب	۷۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب کی ارادت وبیعت	۷۹
۲۹	ایک نکتہ	۸۱
۳۰	مقبولیت وشہرت اور سفر	۸۲
۳۱	اصلاح وہدایت	۸۳
۳۲	قیام رائے بریلی	۸۶
۳۳	نکاح بیوہ	۸۷
۳۴	مولانا عبدالحی صاحبؒ کا وعظ	۸۷
۳۵	سید صاحب کا خواب	۸۹
۳۶	وطن میں آپ کے معمولات	۹۰
۳۷	نصیر آباد کا ہنگامہ	۹۲
۳۸	لکھنؤ کا سفر اور قیام	۹۳
۳۹	قیام رائی بریلی اور سفر	۹۷
۴۰	عسکری تربیت ومشاغل	۹۹
۴۱	جنگی مشاغل میں انہماک کے متعلق رفقاء کی سید صاحب سے گفتگو آپ کی تقریر، اور ایک مشہور عارف کی زبان سے سید صاحب کی عظمت کا اعتراف	۱۰۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲	حج	۱۰۴
۴۳	سید صاحب کا ڈلمؤ میں وعظ	۱۰۷
۴۴	ملک تبت کو وفد ہدایت وتبلیغ روانہ کرنا	۱۱۳
۴۵	کلکتہ سے روانگی کا منظر	۱۱۶
۴۶	سرزمین ہدایت میں ہدایت	۱۱۸
۴۷	بلاد اسلامیہ میں آپ کا فیض	۱۱۸
۵۱	مدینہ منورہ حاضری اور واپسی	۱۱۹
	باب دوم	
۵۲	جہاد	۱۲۰
۵۳	مقاصد واسباب	۱۲۰
۵۴	سکھ اور پنجاب کی حالت	۱۲۸
۵۵	ہجرت	۱۳۶
۵۶	حیدرآباد سندھ وشکارپور	۱۳۶
۵۷	قندھار	۱۳۸
۵۸	غزنی	۱۴۰
۵۹	کابل	۱۴۱
۶۰	پشاور سے نوشہرہ	۱۴۲
۶۱	حکومت لاہور کو اعلام نامہ	۱۴۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۲	پہلی جنگ	۱۴۳
۶۳	ایک بیمار مسلمان کا شوق جہاد	۱۴۴
۶۴	روانگی کا منظر اور حملہ	۱۴۵
۶۵	راہ خدا کا پہلا شہید	۱۴۵
۶۶	امامت	۱۵۰
۶۷	سید صاحب کا خط امامت کے متعلق	۱۵۲
۶۸	شاہ اسمٰعیل صاحب کا خط	۱۵۵
۶۹	علماء کی موتمر سید صاحب کی امامت	۱۶۶
۷۰	وجوب اطاعت کا فتویٰ اور عہد	
۷۱	نظام شرعی کے برکات	۱۶۸
۷۲	منافقین کی سازش اور زہر خورانی	۱۷۰
	لشکرگاہ اسلام کے حالات اور مجاہدین کی معاشرت اور طرز زندگی	۱۷۴
۷۳	بعض متفرق واقعات	۱۷۷
۷۴	ایک فتنہ	۱۷۸
۷۵	جنگ اتمان زئی	۱۸۱
۷۶	فرانسیسی جنرل کا حملہ مجاہدین کی ہیبت علی لوت اور دشمن کی پسپائی	۱۸۲
۷۷	منافقین کی سرکوبی	۱۸۴
۷۸	مرکز مجاہدین کی تبدیلی	۱۸۵
۷۹	سفارت و گفت و شنید	۱۸۶
۸۰	غیر شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کا نکاح	۱۸۸
۸۱	درانیوں کی آخری جنگ	۱۸۹
۸۲	فتح پشاور	۱۸۹
۸۳	سردار پشاور کی غداری اور سید مظہر علی صاحب اور تحصیلداران عشر کا قتل	۱۹۱
۸۴	مرکز کی تبدیلی اور ہجرت	۱۹۳
۸۵	سید صاحب کا آخری خط بالاکوٹ سے	۱۹۳
۸۶	مشہد بالاکوٹ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ	۱۹۵
۸۷	شہادت یا غیبت	۲۰۰
	باب سوم تجدید، امامت، تزکیہ	
۸۸	تجدید	۲۰۴
۸۹	امامت	۲۲۰

نمبر	مضمون	صفحہ
۹۰	تزکیہ	۲۶۵
۹۱	اقتباس از صراط مستقیم	
۹۲	طریق سلوک راہ نبوت	۲۸۳
۹۳	افادہ اول	۲۸۳
۹۴	افادہ دوم	۲۹۰
۹۵	مراقبہ صمدیت	۲۹۲
۹۶	افادہ سوم	۲۹۳
۹۷	افادہ چہارم	۲۹۷
۹۸	افادہ پنجم	۳۰۱
۹۹	فائدہ	۳۰۶
۱۰۰	افادہ ششم	۳۰۸
۱۰۱	فائدہ	۳۱۴
۱۰۲	فائدہ	۳۱۷
	باب چہارم	
۱۰۳	سید صاحب کی شہادت کے بعد آپکی جماعت کی مذہبی سیاسی خدمات، جماعت کی سیرت آپ کے خلفاء اور مریدین مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم	۳۱۹
۱۰۴	حکومت برطانیہ کی مخالفت	۳۲۴
۱۰۵	حکومت ہند کے انتظامات	۳۲۶
۱۰۶	حکومت کا جارحانہ اقدام ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۸ء کی سرحدی جنگیں	۳۲۸
۱۰۷	مقدمہ سازش ۱۸۶۴ء	۳۳۱
۱۰۸	جماعت کی سیرت و اخلاق	۳۴۵
۱۰۹	مولانا یحییٰ علی صاحب	۳۴۷
۱۱۰	جماعت کے بعض متفرق واقعات	۳۵۶
۱۱۱	مشہور خلفاء و اکابر جماعت	۳۶۵
۱۱۲	شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحب برہانوی	۳۶۵
۱۱۳	حجۃ الاسلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ	۳۷۳
۱۱۴	مولانا سید محمد علی صاحب رامپوری	۴۱۰
۱۱۵	مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی	۴۱۴
۱۱۶	سید صاحب کے خلفاء و مریدین کی فہرست مطابق حروف تہجی (ان لوگوں کے نام جنکے حالات درج ہیں)	۴۲۶
۱۱۷	مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگرنہسوی	۴۲۶

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۱۸	شیخ احمد بن ادریس وزیر سلطان مغرب	۴۲۶
۱۱۹	سید احمد علی شہید	۴۲۶
۱۲۰	مولانا احمد اللہ عظیم آبادی	۴۲۷
۱۲۱	خواجہ الماس	۴۲۸
۱۲۲	مفتی الٰہی بخش کاندہلوی	۴۲۸
۱۲۳	مولانا سید اولاد حسن قنوجی	۴۲۹
۱۲۴	مولوی جعفر علی نقوی	۴۳۱
۱۲۵	مولوی حبیب اللہ قندھاری	۴۳۲
۱۲۶	سید حمید الدین ٹونکی	۴۳۲
۱۲۷	مولانا حیدر علی رامپوری	۴۳۳
۱۲۸	مولانا خرم علی بلہوری	۴۳۴
۱۲۹	مولوی رجب علی جونپوری	۴۳۴
۱۳۰	سید زین العابدین ٹونکی	۴۳۴
۱۳۱	مولانا سخاوت علی جونپوری	۴۳۵
۱۳۲	مولانا سید سراج الدین ہسوی	۴۴۰
۱۳۳	مولوی سعید الدین رائے بریلوی	۴۴۱
۱۳۴	مولانا محمد ظاہر رائے بریلوی	۴۴۲
۱۳۵	مولوی سید عبد الجلیل رائے بریلوی	۴۴۴
۱۳۶	مولانا عبد الجلیل کوٹلی	۴۴۵
۱۳۷	حاجی عبد الرحیم سہارنپوری	۴۴۵
۱۳۸	مولانا عبد الحق بنارسی	۴۴۵
۱۳۹	مولانا عبد العلی نصیر آبادی	۴۴۶
۱۴۰	مولانا عبد القیوم برہانوی	۴۴۷
۱۴۱	مولانا عبد اللہ علوی	۴۴۸
۱۴۲	مولانا عبد الہادی جھوکوی	۴۴۸
۱۴۳	مولانا علی احمد ٹونکی	۴۴۸
۱۴۴	مولانا عنایت علی غازی	۴۴۹
۱۴۵	سید عبد الباقی رائے بریلوی	۴۵۰
۱۴۶	شیخ غلام علی رئیس اعظم الہ آباد	۴۵۱
۱۴۷	مولوی فرحت حسین	۴۵۳
۱۴۸	مولوی نصیح غازیپوری	۴۵۴
۱۴۹	مولانا کرامت علی جونپوری	۴۵۴
۱۵۰	شاہ محمد حسین عظیم آبادی	۴۵۵
۱۵۱	مولوی سید محمد علی	۴۵۶
۱۵۲	مولانا سید مرتضیٰ حسین لکھنوی	۴۵۷
۱۵۳	حکیم مومن خاں دہلوی	۴۵۸
۱۵۴	مولانا نور محمد جھنجھانوی	۴۵۹
۱۵۵	مولوی سید محمد یعقوب	۴۶۰
۱۵۶	سید صاحب کی اولاد و اعقاب	۴۶۱
۱۵۷	سید شاہ ضیاء النبی (حاشیہ پر)	۲۷۹
۱۵۸	مولوی سید فخر الدین صاحب " "	۲۸۱
۱۵۹	قطعات و مادہ ہائے تاریخ	۴۶۳
۱۶۰	انگریزی حوالے	۴۶۴

اِنتساب

مَیں یہ کتاب نہایت محبّت واحترام کیساتھ اپنے ماموں مولوی حافظ سید عبداللہ صاحب مرحوم خلف حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے ۳۱ مئی ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اغفرلہ والحقہ بآبائہ الصّالحین

ابوالحسن علی

تعارف

(از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، مدیر "صدق")

حضرت سید احمدؒ رائے بریلوی، پچھلی صدی ہجری کے ان اکابر مشاہیر میں گزرے ہیں جنکی یاد مسجدوں اور خانقاہوں کی دنیا الگ رہی، لندن اور آکسفرڈ اور کیمبرج کی دنیا کے حافظہ سے بھی محو نہیں ہوئی ہے، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ان کے تذکرے سے مزین، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ذکر ان کا موجود، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں کارنامے ان کے مذکور، یہ الگ بات ہے کہ دوست انھیں عقیدت کی آنکھوں کے اندر جگہ دیتے ہیں اور دشمن کی نگاہ میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں، لیکن نظریں اس شہید پر بہر حال پڑتی ہی ہیں۔

ایک خونچکاں کفن میں کروروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

— جس کا نام ملائکہ ربانی کے نورانی رجسٹروں میں درج ہو اس کے تذکروں اور چرچوں سے اگر خاکیوں کے سینے اور آدم زادوں کے سفینے معمور ہوں تو اس پر حیرت ہی کیوں کیجئے!

سید صاحبؒ کے سوانح و حالات کرامات کمالات میں ضمناً و مستقلاً اس وقت تک متعدد کتابیں موجود تھیں، لیکن اکثر نے سید صاحب کو ایک مخصوص محدود ہی نقطۂ نظر سے دیکھا۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من　　　وز درون من نہ جست اسرار من

ضرورت اس کی تھی کہ کوئی سیرت ملک کی عام زبان میں سلجھے ہوئے انداز سے ایسی لکھی جائے جو ایک طرف آپ کی ساری حیثیات کی جامع ہو اور جس میں عام پسند "خوارق" و "عجائب" سے زیادہ لحاظ واقعات کی صحت و استناد کا اور آپکی تعلیمات، اور آپ کی تحریک کے اصل مقاصد کا ہو۔

شکر ہے کہ یہ سعادت سو برس سے زائد عرصہ گزر چکنے کے بعد اُسی خانوادہ کے ایک ہونہار و صاحب رشد، جواں ہمت اہل قلم کے نصیب میں آئی، کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک مجاہد کی سوانحعمری میں ہونا چاہیے لیکن زور بیان صرف شوق غزا ہی پر نہیں ختم ہو گیا ہے، علوم شریعت، مسائل طریقت، مباحث سیاست سب اپنی اپنی جگہ پر حُسن ترتیب و خوش اسلوبی کے ساتھ اس محفل میں چنے ہوئے نظر آئیں گے، زبان صاف سلیس، شیریں، بیان میں نہ اتنا اختصار کہ پڑھنے والے کا شوق جھنجھلا اٹھے نہ اتنی طوالت کہ مطالعہ کرنے والے کی ہمت جواب دے نکلے، پھر سید صاحبؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھ ساتھ ان کے اور سارے رفقاء نامدار کے بھی انفاس بابرکات گویا سپہر جہاد و خدمت دین کے آفتاب و مہتاب کے جلو میں ستارے اور سیارے بھی ہر طرف سے جھلملاتے ہوئے۔

کم از کم ایک سبق تو کتاب کے مطالعہ سے عالم و عامی، بوڑھے اور جوان، خاص و عام سب ہی کے لینے کا ہے اور وہ سبق نظم و اطاعت کا ہے، اگر اندرونی

نظم درست نہیں اگر فاروقی شان انتظام و تدبر کی رو جسم میں دوڑی ہوئی نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ ایثار و اخلاص اور بڑے سے بڑا جوش و ولولہ اس عالم اسباب میں بے کار ہی ہو کر رہتا ہے، اگر یہی ایک سبق پڑھنے والے حاصل کر لیں گے تو بہت کچھ حاصل کر لیں گے۔

مشک کی مدح و توصیف عطار کی زبان سے مشک کی قدر و قیمت بڑھاتی نہیں اور گھٹا دیتی ہے۔ عطار ہٹا جاتا ہے، مشک حاضر ہے، بے تکلف مشام جان کو معطر فرمائیں۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
۵ر فروری ۱۹۳۹ء، ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

عبدالماجد

مسافرِ اسلام

ہندوستان کے غربتکدہ میں

(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

صحیح حدیث میں ہو کہ "اسلام کا آغاز مسافرانہ بیکسی میں ہوا اور پھر وہ مسافرانہ بیکسی میں ہوگا، تو مسافرت کے بیکسیوں کو مبارک باد ہو"۔ اسلام کا آغاز اسوقت ہوا جب حق کی آواز بند ہو چکی تھی، دین ابراہیم کا وجود سایہ ہو کر رہ گیا تھا، کفر اور شرک کی تاریکی ہر طرف پھیلی تھی، نبوت کا نور چھ صدیوں سے زیر نقاب تھا، توحید کی دعوت ایک بیگانہ آواز تھی، جو مسافرانہ بیکسی کے عالم میں محمد بن عبداللہ صلعم کی زبان مبارک سے بلند ہوئی، پورب، پچھم، داہنے، بائیں ہر طرف اس صدائے حق کو اجنبی اور نامانوس سمجھا گیا، آواز دینے والے نے حسرت سے چاروں طرف دیکھا اور ہر طرف اس کو وہی بیگانگی اجنبیت اور مسافرانہ بیکسی کا منظر نظر آیا۔

رفتہ رفتہ یہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافور ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے اور جو سننے لگے سر دھننے لگے یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیف سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہوگیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر ہو چکر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔

اب وہ قافلہ بن کر آگے کو چلا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہونچا، پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آکر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا تو ایک طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحر ظلمات کے کنارے چمکا۔

اب آہستہ آہستہ قافلہ کے لوگ چھٹنے لگے، تماشائی تماشہ کرتے دور نکل گئے، کتنے حسن ظاہر کے طلبگار اور طبعی مناظر کے شیفتہ ان تماشوں میں اپنے سفر کے مقصد کو بھول گئے اور جہاں پہونچ گئے وہیں رہ گئے۔

اب وہ مسافر پھر تنہا تھا، اس کی آواز میں پھر بیگانگی آگئی، صدائے حق صدا بصحرا ہوگئی، آخر قافلہ کی بانگ درا بجتے بجتے خاموش ہوگئی اور کارواں یکسر خواب غفلت میں محو ہوگیا

اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے اور مسافر کے آغاز سفر پر ایک ہزار برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امّی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوسین بجائیں، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ و تصوف نے مل کر کعبہ اور بتخانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا

اس پنج سالہ تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو دبستان المذاہب کا مطالعہ کرے، کتنے زنار داروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زنار نظر آئیں گے، بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدہ میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دیگی

تعالیٰ شانہٗ ، اللہ اکبر

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی، "راستہ صاف کردو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے"۔ ایک فاروقی مجدد فاروقی شان سے ظاہر ہوا یہ احمد سرہندی تھے، جہانگیر کے طوق و سلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لئے، اور وہ شاہی قیدی کی حیثیت میں اسیر زنداں ہوئے۔ اس یوسف زندانی نے بھی یوسف کنعانی کی طرح ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار کا نعرہ لگایا، اس نعرہ نے سوتوں کو جگا دیا، مسافر اسلام کی بانگ درا کی دھیمی آواز پھر سنائی دینے لگی،

سرہند کے اس فاروقی مجدد کی آواز نے دلی کے ایک اور فاروقی خاندان کو گرما دیا، یہ شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے جو عالمگیرؒ کے معاصر تھے ان کے صاحبزادہ شاہ ولی اللہ ہوئے جن کو ملت نے حکیم الامت، کا خطاب دیا، یہ اس دوسرے دور کے مجدد ہوئے، اس دور میں جس کو ملا ان سے ملا اور جس نے پایا ان سے پایا (۱)

شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی

(۱) تفہیمات آلٰہیہ میں شاہ صاحب نے خود اسکی تصریح کی تھی اور واقعہ نے اس کی تصدیق کی۔

شاہ صاحب کے اخلاف نے پوری ایک صدی تک اس چراغ ہدایت کو جسکو اُن کے پدر بزرگوار نے جلایا تھا روشن رکھا، کتاب میں ان بزرگوں کے نام اکثر آئینگے اس لئے اُن کا یہ شجرہ مع تاریخ وفات نظر کے سامنے رہے۔

شجرہ

- شاہ وجیہہ الدین فاروقی معاصر سلطان اورنگ زیب
  - شاہ عبدالرحیم سنہ ۱۱۳۱ھ
    - شاہ اہل اللہ صاحب
    - شاہ ولی اللہ صاحب سنہ ۱۱۷۶ھ
      - شاہ عبدالقادر سنہ ۱۲۳۰ھ
      - شاہ عبدالعزیز سنہ ۱۲۳۹ھ
        - دختر زوجہ شاہ محمد افضل
          - شاہ محمد یعقوب سنہ ۱۲۸۲ھ
          - شاہ محمد اسحٰق محدث سنہ ۱۲۶۲ھ
        - دختر زوجہ شاہ عبدالحی سنہ ۱۲۴۳ھ (رفیق شاہ اسمٰعیل شہیدؒ)
          - شاہ عبدالقیوم سنہ ۱۲۹۹ھ
      - شاہ رفیع الدین سنہ ۱۲۳۳ھ
        - شاہ مخصوص اللہ سنہ ۱۲۷۳ھ
      - شاہ عبدالغنی سنہ ۱۲۲۷ھ
        - شاہ اسمٰعیل شہید سنہ ۱۲۴۶ھ
          - شاہ محمد عمر

ایں سلسلہ طلائے ناب است

ایں خانہ تمام آفتاب است

شاہ وجیہہ الدین جیسا کہ ان کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے سلطان اورنگ زیب کی

فوج میں تھے اور جنگ برادران میں بڑی بہادری سے اورنگ زیب کی طرف سے لڑے تھے، بادشاہ جب دکن میں ہنگامہ آرا تھے تو شاہ صاحب ممدوح بھی جہاد میں شرکت کیلئے دکن جارہے تھے کہ راستہ میں ڈاکوؤں سے لڑائی ہوئی اور شہادت پائی شاہ عبدالرحیم صاحب کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتبخانہ میں میری نظر سے گزرا ہے اسمیں ان کا ایک خط نظام الملک آصفجاہ اول کے نام ہے جسمیں انھوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات کو پڑھ کر کوئی اسکا پتہ بھی نہیں پاسکتا کہ انکے زمانہ میں جو سیاسی انتشار اور پراگندگی تھی اس کا انکی جمعیت خاطر پر کچھ بھی اثر پڑا ہو مگر ذرا حجۃ اللہ البالغہ کے اس باب پر کوئی غور کی نظر ڈالے جو بادشاہ اور ارکان حکومت کے فرائض پر لکھے ہیں اور ازالۃ الخفاء میں خلافت اور امامت کا جو خاکہ کھینچا ہے اسکو کسی نے ذرا گہری نظر سے دیکھا ہے تو معلوم ہوگا کہ دادا نے جو نقشہ تیار کیا تھا، پوتے نے اسی نقشہ کو اپنے خون سے رنگ کر تیار کرنا چاہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی تعلقات تیموریوں کی گرتی ہوئی قوت کیساتھ نہ تھے بلکہ روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ تھے اور نواب نجیب الدولہ افغان کے سلک فضلاء میں منسلک(١) تھے۔

---

(١) جام جہاں نما قلمی مؤلفہ قدرت اللہ سنبھلی تالیف ١١٩١ھ موجودہ کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی

مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارنامے عالم آشکارا ہیں اور اُنسے کتاب کے صفحات لبریز ہیں۔

مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فضل وکمال اور مجاہدہ وحال کے دو آتشہ سے رائے بریلی کے خمکدہ میں ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا، یہ سادات حسنی کا خاندان تھا، جسمیں مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا اس خاندان کا آغاز شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی سے ہوا جنھوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہندوستان آکر کڑا مانک پور کے نواح میں جو اس زمانہ میں الہ آباد سے پہلے الہ آباد تھا جہاد کیا۔

اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہ ہیں جو عالمگیرؒ کے زمانہ میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں اُن کے خلیفۂ خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلوی کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہوگئیں

تیرھویں صدی کا آغاز تھا کہ اس خاندان میں چودھویں کا چاند طلوع ہوا یعنی سنہ ۱۲۰۱ھ میں مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی چند سال کے بعد یہ چاند مجاہدہ وعرفان کا آفتاب بن گیا۔

کتاب کا موضوع اسی آفتاب عالمتاب کے انوار کمالات کی تابش وبینش ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

تیرھویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلوی کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی، یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب پر سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا، ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے اس مجددانہ کارنامہ کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے

یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس کی کھل کر پوری تاریخ لکھنی بھی اب سے پہلے مشکل تھی، اس کے متفرق مضامین رسالوں اور کتابوں میں بکھرے تھے کچھ معلومات بزرگوں کے سینوں اور کچھ قلمی کتابوں کے دفینوں میں بند تھے، ان سب کو سمیٹ کر ایک دفتر میں فراہم کرنا بھی ایک کام تھا، ہم کو خوشی ہے کہ اس کام کے لئے بھی اس خانوادہ کے ایک نوجوان کو جس کو علم و عمل اور فکر و ذوق کی

دولت سے حصہ وافر ملا ہے توفیق بخشی گئی، مولوی سید ابوالحسن علی حسنی ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء نے بڑی کوشش سے ان متفرق معلومات کو یکجا کیا ہے اور اس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ تاریخی داستان کے بجائے نوجوان مسلمانوں کے لئے عملی روح کا سامان بن گیا ہے۔

ان مجاہدوں کی تاریخ بتائے گی کہ انکی تحریک کا یہ ناکام انجام کیوں ہوا؟ واقعہ چھپا اور اسباب نامعلوم نہیں، وہی جماعتوں کا نفاق، اور امراء کا اختلاف ان کی ناکامی کا سبب ہوا، جو ہمیشہ سے ناکاموں کی ناکامی کا سبب بنتا رہا ہے پشاور کے پٹھان امراء اگر وفاداری سے کام لیتے تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

اس تحریک نے اپنے پیرؤں میں للہیت، خلوص، اتحاد، نظم، سیاست اور تنظیم کا جو جوہر پیدا کردیا تھا، اس کے سمجھنے کے لئے کتاب کا چوتھا باب کافی ہے، بنگال کی سرحد سے لے کر پنجاب تک اور نیپال کی ترائی سے لیکر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش و عمل کا دریا موجیں مار رہا تھا اور حیرت انگیز وحدت کا سماں آنکھوں کو نظر آرہا تھا۔

سید صاحبؒ کے خلفاء ہر صوبہ اور ولایت میں پہونچ چکے تھے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید، اصلاح اور تنظیم کا کام انجام دے رہے تھے، مشرکانہ رسوم مٹائے جارہے تھے، بدعتیں چھوڑی جارہی تھیں، نام کے مسلمان کام کے مسلمان

بن رہے تھے جو مسلمان نہ تھے وہ بھی اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے[1]۔ شراب کی بوتلیں توڑی جا رہی تھیں، تاڑی اور سیندھی کے خم لنڈھائے جا رہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہو رہے تھے اور حق و صداقت کی بلندی کے لئے علما حجروں سے اور امرا ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آ رہے تھے اور ہر قسم کی ناچاری مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے اور مجاہد تبلیغ اور دعوت میں لگے تھے۔

کتاب میں پہلے چند ابتدائی عنوان ہیں اور یہ کہنا چاہیے کہ کتاب کے پانچ سو صفحوں میں جو کچھ ہے اس کی روح انھیں چند ابتدائی عنوانوں میں کھینچی ہوئی ہے، اس کے بعد چار باب ہیں، پہلے باب میں اس تحریک کے بانی حضرت سید صاحبؒ شہید کے حالات بچپن سے حج تک ہیں، دوسرے باب میں ان کے جہاد کے اغراض و مقاصد اور سفر جہاد کی پُر اثر کیفیتیں اور دشمنوں سے معرکہ آرائی کی تفصیلات اور شہادت کا حال لکھا ہے تیسرے باب میں سید صاحب کی تجدید، امامت اور تزکیہ کے حالات ہیں، ساتھ ہی اس باب میں اسلام کے اصول تزکیۂ روحانی پر جو کچھ لکھا ہے بہت خوب لکھا ہے اور چوتھے باب میں جو آخری ہے سید صاحبؒ کے خلفاء کے سوانح اور اُن کے کارنامے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ اس ایک آفتاب کے پرتو سے کتنے ذرے چمک اُٹھے تھے اور اس گئی گزری حالت میں بھی طبیعتوں میں کتنی اچھی استعدادیں موجود تھیں۔

---

(۱) کہتے ہیں کہ اس تحریک سے چالیس لاکھ مسلمان ہوئے

مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشد و ہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ دے دیا ہے۔ کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح و ہمت کا فائدہ اٹھائیں اور اپنی ماضی کے آئینہ میں اپنے مستقبل کی شکل و صورت دیکھیں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

دارالمصنفین اعظم گڈھ

۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب کے مقاصد

اس کتاب کی تالیف کے چند مقصد ہیں

(۱) ایک نہایت رنجدہ منظر یہ ہے کہ بہت سے ہمت و عزم کے جوان قوت ارادی اور قوت عمل کے مالک ، بے توفیقی ، کم نگاہی یا مسلمانوں کی بدقسمتی سے اپنی کار آمد قوتیں بیکار اور اکثر مضر چیزوں میں ضائع کر رہے ہیں ، ان آوارگان فکر و عمل کو اگر صحیح راستہ نظر آجائے اور خدا کی توفیق سے اس پر قدم اُٹھائیں تو بہت جلد منزل تک پہونچ سکتے ہیں ، اسلام کی خدمت اور نوع انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بتایا گیا ہے اور وہ وہی ہے جس کے مطابق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، آپ کے خلفاء راشدین اور بعض مجددین اُمت نے عمل کیا ، یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی ، روحانی ، مادی ، سیاسی غلبہ کی کوشش کرنا

اسی طرح سے مسلمانوں کی منزل مقصود کا بھی صرف ایک راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے جس سے اس اُمّت کا پہلا قافلہ منزل تک پہونچا ہے لن یصلح اٰخر ھٰذہ الامّۃ الا ما اصلح اوّلھا (اس امّت کے پچھلوں کی اصلاح صرف وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اس کے اگلوں کی کی)، یعنی دین خالص اور اُس کی پیروی۔

(۲) ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے سلیم الفطرت، خوش نیت، سادہ ذہن انسان اپنے ماحول کی مادیت اور جمود سے اکتا چکے ہوتے ہیں روحانیت اور طمانینت نفس کے پیاسے ہوتے ہیں، فطری طور پر ان میں مذہب کے قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت ہوتی ہے ایسے لوگوں کو جب پانی کا کوئی چشمہ نظر آتا ہے تو پیاسوں کی طرح اس پر گر جاتے ہیں، اکثر یہ چشمہ گندہ، اکثر زہر آلود اور اکثر محض سراب ہوتا ہے، بہت بڑی انسانی خدمت ہوگی کہ ان پیاسوں کو صاف چشمہ کے کنارے کھڑا کر دیا جائے کہ پیاسے کی پیاس بجھانا بڑا صدقہ ہے۔

بہت سے لوگ اپنی پستی اور کمزوریوں کے معترف ہوتے ہیں وہ اخلاق وعمل ہمت وعزم، ایثار وقربانی روحانیت وتقدس کا اپنے سے بلند نمونہ ڈھونڈتے ہیں، ان لوگوں کو ایسا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا کم اتفاق ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ایسے لوگوں سے خالی ہے

اور ہمیشہ خالی رہی جب اپنے سے کچھ بلند نمونہ دیکھ لیتے ہیں یا سُن پاتے ہیں تو اپنے دل و دماغ اور ایمان و اعتقاد کی ساری دولتیں آنکھ بند کر کے اس کے نذر کر دیتے ہیں، اس میں وہ طبقہ زیادہ مبتلا ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ　　　شستہ رو تاریک جاں روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و نا امید　　　چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید
(جاوید نامہ)

میرے نزدیک غیر اسلامی تحریکوں کی کامیابی کا (خصوصًا اس نوجوان طبقہ میں) بڑا سبب یہی ہے اور اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ ان لوگوں کو انسانی عظمت اور اسلامی کمالات کے پہاڑ کی اس چوٹی پر کھڑا کر دیا جائے جہاں سے ایسے تمام دعویدار اپنی پوری پستی میں نظر آئیں، اور اس مقام سے مقام نبوت کی بلندی کا تصور کرایا جائے کہ جب نبی کے ایک اُمتی اور خادم کا یہ مقام ہو سکتا ہے تو نبی کا مقام کیا ہوگا۔

(۳) انسان کی طبیعت پر جسقدر ایثار و قربانی اور سرفروشی کا اثر پڑتا ہے کسی چیز کا نہیں پڑتا اس کے سامنے پوری منطق اور تمام بحث و استدلال بے اثر ثابت ہوتا ہے بڑے سے بڑا تن آسان اور عافیت کوش بھی ایسے لوگوں کا کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں انکی عقیدت اور عظمت محسوس کرتا ہی ہمارے نوجوان جو دوسری قوموں اور اپنے ملک کے قائدین و محبان وطن کی شاندار

اور سحر انگیز سوانح اور تذکرے پڑھتے ہیں اور ان کے کارنامے اپنے کانوں سے سنتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں طبعاً متاثر ہوتے ہیں اس کے مقابلہ میں اپنی خود فراموشی یا ناواقفیت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اندھیرا ہے اس کا اثر براہ راست مذہب پر پڑتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں میں سیاست کی راہ سے الحاد بڑی سرعت سے آرہا ہے اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اپنے ہی ملک کے ان دینی قائدین و مجاہدین کے حالات کی اشاعت کیجائے، جو قربانی اور سرفروشی میں بھی منزلوں آگے ہیں۔

(۴) اردو میں صوفیہ و مشائخؒ کے تذکروں کی کمی نہیں، مجاہدین اسلام کے تذکروں کی کمی ہے مگر وہ بھی معدوم نہیں، لیکن قرآن کی اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد صرف انھیں حضرات کی سیرت پورے طور پر مفید ہو سکتی ہے جو سیف و تسبیح کے جامع ہوں اور جن سے محبت و شوق الٰہی کے ساتھ حرکت و عمل کی قوت پیدا ہو۔

ایک صوفی ایک مصلح اور ایک مجدد کی حیثیت سے بھی یہ سیرت مکمل ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق نوجوانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ وہ خود بدلنے کے بجائے زمانہ کو بدلنے کی ہمت کریں۔

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمھیں مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

سلطنتوں کو فتح کرنے کا حوصلہ رکھیں کہ نوجوانوں نے یہ بھی کیا ہے، جسم کی آرائش و

زیبائش چھوڑ کر بزم جہاں کی آرائش کی فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا چیزیں کم ہیں کہ پوری کر دیں کیا رخنے ہیں کہ بھر دیں کیا چیزیں بیکار ہو گئی ہیں کہ نکال دیں

اہل خانقاہ اور مشائخ کو اس کا پیغام ہے کہ

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے — مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی — دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

(ضرب کلیم)

دائرہ شاہ علم اللہؒ
رائے بریلی

۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ
۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ء

کتاب کے ماخذ

سید صاحب کی سیرت میں اتنی کتابیں اور اس شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں کہ جو غالباً کم ناموران اسلام اور مشائخ و مجاہدین کے حالات میں لکھی گئی ہونگی اس کے اسباب مختلف ہیں، ایک سبب تو یہ ہے کہ اُس زمانہ میں کتابت و تصنیف بہت عام تھی اور سید صاحب کے فوراً بعد آپ کے رفقاء معتقدین نے اس طرف توجہ کی، اس لئے ان کو زیادہ تر وہ چشمدید بیانات اور جزئیات و تفصیلات ملسکیں جن کا بعد میں فراہم ہونا مشکل ہوتا ہے، دوسرے نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک[۱] نے جن کو سید صاحب کے ساتھ عقیدت و ارادت ہی نہیں عشق تھا، اس کام کے لئے اپنی ریاست میں سید صاحب کے اعزہ و رفقاء و خدام کا ایک ادارہ قائم کیا تھا، جس نے سید صاحب کے حالات و واقعات کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا لیکن ان کتابوں کی موجودگی میں ایک ایسی نئی کتاب کی ضرورت پیش آئی،

(۱) جو ان سب کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی جائے۔

(۲) جسمیں سید صاحب کی شخصیت و حیثیت اور آپ کے مقاصد و عزائم واضح

---

(۱) نواب امیر خان بانی ریاست ٹونک (راجپوتانہ) کے فرزند ارجمند پیدائش ۱۲۲۲ھ مسند نشینی ۱۲۵۰ھ وفات ۱۶ محرم ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء

کئے جائیں اور آپ کی عظیم الشان تحریک کے دینی و سیاسی اثرات و برکات بیان کئے جائیں۔

(۳) غیر ضروری جزئیات و تفصیلات اور کرامات کے بجائے ضروری واقعات اور تاریخی اشارات ہوں۔

(۴) جو مضامین و مباحث اقتضاء وقت اور مجبوری سے چھوڑ دئے گئے ان کو درج کیا جائے۔

جن کتابوں سے اس کتاب کے واقعات و مضامین ماخوذ ہیں ان کے نام ضروری تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

قلمی

وقائع احمدی (اُردو) یہ کتاب اسی جماعت کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے جس کو نواب وزیرالدولہ مرحوم نے سید صاحب کے وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے لئے مقرر کیا تھا، اس میں سید صاحب کے بعض خاص اعزہ آپ کے رفقاء سفر و جہاد اور آپ کے خدام تھے، ہر ایک اپنی معلومات اور اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا اور کاتب اس کو لکھ لیتا اسمیں اگرچہ زیادہ تر کرامات واقعات عجیبہ اور جنگ کی تفصیلات ہیں، لیکن بہت سے نہایت اہم تاریخی واقعات و اشارات مل جاتے ہیں جن کے بغیر سید صاحب کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

یہ کتاب سید صاحب کے عام سوانح نگاروں کے پیش نظر نہیں تھی، متعدد جلدیں ہیں بعض حصے سید صاحب کے ورثاء کے پاس قافلہ (ٹونک) میں اور مظفر جنگ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں مرحوم کے کتب خانہ میں ہیں۔

تواریخ احمدیہ (فارسی) اس کتاب کا نام منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء بھی ہے، سید صاحب کے حالات میں نہایت معتبر و مبسوط کتاب ہے، اور آپ کے کاتب خاص مولوی سید جعفر علی صاحب نقوی کی تالیف ہے، نواب محمد علی خاں مرحوم والی ریاست ٹونک کی فرمائش پر لکھی ہے، پہلی جلد فارسی میں ہے، بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وقائع احمدی سے سلسلہ ملا دیا ہے۔

مکتوبات (فارسی) یہ سید صاحب، مولوی اسمٰعیل صاحب، اور سید حمید الدین صاحب (خواہرزادہ سید صاحب) کے خطوط کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر میدان جنگ سے اعزا و احباب امراء و سلاطین و اہل ہندوستان کو بھیجے گئے، ان سے سفر ہجرت اور جہاد کے واقعات و میدان جنگ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ خاندان میں انکی ایک نقل موجود ہے، صاحبزادہ صاحب مذکور کے کتب خانہ میں اور سوانح احمدی (مطبوعہ) کے آخر میں بھی اسکا ایک حصہ موجود ہے یہ خطوط گرانقدر فوائد پر مشتمل ہیں اور حدیث و قرآن کا بیش بہا خزانہ جہاد کے نہایت ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطبے ہیں، جنکا لفظ لفظ شمشیر و سناں کا کام دیتا ہے۔

ارمغان احباب (اردو) | یہ راقم سطور کے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کا سفرنامہ و روزنامچہ ہے، آپ نے

۱۳۱۲ھ میں دہلی، پانی پت، دیوبند، سہارن پور، نگینہ، سرہند وغیرہ کا سفر کیا، علماء و مشائخ وقت سے ملاقات کی، ان بزرگوں سے دوسرے علمی و روحانی تذکروں کے علاوہ جناب سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیسیوں ایسی روایات سُنیں جو انھوں نے اپنے بزرگوں سے سُنی تھیں یا خود ان واقعات میں شریک تھے اور سید صاحب کی عام تاریخوں میں نہیں ملتیں، یہ کتاب اگرچہ سید صاحبؒ کے تذکرہ وسیرت کے موضوع پر نہیں ہے لیکن سید صاحبؒ کے تذکرہ میں اس سے نہایت بیش قیمت مدد ملی اور یہ رسالہ اس وقت کی علمی، دینی اخلاقی تصویر ہونیکے علاوہ سید صاحب کے بہت سے حالات وکمالات کا آئینہ ہے۔

نزہتہ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر (عربی) | یہ آٹھ جلدوں میں عربی میں مشاہیر ہندوستان کا تذکرہ ہے اور

والد مرحوم کی تصنیف و سرمایۂ حیات ہے اس میں تیرھویں صدی کے اعیان میں سید صاحب اور ان کے خلفاء کا تذکرہ ہے۔

مطبوعہ

مخزن احمدی (فارسی) | سید صاحب کے بڑے بھانجے مولانا سید محمد علیؒ کی

تصنیف اور سید صاحب کے ابتدائی حالات میں (حج سے واپسی تک) سب سے بڑا ماخذ ہے، مولوی صاحب مرحوم سید صاحب سے عمر میں بڑے اکثر واقعات کے چشمدید گواہ اور بہت سے سفروں میں رفیق تھے، سید صاحب کو آپ سے بڑی خصوصیت تھی، نواب محمد علی خاں کے عہد میں یہ کتاب لکھی گئی، اب نایاب ہے ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

سوانح احمدی تواریخ عجیب (اردو) پہلی کتاب سید صاحب کے حالات میں سب سے مکمل اور مقبول و مشہور کتاب ہے جس سے سید صاحب کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی، مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری اسیر پورٹ بلیر و متہم مقدمہ سازش کی تصنیف ہے آپ سید صاحب کے خلفاء سے بیعت اور سید صاحب کے نہایت سچے اور پرجوش معتقد تھے جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس وقت اس سے زیادہ تصریح شائد خطرہ سے خالی نہ تھی، اور اُس وقت اس کی اشاعت ہی ایک خطرناک کام تھا، عام حالات و واقعات میں زیادہ تر یہی کتاب ماخذ ہے۔

دوسری کتاب (تواریخ عجیب) مصنف کی آپ بیتی ۱۸۶۴ء مشہور مقدمہ سازش انبالہ جیل اور کالے پانی کی سرگزشت اور مصائب و استقامت کی نہایت عبرتناک اور مؤثر داستان ہے، اس کا دوسرا نام "کالا پانی ہے"۔

حاضر مبلغی الہند دغا بوہم: مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مدیر "الضیا" کا

ایک سلسلۂ مضامین ہے جو مصر میں ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہونے والا ہے، اسکی ایک فصل الحرکۃ الوھابیۃ الھندیۃ السیاسیۃ ہے۔ ترجمۃ السید الامام مؤلف کتاب کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مصر کے رسالۂ "المنار" میں علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہوا ہے۔

الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور | یہ مولانا عبد الرحیم صاحب صادقپوری اسیر پورٹ بلیر و متہم مقدمہ سازش ۱۸۶۵ء کی تالیف ہے، اپنے خاندانی حالات و انساب کا مجموعہ اور سید صاحب کے خلفاء و متبعین کی سب سے بڑی پرجوش و سرفروش، مخلص اور کارگزار جماعت اہل صادق پور کا تذکرہ ہے۔ اس کا دوسرا نام تذکرۂ صادقہ بھی ہے۔

امیر الروایات و ارواح ثلثہ | امیر شاہ خاں مرحوم نامی ایک بزرگ خورجہ کے متوطن اور مینڈو ضلع علیگڈھ میں رہتے تھے، آپ بہت سے اکابر و فضلاء کے صحبت یافتہ تھے، حافظہ کے نہایت قوی اور روایت میں نہایت محتاط تھے، سند کا التزام رکھتے تھے اور حدیث کی طرح خاندان ولی اللّٰہی کے بزرگوں اور اکابر سلسلۂ دیوبند کے حالات و واقعات سناتے اور آپ کا کوئی جلسہ مشکل سے اس تذکرہ سے خالی ہوتا، بزرگوں کی ایک زندہ بولتی ہوئی تاریخ تھے، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مولوی حبیب احمد کیرانوی کے ذریعہ ان زبانی روایات کو قلمبند کرالیا اور اس مجموعہ کو امیر الروایات کے نام سے شائع فرمادیا، بعد میں مولانا طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے

جمع کردہ حالات، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا تھانوی کے ملفوظات اور بعض دوسرے اضافات کے ساتھ یہ مجموعہ ارواح ثلٰثہ کے نام سے شائع ہوا، اس میں جناب سید صاحبؒ، شاہ اسمٰعیل صاحبؒ و مولانا عبدالحیؒ صاحب کے متعلق نہایت بکار آمد معلومات اور دلچسپ واقعات ملے جو اپنے اپنے موقع سے اس کتاب میں شامل کردئے گئے۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بعض دوسری اُردو، عربی انگریزی کتابوں سے معمولی استفادہ و اخذ کیا گیا جن کا نام اپنے اپنے موقع پر درج ہے۔

بعض روایات بعض ثقات اور سید صاحب کے خاندان کے معتبر لوگوں سے سنی ہیں ان کا حوالہ کتاب میں دیدیا گیا ہے، انگریزی ماخذ کی فہرست آخر میں ہے۔

سید صاحب کی سیرت پر ایک اجمالی نظر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر فانی معجزہ یہ ہے کہ آپ کے فیض کا چشمہ کبھی خشک ہونے نہیں پاتا۔ آپ کا نمونہ آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا، آپ کی اُمت کی ضرورتیں زیادہ دیر تک اَنکی نہیں رہتیں، اور وہ اس طرح پر کہ آپ کی مشعل نور سے براہ راست مسلسل طریقہ پر سیکڑوں مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی۔

آپ کی کامل پیروی سے ہر زمانہ میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے جن سے آپ کی یاد تازہ ہوتی تھی اور انبیاءؑ کی شان نظر آتی تھی، جن سے ظاہر ہوتا کہ اللہ کا کام بند نہیں ہوا، اللہ کا دین زندہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر زمانہ میں ممکن ہے اور انھیں کی وجہ سے خاتم النبیینؐ کے بعد کسی نبی کی عملاً ضرورت نہیں۔

ان بزرگوں کے کئی طبقے ہیں پہلے اور سب سے اونچے طبقہ کو صحابہ کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کمالات نبوت ختم ہو گئے اسی طرح ان حضرات پر انکی اتباع کامل ختم ہو گئی۔

ان کے بعد سلف صالحین، اولیاء کاملین، مجاہدین، مرشدین، مصلحین مجددین مختلف طبقات ہیں اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ ومریدین آپ کے کفش بردار اور آپ کے دین کے خادم ہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ان لوگوں سے اللہ ہمیشہ اپنا کام لیتا رہا، ان سے ہزاروں کی آنکھیں روشن کیں، ہزاروں کے دل کے کنول کھلائے، ہزاروں کو جگایا، بندوں پر اپنی حجت تمام کی، ان کا ذکر عبادت ہے، ان کی محبت ذخیرۂ آخرت ہے، ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزء ہے۔

اگرچہ ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں کامل تھا لیکن ان کاملوں میں بھی کامل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونۂ کامل ہے، جسمیں صحابہؓ کی شان سب سے بڑھ کر تھی، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب ُ مقصد کی زیادہ خدمت وترقی ہوئی، جس کی صحبت وتربیت سے ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک بار ملاحظہ ہو، اور آپ کی جامعیت پر نظر کیجائے علم وعمل کے جامع، دین ودنیا کے جامع شب بیدار وشہسوار اللہ کیلئے اگر محبت کرتے تھے تو اللہ ہی کے لئے دشمنی بھی کرتے تھے، نفس کے مجاہدہ کے ساتھ کفار سے جہاد بھی کرتے تھے۔

لیکن صحابہ کو چھوڑ کر ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھئے بہت سے لوگوں کے جسم پر یہ مسلّم قبا نظر نہیں آئے گی، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دیکھنا ہے تو ان میں سے ایک کو نہیں دیکھنا چاہئے ورنہ آپ کی شان کا تصور ناقص ہو گا، اسلئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی کے صرف مخصوص اوقات کا نمونہ ہیں، اگر کامل نمونہ دیکھنا ہے تو سب کو جمع کر کے دیکھنا چاہئے۔

لیکن صحابہ کی صف چھوڑ کر کہ ع ایں خانہ تمام آفتاب است ہر صف میں چند ایسے لوگ نظر آئیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مکمل صحیفہ ہیں، جنھوں نے آپ کے کمالات میں سے انتخاب نہیں کیا بلکہ ان کو مسلم لیا یہ وہ افراد ہیں جنمیں سے ہر فرد اپنی جامعیت میں ایک پوری اُمت ہے

آئندہ اوراق سے معلوم ہو گا کہ انھیں افراد امت میں سے سید احمد شہیدؒ بھی ایک فرد ہیں جو زمانہ کے لحاظ سے پیچھے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بہت آگے ہیں۔

اس کے بعد دوسری حیثیت پر غور کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بہت بڑا کام اور آپ کی بعثت کا ایک اہم مقصد حکومت الٰہی کا قائم کرنا اور دنیا میں آسمانی نظام سیاست و اخلاق و معاشرت جاری کرنا تھا، پشاور کے فاتح اور تیرھویں صدی کے امیر المؤمنین کی زندگی میں اتباع نبوی کی یہ حیثیت بہت نمایاں نظر آئے گی اور اسی چیز نے مشائخ امت میں اس جوان کا سر اونچا کر دیا ہے مصلحین اور علماء و مشائخ نے بے شبہ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی

ہیں اور دے رہے ہیں ہزاروں بندگان خدا کو ان سے ہدایت ہوئی، ہزاروں کو انکی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا، ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے، آج بھی رسول اللہ کا فیض ان سے جاری ہے، لیکن ان سب کے محدود حلقے اور عمل کے دائرے ہیں

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الٰہی اور اسلامی نظام و قوانین وحدود کے اجرا اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن اور کاہ برآوردن" ثابت ہوں گی، صرف چند خاص لوگوں کی اصلاح ہو گی لیکن ضرورت فضا بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے آپ اسی نقشہ پر کام کرنا چاہتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاء راشدین نے کیا اور تجربہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور پائدار کامیابی اسکو ہوئی اور قیامت تک اسلام کی ترقی کے لئے وہی نظام عمل ہے۔

اسلام صرف خواص کا مذہب نہیں، اور چند منتخب لوگوں کا اس پر عمل کرنا کافی نہیں، اسی طرح اسلام عیسائیت کی طرح چند عقائد و رسوم کا نام نہیں، وہ زندگی کا نظام ہے، وہ زمانہ کی فضا طبیعت بشری کا مذاق اور سواد اعظم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے اور عقائد کے ساتھ، اخلاق و معاشرت زندگی کے مقصد و معیار زاویۂ نظر اور انسانی ذہنیت کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے، یہ اسوقت ہو سکتا ہے کہ اس کو مادی و سیاسی اقتدار حاصل ہو، صرف اسی کو قانونسازی اور تنفید کا حق ہو، اس کے صحیح نمائندہ ہی دنیا کے لئے نمونہ ہوں اسلام کے

مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اس کا روحانی اقتدار اور صاحب اقتدار جماعت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(الحج)

یہ (مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انھیں صاحب اقتدار کر دیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز کو قائم کریں گے۔ زکوٰۃ کی ادائگی میں سرگرم ہوں گے نیکیوں کا حکم دیں گے برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

دوسرے نہایت اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہو سکتا، اسلام کا دنیا میں ایک مستقل نظام ہے جو حکومت پر موقوف ہے بغیر حکومت کے قرآن مجید کا ایک پورا حصہ ناقابل عمل رہ جاتا ہے، خود اسلام کی حفاظت بھی بغیر قوت کے ممکن نہیں، مثال کے طور پر اسلام کا پورا انتظام مالی و دیوانی و فوجداری معطل ہو جاتا ہے، اسی لئے قرآن غلبہ و عزت کے حصول پر زور دیتا ہے اور اسی لئے خلافت اسلامی بہت اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی اور اس کو اکابر صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا جس کو بہت سے کوتاہ نظر نہیں سمجھتے، اور اسی کی حفاظت کے لئے حضرت حسینؓ نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور نااہل ہاتھوں میں نہ جانے پائے،

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" اسلام میں جسقدر اہم فریضہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اُمت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم بہترین قوم ہو جو دنیا میں اس لئے ظاہر کی گئی کہ تم بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔

اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم میں ایک جماعت رہنی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لئے امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور تحکم کی شان ہے، یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کے لئے درخواست و عرض کرینگے پس امر و نہی کے لئے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

صحیحین کی مشہور حدیث ہے من رائی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (جو تم میں سے کوئی بُرا کام دیکھے اس کو ہاتھ سے روک دے اور اگر ہاتھ سے نہ روک

سکے تو زبان سے روکے اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ آخری درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے) ظاہر ہے کہ "تغیر بالید" ہاتھ سے بدلدینے اور عملی اصلاح کے لئے قوت و اختیار کی ضرورت ہے، زبان سے روکنے کیلئے کچھ قوت اور آزادی کی ضرورت ہے اگر یہ کچھ نہیں تو تیسرے درجہ پر قناعت کرنی پڑے گی جو ایمان کا آخری درجہ ہے اور جس کے بعد بعض روایات کے مطابق ایک ذرہ برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا، مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ غلامی میں دل سے بُرا سمجھنا اور زشت و نیک کا احساس بھی جاتا رہتا ہے۔

جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اگرچہ سید صاحبؒ کی تاریخ میں اس کارنامہ جہاد اور احیاء خلافت اسلامیہ نے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ عام لوگ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے لیکن خواص کی بھی اسکے مقاصد و اسرار پر نظر نہیں، خدا کو ابھی ہماری ناقدری اور نااتفاقی کی سزا دینی تھی ورنہ دنیا خلافت راشدہ کے بعد ہندوستان میں "حکومت شرعیہ" کا نقشہ دیکھتی۔

اس کے بعد سید صاحبؒ کی ایک اور خصوصیت پر نظر ڈالئے اور وہ یہ کہ آپنے تھوڑے زمانہ میں ایک دینی فضا قائم کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرھویں صدی میں صحابہؓ کا نمونہ تھے، ایک

رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے، اللہ کیلئے جان دینے والے شریعت پر چلنے اور مرنیوالے، بدعت سے نفور شرک کے دشمن، جہاد کے نشہ میں سرشار متقی وعبادت گزار اور بڑی بات یہ کہ ہم رنگ و یک آہنگ، تاریخ اسلام میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں اس یکجہتی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہ و تابعین کے بعد مشکل سے ملیگی۔

ان آخری صدیوں میں ہم کو دنیاء اسلام کی کسی ایسی مذہبی تحریک کا علم نہیں جو ہندوستان کی اس تحریک احیاء سنت اور جہاد سے زیادہ منظم اور وسیع ہو، اور جس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر اور دوررس ہوں، مشرقی بنگال سے لے کر افغانستان کے حدود تک لاکھوں مسلمان اس تحریک سے وابستہ تھے، بنگال کے کمشنر پولیس کی رپورٹ ہے کہ اس جماعت کے ایک ایک مبلغ کے پیرؤوں کی تعداد اسّی اسّی ہزار ہے[۱]، سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "مسلمانان ہند" میں لکھتا ہے

> "صوبہ متحدہ کے ایک انگریز کارخانہ دار نیل کا بیان ہے کہ اس کے دیندار مسلمان ملازم اپنی تنخواہ یا مزدوری کا ایک جزو ستھانہ کیمپ کیلئے علحدہ کرکے رکھ لیتے تھے جو لوگ زیادہ جری تھے وہ تھوڑے بہت زمانہ کے لئے ستھانہ جاکر خدمت کرتے تھے جس طرح ہندو ملازم اپنے بزرگوں (رکھوں) کے شرادہ کیلئے چھٹی مانگتے تھے اسی طرح مسلمان ملازم یہ کہہ کر چند ماہ کی رخصت لیتے تھے

---

[۱] خطوط نمبر ۱۰۰، ۱۳ مئی ۱۸۴۳ء و نمبر ۵۰ ستمبر ۱۸۴۲ء،

کہ انھیں فریضۂ جہاد ادا کرنے کے لئے مجاہدین کے ساتھ شریک ہونا ہے[1]"

ہندوستان کی کوئی اصلاحی اور اسلامی سیاسی تحریک نہیں جو اس تحریک سے متاثر نہ ہو، اور ہندوستان میں موجودہ اسلامی زندگی مذہبی اصلاح مسلمانوں کی سیاسی بیداری، اور ملک میں مسلمانوں کے وجود کی اہمیت اور ان کا سیاسی وزن بڑی حد تک اسی طویل جہاد کا رہین منت ہے، آئندہ اوراق اسی اجمال کی تفصیل اور انھیں اشارات کی توضیح کے لئے ہیں۔

رود بناس ریاست ٹونک (راجپوتانہ)
مئی ۱۹۳۶ء

---

[1] انڈین مسلمانز سر ولیم ہنٹر۔

سیّد صاحب کا زمانہ

تیرھویں صدی کی دنیائے اسلام

تاریخ اسلام کا یہ نہایت افسوسناک واقعہ ہے کہ اسلام کا انحطاط بہت جلد شروع ہو گیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں، وجہ یہ تھی کہ اسلام کی پوری عمارت کی بنیاد دین پر تھی، جس وقت یہ بنیاد ہلی، ساری عمارت ہل گئی اور ہر جگہ دراڑیں اور شکستگی کے آثار نظر آنے لگے، حقیقت یہ ہے (اگرچہ ناخوشگوار ہی) کہ اسلام کی اصلی تصویر مخصوص زمانہ ہی میں رہی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف جگہوں میں ظاہر ہوتی رہی، اس زوال کا بڑا سبب خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے، خلافت اسلامی دین کی پاسبان، سرپرست اور اس کے مقاصد و مصالح کی آلۂ کار تھی، یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو یا تو اس کے مقاصد و مصالح سمجھتے نہ تھے یا ان کے پابند نہیں رہنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے لئے دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے، جب تک عہد نبوی کا قرب رہا، دینی ماحول اور فضا باقی تھی، اس انقلاب کا اثر زیادہ ظاہر نہیں ہونے پایا اور صرف انتظامی و فوجی شعبوں تک محدود رہا، خلفاء سے زیادہ، صحابہ و علماء کا اثر تھا، بے ضابطہ طریقہ پر احتساب قائم تھا، علماء امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے، وہ خلفاء کو ٹوک دیتے تھے

اور وہ انکی بات سُن لیتے تھے ایسے نمونے موجود تھے جن کو دیکھ کر دین کا شوق پیدا ہوتا اس کے بعد رفتہ رفتہ جب یہ لوگ اُٹھنے لگے اہل حکومت کا تسلط بڑھا، علماء و اہل دین کا اقتدار کم ہوا تو دین کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اہل علم و دین خوف سے یا امید سے حکومت کے دامن سے وابستہ ہونے لگے، احتساب کم ہوا یا ختم ہوگیا، اسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور اپنے انتہائی (دنیاوی) شوکت وعروج وحکومت کے زمانہ میں بے کس ہوگیا، دیندار طبقہ اقلیت میں ہوگیا، اہل حق گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنا فرض انجام دیتے رہے لیکن ان کی حالت بالکل ذمیّوں کی سی ہوگئی تھی۔

یہ حقیقت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید بن عبدالملک ہارون مامون عبدالرحمٰن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیاری (آئیڈیل) نہیں تھا ان لوگوں کیلئے نئی ہوگی جو اسلام کے معنی "اسلامی تمدن" سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے انکی مراد بغداد و قرطبہ دمشق وغرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانہ سے ناپتے ہیں لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے ان کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالیشان دارالخلافہ اور سربفلک مسجدوں کے بجائے، مدینہ کے جھونپڑوں میں نظر آئے گی۔

دنیادار بادشاہ و امرا تو پہلے پیدا ہو چکے تھے، زمانہ کے اقتضا اور حالات کے

تغیر سے دنیادار علماء و مشائخ کا گروہ پیدا ہوا اور یہی وہ تینوں عناصر فساد ہیں جو اسلام کے درخت کو دیمک کی طرح کھاتے رہے حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں

وھل افسد الدین الا الملوك　　　واحبار سوء و رھبانھا

دین کو محض بادشاہوں بُرے علماء اور پیروں نے خراب کیا

خلافت کا نظام شرعی اور اس کی برکتیں تو پہلے ختم ہو چکی تھیں، احتساب کے اٹھ جانے، ہر قسم کی آزادی اور سامان عیش و دولت کی فراوانی سے سخت اخلاقی ابتری پیدا ہوئی، فواحش و منکرات عام ہو گئے، شراب کا دور چلنے لگا، معصیت کی وہ تمام قسمیں رائج ہو گئیں جن کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر عذاب آیا تھا، علماء کی آواز منبروں اور درس کے حلقوں تک اور مشائخ و صوفیہ کی اصلاح و تزکیہ خانقاہوں تک محدود رہ گیا۔

پہلی ہی صدی میں عجمیوں کے اختلاط نے دین کی صورت اور تخیل کو مسخ کرنا شروع کر دیا تھا، رفتہ رفتہ دین اپنے اس مرکز ثقل سے ہٹ گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا اس مسخ و تحریف کی انتہائی صورت بقول ڈاکٹر استاذ رڈ ایران کی شیعیت ہے جس سے اسلام کو سیاسی اور دینی کچھ کم نقصان نہیں پہونچا،

اس زمانہ میں اسلام میں اعتقادی و عملی بدعات ظاہر ہوئیں اور یہ مصیبت پہلی مصیبت سے کم نہ تھی کہ وہ اسلام کے جسم پر حملہ تھا اور یہ اس کے دل اور دماغ پر

رفتہ رفتہ ایک دوسرا مذہب بن گیا جسکی ایک مستقل شریعت تھی، جس کا علم کلام الگ تھا اور علم فقہ الگ، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام دوبارہ دُنیا میں تشریف لاتے تو کبھی اس کو نہ پہچان سکتے اور اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے تو انکے تازیانہ کی مصروفیت بہت زیادہ ہوتی۔

رفتہ رفتہ عملیت بھی ختم ہوگئی اور اسلام عیسائیت کی طرح چند اعتقادات اور چند رسوم کا ایک مجموعہ رہ گیا، سیاسی زوال کی رفتار بھی تیز ہوگئی، بغداد و اندلس کا سقوط اس وقت کے اہم واقعات ہیں، جن سے مسلمانوں کے سیاسی زوال پر اچھی طرح نظر پڑتی ہے۔

اگرچہ سیاست کا دین کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں رہا تھا، مگر سیاسی زوال کیساتھ مذہب و اخلاق و معاشرت کو بھی زوال ہوتا گیا، ترکوں نے مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو سنبھالا مگر مذہب میں بوجوہ چند کوئی جان نہیں پڑی، سلطان صلاح الدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی جہاد کو زندہ کیا اور اس سے مسلمانوں میں مجاہدانہ روح پیدا ہوگئی لیکن جنگ صلیبی کے خاتمہ پر (اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کا اس وقت خاتمہ ہوگیا تھا)، قوٰی میں پھر اضمحلال پیدا ہوگیا، اس وقت سے عالم اسلامی کے ہر گوشہ میں وقتاً فوقتاً مصلح اور مجدد پیدا ہوتے رہے، جن سے مسلمانوں میں زندگی اور بیداری پیدا ہوئی، عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی، کہیں کہیں میدان جہاد بھی آراستہ ہوا، اور کارگزار و صحیح الخیال جماعتیں پیدا ہوئیں، لیکن مسلمانوں میں عالمگیر بیداری نہیں

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

پیدا ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ روحانی، اخلاقی، دینی و سیاسی، علمی و ذہنی انحطاط کے لحاظ سے یہ صدیاں اسلام کی تاریخ میں "قرونِ مظلمہ" تھیں۔

ہندوستان کی حالت

مذہبی اسلام کو عربوں کی ذہنی تربیت کا زیادہ زمانہ اور زیادہ موقع ملا، اور انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وصحبت سے فائدہ اٹھایا، اس لئے اسلام ان کی طبیعت ثانیہ انکی تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت بن گیا تھا اور بہت سے عقلی وطبعی اسباب کی بناپر ان کا دماغ اس کو بآسانی قبول کر چکا تھا اور وہ اس کو صحیح روح صحیح منشا اور شارع کے مقصد کے مطابق سمجھتے تھے، ان میں اس کی اشاعت وغلبہ کا جوش بھی دوسروں سے زیادہ تھا، اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اس لئے جہاں جہاں اسلام ان کے ذریعہ پہونچا وہ تازہ دم تھا، اور اپنی صحیح اور ابتدائی شکل میں تھا، اس میں جذب کی قوت بھی زیادہ تھی، چنانچہ اس نے وہاں کے مذاہب، عقائد، اخلاق ومعاشرت کو فتح کرلیا، اور اپنے قالب میں ڈھال دیا اور وہ قومیں عربوں کا مثنی اور نقل بن گئیں، چنانچہ بگڑتے بگڑتے بھی ان میں دین حجازی کی شکل قائم رہی، ان کی خرابیاں اور کمزوریاں بھی اسی نوع کی تھیں، جس نوع کی خود عربوں کی۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں اسلام ایران وافغانستان کا چکر کاٹ کر پہونچا

اور راستہ میں اپنی بہت سی تازگی اور زندگی کھو کر یہاں کا اسلام (سکنڈ ہینڈ) تھا ترک و مغل فاتحین اسلام کے اسلام میں کوئی شک نہیں، لیکن مذاہب و تہذیب فتح کرنے کے لئے اتنی روحانی قوت کافی نہیں جتنی ان میں تھی، وہ خود اس درجہ میں تھے کہ انکی دینی تربیت کیجاتی، دوسری مشکل یہ تھی کہ خود ان کی خاص تہذیب و معاشرت تھی جو اُن کے ساتھ جاتی تھی، ان کا مستقل نظام سلطنت تھا اور وہ مبلغ و داعی سے زیادہ حکمران و کشور کشا تھے پھر جس ملک میں وہ داخل ہو رہے تھے اس کا خود ایک مذہب ایک تصوف اور ایک تہذیب تھی، جس وقت حریفوں کی تلواریں آپس میں میدان جنگ میں دست و گریبان ہوتی ہیں، اُس وقت انکی تہذیبیں، استفادہ و تعارف میں مشغول ہوتی تھیں، اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول ڈاکٹر لیبان، اسلام ہندوستان میں جتنا اثر انداز ہوا اس سے زیادہ متاثر ہوا، اور تھوڑے دنوں میں ایک بین الاقوامی و بین المذاہب، عربی، ایرانی، افغانی و ہندوستانی مذہب و تہذیب پیدا ہو گئی، یہاں کے اسلام میں وہ ساری کمزوریاں تھیں جو ایران و افغانستان کے اسلام میں تھیں اور وہ بھی جو ہندو مذہب و تہذیب و تصوف کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھیں، جو لوگ یہاں اپنے پُرانے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے وہ طبعاً اپنے ساتھ اپنی بہت سی مذہبی قومی خصوصیات عقائد اور خیالات لائے جو قائم رہے اور بعد میں مذہب میں داخل ہو گئے بیوہ کا نکاح ثانی دنیا جہان میں کہیں عیب نہیں لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں

یہ جرم گردن زدنی تھا۔

اس زہر کا تریاق اور اسلام کی اصلی شکل محفوظ رکھنے کے لئے دنیا میں دو چیزیں ہیں، قرآن و حدیث: قرآن کے سمجھنے کے لئے یا تو عربی زبان کی ضرورت ہے یا ترجمہ کی تو عربی زبان تو ہندوستان میں مدارس سے باہر کبھی بھی نہ تھی، اور ترجمہ کا یہ حال ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں سب سے پہلے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جس پر علماء میں قیامت برپا ہو گئی کہ عوام قرآن مجید پڑھیں گے اور گمراہ ہوں گے یہاں تک کہ شاہ صاحب کو کچھ دنوں کے لئے ہندوستان چھوڑ کر باہر جانا پڑا، رہی حدیث سو اس کے متعلق تسلیم ہے کہ گجرات اور چند ساحلی مقامات چھوڑ کر ہندوستان میں حدیث شیخ عبدالحق صاحب محدث لائے یعنی گیارھویں صدی تک ہندوستان میں حدیث نہیں آئی تھی اور آنے کے بعد بھی شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے جانشینوں سے پہلے حدیث کا سکہ ہندوستان میں چلا نہیں تھا۔

دوسرے بعض دور حکومت میں مذہب حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت سے قطعاً محروم رہا بلکہ اس کی مخالفت کی گئی اور بادشاہ اسلام نے اسکی کوئی حرمت نہیں کی چنانچہ اگر اسلامی حکومت میں اسلام کی کس مپرسی اور اس کا انحطاط دیکھنا ہے تو مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات پڑھنے چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو نہ پیدا کرتا اور

ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے اسکی حفاظت دین کے طریقے ہزار ہیں، لیکن بظاہر تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب، یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

احیاء اسلام اور خدمت شرع کے تذکرہ میں ان نائبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور درویشوں کے ساتھ ایک "دنیا دار" بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر مرحوم کا نام بھی زبان پر آتا ہے، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تیرھویں صدی میں ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی اور سیاسی حالت تھی اس کے تصور کے لئے موجودہ حالت ذہن میں لانی چاہئے، یہ خیال ہے کہ یہ حالت، بڑی جد وجہد اصلاح و تجدید کا نتیجہ ہے، پھر بھی شاید بیک وقت سب گوشے نظر میں نہ آسکیں، اس لئے ہم اس کا ایک ناقص اور دھندلا سا خاکہ کھینچتے ہیں اگر شرک و بت پرستی دنیا میں کوئی چیز ہے اور لغت عرف و شرع میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صاف صاف مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی، جس کے واجبات اور مستحبات میں ان کا سجدہ کرنا، ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذریں اور چادریں چڑھانا، منتیں ماننا

قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا، چراغاں کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور مختصر اور صحیح الفاظ میں اس کو قبلہ و کعبہ اور ملجا و ماوی سمجھنا تھا، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ سب عقائد و خیالات موجود تھے جن کی وجہ سے نصرانی یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کی تمام رسوم مسلمانوں کی معاشرت کا جزو بن گئی تھیں اور ان سے کوئی گھر خالی نہ تھا، انکی پابندی قرآن و حدیث و اسلامی فرائض سے زیادہ کیجاتی تھی، شرک و بدعت اور اسراف و جہالت ان کے اجزا ترکیبی تھے۔

(سنت) و (شریعت) بے معنیٰ الفاظ تھے جو صرف کتابوں میں رہ گئے تھے بدعت کی تعریف ہی کسی پر صادق نہیں آتی تھی اور ہر بدعت، بدعت حسنہ تھی، بہت سے حرام حلال ہو گئے تھے اور بہت سے حلال حرام، شعائر اٹھ رہے تھے اور ان کی جگہ ہندوانہ شعائر لے رہے تھے، اور لے چکے تھے، قرآن و حدیث کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے تھے، مثلاً بیوہ کا نکاح اور تقسیم میراث، شرفاء اسلام کی نئی شریعت میں مستحب و فرض سے حرام و متروک ہو گئے تھے، ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم و تنسیخ اور تشریع (قانون سازی) کا حق تھا اور جسکو مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ تو مستند شریعت تھی، ما رأہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن

قرآن ایک چیستاں تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا اور نہ اس میں غور کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے کہ اس پر عمل کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا اور اس کا بہت سا

حصہ منسوخ ہو کے بیکار ہو چکا تھا اور وہ وقت ضرورت کے لئے ادب واحتیاط کے کیساتھ محفوظ رہتا تھا، وہ مردوں کے لئے تھا زندوں کے لئے نہیں وہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا، اور اس کو پڑھ کر ان کی گمراہی کا اندیشہ تھا، علماء کو شرعی و ضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی۔

فرائض وعبادات سے عام غفلت تھی، اس لئے کہ زندگی میں مقررہ مجلسیں اور بزرگوں کے کھانے مرنے کے بعد قرآن خوانی، فاتحہ، قل، سیوم تیجا، چالیسواں اور سب سے بڑھ کر پیر کا وسیلہ نجات کے لئے کافی تھا، پھر اسکے علاوہ مشقت حماقت تھی۔

شعائر وآداب اسلام کے زوال وانحطاط کا حال اس سے معلوم ہوگا کہ معتبر لوگوں کی شہادت ہے کہ سلام مسنون کی رسم سارے ہندوستان سے اُٹھ گئی تھی، حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شریعت کدہ میں بھی آداب عرض وتسلیمات عرض کا رواج تھا۔

اخلاقی حالت

اس وقت مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہ وہ تھی جو قوموں کے انحطاط حکومتوں کے زوال تداخل[1] کے موقع پر ہوتی ہے، انکی

---

(۱) جس طرح دو موسموں کے تداخل کا ایک زمانہ ہوتا ہے اور اس میں بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اسیطرح قوموں اور سلطنتوں کے تداخل کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے جب ایک قوم یا سلطنت کا چل چلاؤ ہوتا ہے اور دوسری قوم یا سلطنت اسکی جگہ لیتی ہے اس موقع پر بھی بیشمار اجتماعی واخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۲)

معاشرت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ مؤرخ کا قلم بھی اس کی تصویر کھینچتے شرماتا ہے فسق و معصیت ان کے آداب و تہذیب میں داخل ہو کر معاشرت کا جز بن گئی تھی اور وہ اس پر علانیہ فخر کرتے تھے، شراب نوشی عام تھی، نشہ آور چیزوں (افیون، بھنگ تاڑی وغیرہ) کا استعمال گھر گھر تھا جس سے اخلاق کے ساتھ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب ہو رہی تھی، بازاری عورتیں دینی مجالس سے لے کر ہر مجلس کی زینت تھیں، حد یہ ہے کہ بعض شرفا اپنے لڑکوں کو ان کے پاس زبان اور علم مجلسی کی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے، بہت سے لوگ نکاح اور کسی تعداد کے پابند نہ تھے مسلمانوں سے فاتح اور زندہ قوموں کے خصائص رخصت ہو رہے تھے اور اس درخت کو گھن لگ چکا تھا، امراء و متوسطین سے لیکر غرباء تک عیاشی عام تھی، ہر ایک نشہ میں سرشار تھا، باوجود اس کے کہ یہ مسلمانوں کے لئے نازک ترین وقت تھا سب بےفکر عیش و نشاط میں مشغول تھے، گھر گھر یہی چرچا تھا، ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات تھی، غرباء بھی امراء کی نقالی کرتے تھے، اور امراء کی تو دنیا ہی الگ تھی، ان کے لئے نہ قانون شریعت تھا نہ قانون فطرت ع

"سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے"

غرض کہ مسلمانوں کے گناہ اس وقت اتنے بڑھ گئے تھے کہ قلم کی اس جنبش تک ان کی سزا ختم نہیں ہوئی،

سیاسی حالت سلطنت مغلیہ کا شیرازہ مدت ہوئی بکھر چکا تھا کسی حکومت کا

زوال کہنے کو تو دو لفظ ہیں لیکن یہ کسی ملک و قوم کی تاریخ میں قیامت سے کم نہیں مسلمانوں کی سیاسی ساکھ گر چکی تھی، اور اب وہ اپنے باپ دادا کی زمین پر بھاری تھے، ان کا کوئی قائد اور شیرازہ بند نہ تھا، تیموری سلاطین صرف خانقاہ نشین ہو کر رہ گئے تھے، ان کو اپنا سنبھالنا دوبھر تھا، مسلمانوں کو کمزور پاکر بیسیوں فتنوں نے سر اُٹھایا، دکن سے لے کر دہلی تک کا ملک اور جو کچھ ملک میں ہوتا ہے مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، اور سواحل پر انگریز قابض تھے جو اندرون ہند کی سیاسیات میں شریکِ اعظم تھے اس حالت میں ترکش اسلام کا آخری خدنگ سلطان شہید سلطان ٹیپوؒ تھا چنانچہ ۱۷۹۹ء میں یہ ترکش بھی خالی ہو گیا۔

ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ مشہور امریکی مصنف نے اپنی کتاب "جدید دنیاء اسلام" میں اس دور کی سیاسی و مذہبی و اخلاقی تصویر کھینچی ہے، امیر شکیب ارسلان نے اپنے حواشی میں بالکل سچ لکھا ہے کہ اگر کوئی مدقق مسلمان حکیم و فلسفی اور اسلام کے اجتماعی امراض سے پورے طور پر باخبر مؤرخ بھی ان پچھلی صدیوں کی تصویر کھینچنا چاہے اور اس کا حال بیان کرے تو اس سے زیادہ صحیح، مطابق اور بلیغ تصویر نہیں کھینچ سکتا، میں اس حصہ کو بلفظہ نقل کرتا ہوں۔

"اٹھارویں[1] صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہونچ چکی تھی، صحیح

---

(۱) یہی حالت بعینہٖ انیسویں صدی کے وسط یا اس کے بعد تک رہی۔

قوت کے کسی جگہ آثار نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ ذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہوگئی تھی اور چند درسگاہیں جو ہولناک زوال میں باقی تھیں وہ افلاس و غفلت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں اور ان میں بدنظمی و خونریزی کا دور دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبجات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم اور استحصال بالجبر پر مبنی تھیں قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش مقامی رئیسوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہونچاتے تھے برسرپیکار تھے اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ، مار و ظلم و پامالی سے نالاں تھی، دیہاتی اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہوگئے تھے لہذا تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہوگئی تھیں کہ محض سد رمق کے لئے کیجاتی تھیں(۱)

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوف کے طفلانہ توہمات

---

(۱) لیکن ان مشرقی سلطنتوں میں رعایا کو آج سے زیادہ اطمینان و فارغ البالی حاصل تھی اور اقتصادی حالت آج سے بدرجہا بہتر تھی، بدحالی و افلاس میں اس نظام سلطنت کا تصور کم ہے بلکہ اس کے دوسرے اسباب ہیں "اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست" (ملاحظہ ہو حکومت خود اختیاری از سید طفیل احمد صاحب)

کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔ مسجدیں ویران و سنسان پڑی تھیں عوام جہال ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کیجاتی تھی، کیونکہ ان جہال کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے ہیں، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون و شراب خواری عام ہو رہی تھی، زنا کاری کا زور تھا اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے، یہاں تک کہ مقامات مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ افعال قبیحہ کے قعر مذلت بن گئے تھے، اور حج جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں تعلیم کیا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیرووں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے"۔

(جدید دنیائے اسلام از ڈاکٹر اسٹاڈرڈ مترجمہ محمد جمیل الدین صاحب بدایونی)

باب اوّل[1]

از ولادت تا حج

سید صاحب کا خاندان

سید صاحبؒ کا خاندان ہندوستان کا مشہور حسنی سادات کا خاندان ہے، اس خاندان کے پہلے بزرگ جو ہندستان آئے شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی تھے جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے[1]، اور جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کو رویائے صادقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہندوستان آنے کا حکم ہوا ساتویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان تشریف لائے اور کڑہ مانک پور کے نواح میں جہاد کیا۔

اس طرح سے اس خاندان کی بنیاد ہی ہندوستان میں جہاد پر پڑی۔

اس خاندان کے دوسرے بزرگ حضرت سید شاہ علم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہد عالمگیر کے مشہور عالم ربانی اور صاحب سلسلہ شیخ تھے، آپ حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے بڑے خلفا میں سے تھے، اس طرح سے آپ اور حضرت مجدد صاحبؒ کے درمیان

(۱) بعض کتابوں میں ہے کہ بھتیجے تھے

صرف حضرت شیخ آدم بنوریؒ کا واسطہ تھا، شاہ صاحب کمالات باطنی اور مراتب روحانی کے علاوہ سراپا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے، اتباع سنت و عمل بالشریعت میں یگانۂ روزگار تھے، اُٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، سلام کلام اکل و شرب معاشرت و معمولات میں کوئی حرکت اور کوئی فعل خلاف سنت نہ ہوتا ادنے ادنے سنتوں کا خیال رہتا، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے، حد درجہ کے متواضع اور سادہ تھے، خورد و کلاں حتیٰ کہ نوکر چاکر کو تعظیم سے خطاب کرتے، اپنے ہاتھ سے کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، کھانا پکانے میں نوکروں کے ساتھ شریک ہوتے کبھی کبھی خود مع خاندان کے مزدوری کرتے، ہر کام میں دوسرے کا ہاتھ بٹاتے اور کسی سے خدمت نہ لیتے، شیخ وقت اور مخدوم خلائق ہونے کے باوجود مشیخت و مخدومیت کی بو بھی نہ پائی جاتی، حب للہ اور بغض للہ پر پورا عمل تھا، کسی سے کوئی ناحق کام یا خلاف شریعت امر دیکھ لیتے تو اس کی صورت سے بیزار ہو جاتے اور جب تک توبہ نہ کر لیتا اس سے کوئی تعلق نہ رکھتے، مبتدع کو سلام اور اُس کے سلام کا جواب دیتے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل تھا اور اس میں کسی کے رسوخ و وجاہت ریاست و امارت یا علم و فضیلت کا ذرا لحاظ نہ کرتے۔

آپ نے شیخ حضرت سید آدم بنوریؒ سے رخصت ہوتے وقت عرض کیا کہ اس طرف (اودھ میں) بہت سے اولیا اور عالی مرتبہ لوگ ہیں، میری ان میں کیا حیثیت ہوگی، حضرت نے کچھ دیر مراقب ہو کر فرمایا کہ ان میں تمھاری نسبت ایسی

ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی، پھر کچھ دیر مراقبہ کے بعد فرمایا کہ سید خاطر جمع ہوکر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، تمھاری نسبت ان میں ایسی ہوگی جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔

شیخ عبدالحمید ابدال فرماتے تھے کہ "اتباع سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سید علم اللہ صاحبؒ کی مثال اس زمانہ میں نہیں ہے اور سلف میں بھی خاص خاص لوگ اس درجہ کے ہیں۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کے علاوہ آپ کی محبوبیت بھی حاصل ہے"۔ چنانچہ آپ کی اس مقبولیت و محبوبیت کے بہت سے واقعات و رویائے صادقہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ نقشبندی دہلوی کے ملفوظات درالمعارف میں ہے کہ آپ کے انتقال کی رات کو عالمگیرؒ نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ یہ تاریخ لکھ لینی چاہئے، اس رات کو سید علم اللہ صاحب کی وفات ہوئی ہوگی کیونکہ وہی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں، سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسی شب کو جناب ممدوح نے انتقال فرمایا۔

خلفاء و مریدین میں وقت کے مشہور علماء و مشائخ تھے، جن میں سید آدم صاحب بنوری کے اخلاف و اعقاب بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی اولاد کو رائے بریلی (اودھ) کے باہر سئی ندی کے کنارے ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی سنت کے مطابق آباد کیا۔ ربنا لیقیموا الصلوٰۃ (اے ہمارے پروردگار تاکہ نماز قائم کریں) اور بیت ابراہیمی کے بالکل شکل اور پیمانہ پر اپنے اور اپنی اولاد کے ہاتھ سے خدا کا گھر تعمیر کیا جسکی بنیادوں میں آب زمزم ڈالا۔

حضرت شاہ صاحب کی اولاد میں اتنے جلیل القدر مشائخ اور مقبول اولیاء اللہ اور اس تسلسل اور کثرت سے ہوئے جن کی نظیر شاید صرف حضرت مجدد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان میں مل سکتی ہے، شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادے حضرت سید آیت اللہؒ، سید محمد ہدیٰؒ، سید ابو حنیفہؒ اور سید محمدیؒ آفتاب و ماہتاب تھے، حضرت سید آیت اللہ کے صاحبزادوں میں سید محمد ضیا و سید محمد صابرؒ، سید محمد ضیا کے صاحبزادہ حضرت شاہ ابو سعید صاحبؒ (خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ و جد مادری حضرت سید صاحبؒ) اور سید محمد صابرؒ کے صاحبزادہ سید محمد واضح صاحبؒ پھر ان کے صاحبزادہ سید قطب الہدیٰؒ اور سید قطب الہدیٰ صاحبؒ کے برادر زادہ سید محمد ظاہر صاحبؒ (خلیفہ حضرت سید صاحبؒ) اور آخر میں آپ کے برادر زادہ سید شاہ ضیاء النبی صاحبؒ اپنے اپنے وقت کے مرشد و ہادی تھے۔

اسی طرح سید محمد ہدیٰ صاحبؒ کے صاحبزادہ سید محمد نور سید محمد حیا

۱۳۳۷
۱۳۰۱ 12-37

اور سید محمد نور کے صاحبزادوں میں حضرت سید نعمان و سید عرفان اور سید عرفان صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا سید محمد اسحٰق اور حضرت سید احمد اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

حضرت سید ابو حنیفہ لاولد تھے اور حضرت سید محمد کے صاحبزادے سید محمد حکم اور سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب۔ تھے ان میں سے ہر ایک کے فضائل و مناقب کے لئے ایک دفتر درکار ہے

این سلسلہ از طلائے ناب است　　　این خانہ تمام آفتاب است

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے ہمیشہ جہاد میں حصہ لیا، شاہ علم اللہ صاحب کے تین صاحبزادے جہاد میں شریک ہوئے اور دو پوتے میر عظیم الدین ابن سید آیت اللہ اور سید محمد جامع ابن میر محمد احسن ابن سید آیت اللہ شہید ہوئے۔

اس خاندان کے بہت سے بزرگوں نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور آپ کے صاحبزادوں سے ظاہری و باطنی استفادہ کیا، حضرت شاہ محمد واضح اور حضرت شاہ ابو سعید اور حضرت سید محمد معین اور حضرت سید محمد نعمان (عم حضرت سید صاحب) نے شاہ ولی اللہ صاحب سے اور مولانا سید قطب الہدیٰ اور مولانا سید محمد اسحٰق صاحب (برادر اکبر حضرت سید احمد صاحبؒ) نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب و حضرت شاہ عبد القادر صاحب سے استفادہ کیا، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندیؒ

حضرت مجدد دہلوی کی برکتیں اور نعمتیں جمع ہو گئیں۔

سید صاحب کے دادا سید محمد نورؒ اپنے دادا حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے خاص منظور نظر اور تربیت یافتہ تھے، شاہ صاحب نے اتباع شریعت اور انکی اخلاقی و روحانی تربیت میں بہت کوشش فرمائی تھی، ان کے والد ماجد حضرت سید محمد ہدیٰ اکثر فرماتے تھے کہ اس بچے کی تربیت کیوجہ سے اللہ میری مغفرت فرمادے گا، والد کے حکم سے شاہزادہ محمد اعظم شاہ (پسر عالمگیر) کی ملازمت کے لئے تشریف لے گئے۔ شمشیر خاں جو حضرت شاہ علم اللہ صاحب کے مرید اور اعظم شاہی امیر تھے، درمیان میں واسطہ تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ میری ملازمت کی شرط یہ ہے کہ میں آداب شاہی تسلیمات و بندگی سے معاف رکھا جاؤں ورنہ واپس چلا جاؤں گا، شمشیر خاں نے مجبور ہو کر شاہزادہ سے عرض کیا، اعظم شاہ نے کہا کہ کوئی حرج نہیں وہ صرف سلام مسنون پر اکتفا کریں ایسے لوگ موجب برکت ہیں، کچھ عرصے کے بعد آپ نے ملازمت ترک کردی۔

ولادت سید شاہ علم اللہ صاحبؒ کے اس دائرہ میں جو اب تکیہ مشہور ہے، صفر کے مہینہ میں ۱۲۰۱ھ میں اپنے والد سید محمد عرفان صاحب کے گھر میں آپکی ولادت ہوئی

سلسلۂ نسب آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح پر ہے، سید احمد بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰ بن سید علم اللہ بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاء الدین بن قطب الدین ثانی

بن سید محمد صدر الدین بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید صدالدین بن سید رکن الدین بن سید نظام الدین بن سید قطب الدین بن سید احمد مدنی بن سید محمد یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن سید حسین بن سید جعفر بن سید قاسم بن سید عبداللہ بن سید محمد ثانی بن سید عبداللہ الاشتر بن سید محمد صاحب النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ بن امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

حسن مثنیٰ کی شادی اپنے عم نامدار شہید کربلا کی چھوٹی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی اس لئے اس خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔

تعلیم | جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو شرفا کے دستور کے مطابق آپ مکتب میں بٹھائے گئے، لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپ کی طبیعت خاندان کے اور لڑکوں اور اپنے ہم عمروں کے برخلاف علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ نہیں کرتے، تین سال مکتب میں گزر گئے اور باوجود اُستاد کی توجہ و شفقت اور بزرگوں کی تاکید و فہمائش کے صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں اور مفرد و مرکب الفاظ لکھنا سیکھ سکے، آپ کے بڑے بھائی سید ابراہیم و سید اسحٰق صاحب کو آپ کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا اور وہ بہت تاکید رکھتے تھے والد ماجد نے فرمایا کہ میاں ان کو خدا پر چھوڑ دو ان کے حق میں بہتر سمجھے گا کرے گا ہماری تاکید کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔

آپ کے کھیل اور مشاغل خاندان کے بزرگ بیان کرتے ہیں کہ آپکو بچپن میں کھیل کا بڑا شوق تھا، خصوصًا مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا، کبڈی بڑے شوق سے کھیلتے اور اکثر لڑکوں کو دو گروہوں پر تقسیم کردیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعہ پر حملہ کرتا اور فتح کرتا اس طرح سے نادانستہ آپ کی جسمانی و فوجی تربیت کیجارہی تھی۔

خدمت خلق جب آپ سن بلوغ کو پہونچے تو آپ کو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ و خدا پرست انگشت بدنداں رہ گئے، ضعیفوں، اپاہجوں اور بیواؤں کے گھروں پر دونوں وقت جاتے، ان کا حال پوچھتے اور کہتے کہ اگر لکڑی پانی، آگ وغیرہ کی ضرورت ہو تو لے آؤں، وہ لوگ آپ ہی کے بزرگوں کے مرید اور خادم تھے، کہتے کہ میاں کیوں گنہگار کرتے ہیں، ہم تو آپ اور آپ کے باپ دادا کے غلام ہیں، ہماری مجال ہے کہ ہم آپ سے کام لیں، آپ انکو خدمتگزاری اور اعانت کی فضیلت سُناتے اور باصرار انکی ضرورتیں معلوم کرکے پوری کرتے، بازار سے ان کے لئے سودا لاتے، لکڑی لادکر اور پانی بھر کر لاتے اور انکی دعائیں لیتے اور کسی طرح سے اس کام سے سیری نہ ہوتی۔ "روزانہ ہمسایوں کے گھروں میں جاکر دیکھتے کہ برتنوں میں پانی ہے، جلانے کے لئے لکڑی ہے یا نہیں،، اگر پانی نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بھرتے، اگر لکڑی نہ ہوتی تو جنگل جاکر خود کاٹتے، چادر میں گٹھا باندھ کر سر پر رکھتے اور گھروں میں پہونچا دیتے، آپ کے بعض بھائی اور

عزیز اس پر چیں بجبیں ہوتے، سخت سست بھی کہتے، مگر آپ اس کی پرواہ نہ کرتے اور کام کئے جاتے۔

عبادت الٰہی اسی کے ساتھ آپ کو عبادت و ذکر الٰہی کا بھی بیحد ذوق تھا، رات کو تہجد گزاری اور دن کو خدمت گزاری اور تلاوت و دعا و مناجات میں مشغول رہتے قرآن مجید میں تدبر فرماتے رہتے، اور یہی آپ کا مشغلہ تھا۔

آپ کا ابتدائی شوق جہاد اور والدہ کا ایثار ایسی مائیں دنیا میں بہت کم ہوں گی جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اُتریں اور اس کو مرنے کیلئے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں، سید صاحب کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھیں جو حضرت اسماءؓ کا نمونہ تھیں، تاریخ احمدی میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں جنگ ہوگئی، سید صاحب نے جانے کی آمادگی ظاہر کی لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سید صاحب منتظر کھڑے تھے کہ آپ سلام پھیریں تو جانے کی اجازت طلب کریں، آپ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا کہ بی بی تمھیں ضرور احمد سے محبت ہے مگر میری طرح نہیں ہوسکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا، جاؤ بھیا اللہ کا نام لے کر جاؤ مگر خبردار پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ تمہاری صورت نہ دیکھوں گی، آپ گئے تو فساد رفع ہوگیا اور فریقین میں صلح ہوگئی۔

آپ کی ورزشیں اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے اس کیلئے اس کا سامان اور اس کا شوق پیدا کردیتا ہے اور اسی قسم کی

اس کی تربیت فرماتا ہے کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ

سید صاحب سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا تھا اس کیلئے جسمانی قوت و تربیت کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ کو بہت زیادہ توجہ ابتدا سے اسی طرف تھی اور آپ کے بچپن کے کھیلوں میں بھی یہ چیز نمایاں تھی۔

سید عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سپہ سالار افواج نواب وزیرالدولہ مرحوم سید صاحبؒ کے چھوٹے بھانجے تھے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش و کشتی میں مشغول رہتے، میں بچہ تھا، آپ کے بدن پر مٹی ملتا یہاں تک کہ خشک ہو کر جھڑ جاتی، پیروں پر مجھے کھڑا کر کے پانسو ڈنڑ لگاتے پھر کچھ ٹھہر کر پانسو اور، اور من بھر تیس سیر اور بیس کے مگدر ہلاتے اس میں تعداد نہیں گنتے تھے بلکہ وقت کا اندازہ تھا، مثلاً دو گھنٹے تین گھنٹے چار گھنٹے۔

معین خاں کے مقبرہ کے پاس (تکیہ کے قریب ندی کنارے) پتھر کا ایک ستون ہے، چار ہاتھ لانبا اور بہت دبیز نیچے سے موٹا اوپر سے پتلا، شہ زوروں کی ورزش گاہ تھی اوپر سے ہر زور آور اس کو اُٹھا کر کھڑا کر دیتا تھا، نیچے سے کوئی زانو تک، کوئی کمر تک لے آتا تھا، ایک روز چاندنی رات میں ہم وہاں سے گزرے سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو اٹھانا چاہیے چنانچہ آپ نے کرتا اُتار کر کاندھے پر رکھ لیا اور پتھر کے قریب کچھ جھک کر اس کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور بیس قدم چل کر اس کو زمین پر اس زور سے پٹکا کہ قریب ایک ہاتھ کے زمین کھُد گئی، دوسرے

روز لوگ آئے اور اس کو اپنی جگہ سے اتنی دور گڑھے میں پڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ کون دیو یا جن تھا جس نے اس کو اتنی دور لاکر ڈال دیا۔

پیرنے اور پانی میں ٹھہرنے کی آپ نے بڑی مشق بڑھائی تھی، نواب وزیر الدولہ مرحوم والیٔ ریاست ٹونک آپ کی شناوری کی خصوصاً بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ پانی میں غوطہ کھاکر دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے، مولوی علیم اللہ دہلی کے مشہور پیراک اُستاد اور مشہور اُستاد کے شاگرد کہتے تھے کہ یہ وصف سید صاحب ہی میں دیکھا کہ سخت بہاؤ میں بہاؤ کے خلاف پیرتے تھے، میں باوجود اتنی مشق اور زمانہ کے یہ نہیں کرسکتا،

سفر لکھنؤ و دہلی آپ جوان ہو چکے تھے، والد کا انتقال ہو چکا تھا، حالات کا اقتضار تھا کہ آپ بھی اس زندگی میں قدم رکھیں اور تحصیل معاش کی فکر کریں، چنانچہ آپ اپنے سات عزیزوں کیساتھ لکھنؤ چلے، لکھنؤ، رائے بریلی سے انجاس میل ہے، سواری صرف ایک ہی تھی اور باری باری اس پر سوار ہوتے تھے، لیکن جب آپ کی باری آتی تو آپ سوار نہ ہوتے بلکہ منت سماجت کرکے دوسروں کو سوار کرادیتے، ہر ایک کے سر پر اسکا سامان بھی تھا جب آدھی منزل طے ہوگئی تو سب رفقاء سفر تھک گئے اور مزدور کی جستجو ہوئی، لیکن مزدور نہ مل سکا، سید صاحب نے جو اسی موقع کی تلاش میں رہتے تھے اپنے ساتھیوں سے بڑی عجز و انکساری سے کہا کہ اس خاکسار کی ایک عرض ہے اگر آپ سب اسکو

قبول کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں، لوگ مطلب نہیں سمجھے اور انھوں نے قبول کرنیکا وعدہ کر لیا، آپ نے کہا کہ سارا سامان ایک کمبل میں باندھ کر میرے سر پر رکھ دیجئے میں انشاء اللہ پہونچا دوں گا، چونکہ لوگ زبان دے چکے تھے مجبور ہو کر انھوں نے ایسا ہی کیا اور آپ اتنے خوش ہوئے کہ جیسے کسی کو دولت مل گئی اور ہنستے بولتے لکھنؤ پہونچ گئے۔

لکھنؤ پہونچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں ادھر اُدھر پھرنے لگے، مگر روزگار عنقا تھا، دن بھر دوڑ دھوپ کرتے مگر بیکار خرچ بھی ختم ہو رہا تھا اور اب دو وقت کھانے کے بھی لالے پڑ رہے تھے، سوائے سید صاحبؒ کے ہر شخص نہایت پریشان و متفکر تھا، آرام حرام ہو گیا تھا، کوئی ایک دو جز کسی کتاب کریما ما مقیما وغیرہ کی کتابت کر کے شام کو فروخت کر آتا، کوئی بازار سے تھوڑا سا کپڑا خرید کر اس کی ٹوپیاں سی کر بیچتا اور کھانے کا انتظام کرتا، خود سید صاحب ایک امیر کے یہاں کہ خود اس کی حالت اچھی نہ تھی لیکن سادات سے نہایت محبت و اعتقاد رکھتا تھا، مہمان تھے، اس کے یہاں سے دو وقتہ اچھا کھانا آتا، آپ اپنے عزیزوں کے ساتھ جا کر شریک ہو جاتے، اپنا کھانا ان کے سامنے رکھ دیتے اور خود ان کی دال روٹی پر گزر کرتے، ان کو باصرار اپنا کھانا کھلا دیتے اور خود اس میں سے ایک لقمہ نہ لیتے، کبھی وہ سب فاقہ سے ہوتے تو اپنا کھانا ان کو کھلا دیتے اور خود کوئی عذر کر دیتے، چار مہینہ اسی طرح گزر گئے، اس کے بعد اس امیر کو سرکار لکھنؤ کی

طرف سے سنّو سوار بھرتی کرنے کا حکم ہوا، مگر اس خبر کو سُن کر بجائے سنّو کے ایکہزار مسلح اور آراستہ امید وار حاضر ہو گئے اس امیر نے ہر دس امید واروں میں سے ایک کو نوکر رکھ لیا اور دو اسامیاں سید صاحب کے حوالہ کر دیں، آپ نے یہ دو اسامیاں دو دوسرے غریب امید واروں کو دلا دیں اور اپنے عزیزوں کو فضل الٰہی کا امید وار بنا دیا۔

اس عرصہ میں والی لکھنؤ سیر و شکار کے لئے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا، اور وہ امیر بھی جس کے یہاں سید صاحب مہمان تھے، ہمرکاب ہوا، سید صاحب بھی مع اعزہ ساتھ ہوئے اور اسی شان سے جس طرح رائے بریلی سے لکھنؤ آئے تھے، سخت سردی کا موسم اور میدانوں اور پہاڑوں کا سفر تھا، سخت مصیبتیں اُٹھانی پڑیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، سید صاحب راستہ بھر سمجھاتے رہے کہ عزیزو اس تلاش و جستجو اس تکلیف و مصیبت کے باوجود دنیا تمھیں نہیں ملتی، ایسی دنیا پر خاک ڈالو اور میرے ساتھ دہلی چلو، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا وجود غنیمت سمجھو، لیکن آپکے ساتھی دوسرے عالم میں تھے، یہ بات ان کے سمجھ میں نہیں آتی تھی بلکہ ہنستے تھے، مولوی سید محمد علی صاحب، صاحب مخزن احمدی، سید صاحبؒ کے بڑے بھانجے اور آپ سے عمر میں بڑے تھے، وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور یہ ابتدائی اور سفر کے واقعات آپ ہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں، آپ کہتے ہیں کہ جب سید صاحب کو ان سے مایوسی ہوئی تو ایک رات مجھے الگ لے گئے اور خصوصیت کیساتھ

سمجھایا اور کہا کہ کل یا پرسوں ہم دہلی جائیں گے، ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، میں نے کہا کہ میرے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو میرے بدن پر ہیں کوئی سامان نہیں، آپ کی اور بات ہے میں کم ہمت ایسے سفر کی طاقت نہیں رکھتا، اس طرح سے دو تین روز گزر گئے اور لشکر کا کوچ ہو گیا، دوپہر کو ہم لوگ منزل پر پہنچے اور سب ہمراہی ایک جگہ اکٹھا ہوئے تو معلوم ہوا کہ سید صاحب نہیں ہیں جہاں جہاں احتمال تھا، آپ کو شام تک تلاش کیا لیکن پتہ نہ چلا، چونکہ یہ سفر محمدی کے جنگل میں تھا اور وہ جنگل نہایت خطرناک اور درندوں، شیر، بھیڑئیے، ریچھ، ہاتھی کیلئے مشہور تھا اور ہر منزل پر ایک دو آدمی ان کا شکار ہو جاتے تھے، اس لئے ہم سب کو فکر ہوئی کہ نصیب دشمناں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا، رفتہ رفتہ اس کا یقین آگیا، تین دن دو رات ہم لوگ اسی رنج والم میں مبتلا رہے، چوتھے روز محمدی کی طرف سے لشکر میں ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ ایک میاں اس حلیہ کے جو (صرف حضرت ہی کا ہو سکتا تھا) مجھے راستہ میں دکھائی دئے، ان کے سر پر راب کا گھڑا تھا اور پیچھے ایک سپاہی تھا میں نے کہا میاں سپاہی یہ صاحب تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، کیا ماجرا ہے اس نے یہ عجیب قصہ سنایا کہ میں جب اپنے مکان سے چلا تو سوائے ایک بوڑھے کے کوئی مزدور نہیں ملا، وہ بوڑھا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن اس پر کئی فاقے ہو چکے تھے، اس نے اس امید سے کہ پیٹ بھرنے بھر کی مزدوری مل جائیگی، بوجھ لے لیا اور گرتا پڑتا بہزار خرابی میرے ساتھ چلا، تھوڑی دیر کے بعد یہ صاحب ملے اور

مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ان کے آنسو نکل آئے اور مجھ سے کہا کہ بندۂ خدا کچھ خدا کا خوف کر کیوں اس بیچارے سے بیگار کرا رہا ہے، میں نے کہا کہ میں نے اس پر زبردستی نہیں کی بلکہ اس کو مزدور کیا ہے، آپ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا تو اسنے کہا کہ دو روز سے فاقہ تھا میں نے کہا کہ یہ مزدوری کر لوں شائد پیٹ بھرنے کا سامان ہو جائے، آپ نے مجھ سے کہا کہ اگر مزدوری تمھارے پاس ہو تو اس کو دیدو، ورنہ خدا کے غضب سے ڈرو، میں نے اسیوقت پیسے نکال کر دیدئے، آپ نے کہا کہ اب تھوڑی دیر اس درخت کے نیچے بیٹھ کر دم لے لو، میں بیٹھ گیا، آپ نے کہا کہ اب اس مزدور کو رخصت کر دو اور مجھے مزدور سمجھو، تمھارا بڑا احسان ہوگا، میں نے کہا کہ صاحبزادے نیکی اور شرافت اور سمجھ تمھاری شکل سے ٹپکتی ہے مگر تم اسوقت بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو، اس جنگل میں تو رستم کا بھی جگر شق ہوتا ہے، یہ کام کس طرح ہوگا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ساتھ سلوک کروگے تو ساری عمر تمھارا احسان نہ بھولوں گا، میں نے مجبور ہو کر گھڑا سر پر رکھ دیا اور آپ نہایت اطمینان سے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے آئے۔

یہ سُن کر عزیزوں کو اطمینان ہوا کہ خدا کا شکر ہے خیریت سے ہیں۔

یہ بوجھ پہونچا کر آپ نے اپنا سفر شروع کر دیا، چلتے چلتے آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے، راستہ میں ایک قصبہ کی مسجد میں قیام کیا، وہاں ایک شخص نے صورت دیکھ کر دریافت کیا، کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا قصد ہے، آپ نے کہا کہ اگر اس کا

وعدہ کریں کہ حارج نہ ہوں گے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں گے تو عرض کروں، انھوں نے وعدہ کیا تو آپ نے نام و نشان کا پتہ دیا، وہ آپ کے والد سید عرفان صاحبؒ کے مرید نکلے، آپ کو ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے، ہاتھ منھ دھلایا، پاؤں سے خون جاری تھا اس پر مہندی اور ببول کے پتوں کا لیپ کیا اور وعدہ کرکے بہت چھپائے مگر مجبور رہے، آپ کو سوار کرا کے دہلی تک پہونچا دیا۔

دہلی پہونچ کر آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ صاحب نے مصافحہ و معانقہ کے بعد دریافت کیا کہ کہاں سے تشریف لائے آپ نے فرمایا رائے بریلی سے، فرمایا کس خاندان سے ہیں، کہا کہ وہاں کے سادات میں شمار ہے، فرمایا کہ سید ابو سعید صاحب و سید نعمان صاحب سے واقف ہیں؟ سید صاحب نے فرمایا کہ سید ابو سعید صاحب میرے نانا اور سید نعمان صاحب میرے حقیقی چچا ہیں، شاہ صاحب نے اُٹھ کر دوبارا مصافحہ و معانقہ کیا اور پوچھا کہ کس غرض کے لئے اس طویل سفر کی تکلیف برداشت کی، سید صاحب نے جواب دیا کہ آپ کی ذات مبارک کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لئے یہاں پہونچا شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا فضل اگر شامل حال ہے تو اپنے دادہال نانہال کی میراث تم کو مل جائے گی، اسوقت آپنے ایک ملازم کی طرف اشارہ فرمایا کہ سید صاحب کو بھائی مولوی عبدالقادر صاحب کے یہاں پہونچا دو اور آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر کہنا کہ اس عزیز مہمان کی قدر کریں اور انکی خدمت میں

کوتاہی نہ کریں، ان کا مفصل حال ملاقات کے وقت بیان کروں گا، چنانچہ سید صاحب شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں اکبر آبادی مسجد میں رہنے لگے۔

سلام مسنون کا رواج

سید صاحب جب شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو نہایت سادگی سے السلام علیکم کہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلام مسنون کا رواج ہی ہندوستان سے جاتا رہا تھا حتیٰ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی اس کی رسم نہ تھی اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے، شاہ صاحب نے جب سید صاحب کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دیدیا کہ آئندہ سلام بطریق مسنون کیا جائے(۱)

سید صاحب حسب ارشاد اکبر آبادی مسجد میں ترجمان قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی تربیت میں ٹھہر گئے، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ آپ کو اس خاندان خیر و برکت کے دونوں شیخین سے استفادہ کا موقع ملا، شاہ صاحب کو سید صاحب سے

---

(۱) یہ روایت امیر شاہ خاں صاحبؒ کی امیر الروایات میں اس طرح پر ہے کہ سید صاحب پہلی مرتبہ حضرت سید الطائفہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور چھ روز رہ کر تشریف لے گئے، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے الخ، لیکن اس میں فروگزاشت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ سید صاحب کی ولادت بالاتفاق ۱۲۰۱ھ کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہو گئی تھی اور سید صاحب کا پہلا سفر ۱۲۲۲ھ میں ہوا، دونوں کے درمیان ۴۶ سال کا فصل ہے۔

بڑی محبت تھی اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے سید صاحبؒ کی بعض ادائیں دیکھ کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے مانگ لیا تھا[1]، آپ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے کچھ پڑھنا بھی شروع کر دیا، چند دنوں کے بعد ایک شب جمعہ کو آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت ہو گئے، اور آپ نے طرق ثلثہ چشتیہ قادریہ نقشبندیہ میں آپ کو داخل فرما لیا،

تعلیم تصور شیخ اور سید صاحبؒ کا عذر تمام کتابوں میں یہ روایت ہے کہ تعلیم سلوک کے ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حسب معمول تصور شیخ کی تعلیم کی، سید صاحب نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق[2] ہے، اس میں صورت سنگی یا قرطاسی ہوتی ہے اور اس میں صورت خیالی، جو تہ دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے اور اس کی طرف توجہ اور اس سے استعانت ہوتی ہے، شاہ صاحب نے حافظ کا یہ شعر پڑھا

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید	که سالک بے خبر نبود زراه و رسم منزلہا

سید صاحب نے فرمایا اگر مے نوشی کا حکم ہو جو گناہ کبیرہ ہے تو اسکی تعمیل ہو سکتی ہے لیکن شرک نہیں ہو سکتا، ہاں کتاب و سنت و اجماع امت سے کوئی سند لائیں اور اچھی طرح سے اطمینان ہو جائے تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ دور ہو جائے، شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر

---

(۱) امیر الروایات (۲) اس سے وہ مراد ہے جس میں مقصودیت کی شان ہو، جیسے بطور شغل مستقل کے کرتے ہیں جسمیں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اسمیں مشابہت ہو شرک کی (حاشیہ مولانا شرف علی صاحب تھانوی السوانح مدظلہ)

سید صاحب کو فرطِ خوشی سے گود میں لے لیا اور مسرت و جوش سے کئی مرتبہ بوسہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے اپنے فضل و انعام سے تم کو ولایت انبیا سے نوازا، سید صاحب نے اس کی تشریح چاہی تو شاہ صاحب نے اس کی تفصیل فرمائی"[۱]، شاہ صاحب نے ہدایت دے کر سید صاحبؒ کو رخصت کیا اور آپ اپنے مسکن پر آئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم و تربیت فرمائی"[۲]۔

اسی زمانہ میں سید صاحبؒ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ پھر شروع کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحب سے بعض کتابیں پڑھتے تھے، ایک روز عجیب واقعہ ہوا کہ آپ کتاب دیکھتے ہیں تو سامنے سے حروف غائب ہو جاتے ہیں، آپ نے مرض سمجھ کر طبیبوں سے رجوع کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ باریک چیزوں کی طرف نظر کرو تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی فرق نہیں، صرف کتابوں کی خصوصیت ہے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو"[۳]۔

بینی اندر خود علوم انبیا، بے کتاب و بے معید و اوستا

سید صاحب کو اگرچہ کتابی علم نہیں آیا لیکن اس کی کمی اس طرح پوری ہوئی کہ آپ ہر وقت علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء کی صحبت میں رہتے تھے جہاں ہر وقت علم کا چرچا رہتا تھا جہاں کا گھر بھی مدرسہ تھا اور جہاں کی تفریح بھی درس تھی، وہاں کی

(۱) صراط مستقیم (۲) ارواح ثلثہ (۳) امیر الروایات۔

ہوا بھی علم پرور تھی اور وہاں کے بچّے اور خدام بھی دوسرے علماء سے زیادہ فقہ اور شریعت سے واقف تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا شریعت کدہ ہندوستان میں بالاتفاق علم کا سب سے بڑا دربار تھا جسمیں منتخب علماء و فضلاء حاضر ہوتے تھے ایک وقت میں صرف اس خاندان میں ائمہ عصر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شاہ عبدالقادر صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، مولانا عبدالحی صاحبؒ، مولانا اسمٰعیل صاحب، مولانا شاہ اسحٰق صاحبؒ، مولانا یعقوب صاحب موجود تھے، اور سید صاحبؒ کی صحبت انھیں حضرات سے تھی، قرآن مجید تو آپ نے خاص طور سے پڑھا اور اسی خاندان سے قرآن مجید کی دولت عام ہوئی تھی اور یہی حضرات کتاب اللہ کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ترجمان قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی توجہ و صحبت نے اس کو جلا دی لیکن اسی خاندان کے اکابر مولانا اسمٰعیل صاحبؒ و مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سید صاحبؒ سے بیعت ہو کر کہا کہ کتابیں وہی ہیں جو ہم پڑھتے پڑھاتے تھے مگر معلوم نہیں ہم کو کیا ہو گیا تھا، اس کے بعد آپ اپنے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے، شاہ صاحبؒ نے آپکی خدمت کے لئے تین شخص جن کا خود صلحاء میں شمار تھا مقرر کر دئے، وہ آپ کی ضروریات مہیا کر دیتے تھے، ایک مرتبہ چند بے تکلف لوگوں نے ایک میلہ میں چلنے کے لئے آپ سے اصرار کیا اور باوجود آپ کے عذر و انکار کے زبردستی آپ کو لے گئے لیکن آپ میلہ میں پہونچتے ہی بیہوش ہو گئے اور اس میں شریک نہ ہو سکے اور انکو آپ کو جبوًا واپس لانا پڑا اسکے بعد انکو پھر اسکی کبھی جرأت نہیں ہوئی

آپ کو چند دنوں میں اسقدر باطنی ترقی ہوئی اور وہ بلند مقامات حاصل ہوئے جو بڑے بڑے سالکین و مشائخ کو برسہابرس کی ریاضت و مجاہدوں سے کم حاصل ہوئے ہیں اور آپ پر بیداری و خواب میں اسقدر انعامات الٰہیہ کی بارش ہوئی جسکی نظیر کم بزرگوں کی تاریخ میں ملتی ہے، ہم چند واقعات مخزن احمدی سوانح احمدی سے نقل کرتے ہیں۔

"قیام دہلی کے اثنا میں رمضان پڑا، اکیسویں شب کو آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس عشرہ کی کس رات میں شب بیداری کرکے شب قدر کی سعادت حاصل کیجائے، مولانا نے متبسم ہو کر فرمایا کہ فرزند عزیز شب بیداری کا جو روزانہ معمول ہے اسی طرح ان راتوں میں بھی عمل کرو، صرف شب بیداری سے کیا ہوتا ہے، دیکھو چوکیدار اور سپاہی ساری رات جاگتے رہتے ہیں مگر اس دولت سے بے نصیب و محروم رہتے ہیں، اگر تمھارے حال پر اللہ کا فضل ہے تو شب قدر میں اگر تم سوتے بھی ہوگے تو اللہ تم کو جگا کر ان برکات میں شریک کردے گا، سید صاحب یہ سن کر اپنے مسکن پر آگئے اور عادت کے مطابق شب بیداری کا معمول رکھا، ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے، تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، آپ نے خواب

ہی میں دیکھا کہ آپ کے داہنے طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اُٹھ اور غسل کر، سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے حضرت صلعم نے فرمایا کہ فرزند آج شب قدر ہے یاد الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کرو، اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔"

صاحب مخزن لکھتے ہیں کہ اس کے بعد سید صاحب بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:-

"اس رات اللہ کے فضل سے واردات عجیب و واقعات غریب دیکھنے میں آئے۔ تمام درخت پتھر اور دنیا کی ہر چیز سجدہ میں تھی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول مگر ان ظاہری آنکھوں سے اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ اسوقت فنائے کلی اور استغراق کامل مجھے حاصل ہوا، صبح میں نے شاہ صاحب سے سب حال بیان کیا، آپ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مراد کو پہونچ گئے، اسوقت سے ترقیات و علو درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔"

حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ شہید نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ:-

"ایک بار خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید صاحبؒ کے منہ میں

تین چھوارے دیئے اور بہت شفقت و محبت سے کھلائے جب آپ بیدار ہوئے تو انکی شیرینی آپ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی، اس کے بعد ایک روز سید صاحب نے خواب میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو دیکھا، حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو اس طرح نہلایا جس طرح باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں اور حضرت فاطمہؓ نے اپنے ہاتھ سے ایک لباس فاخر آپ کو پہنایا اس کے بعد سے طریقۂ نبوت کے کمالات آپ پر ظاہر ہونے لگے، یہاں تک کہ ایک روز اللہ تعالےٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے آپ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر امور قدسیہ میں سے ایک چیز جو نہایت رفیع و بدیع تھی آپ کو عنایت کی اور فرمایا کہ اور چیزیں بھی ہم تم کو دیں گے۔"(۱)

رائے بریلی کو واپسی اس کے بعد آپ رائے بریلی وطن تشریف لے گئے، وہاں آپ کے لباس اور ایک مدت گزرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے آپ کو پہلی مرتبہ نہیں پہچانا۔

دو برس کے قریب اس مرتبہ وطن میں رہنا ہوا، اسی مدت میں آپ نے نکاح کیا اور آپ کی بڑی صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

سفر دہلی رائے بریلی سے پھر دہلی تشریف لے گئے اس مرتبہ اس گل رعنا کی بو پھوٹی اور خلقت کا ہجوم ہوا، آپ کو اپنی تکمیل کے لئے اخفاء حال منظور تھا اور علی

(۱) صراط مستقیم ص ۱۶۴

فوجی تربیت و تجربہ بھی ضروری تھا، اسلئے آپ ۱۸۱۱ء کے قریب دہلی سے نواب امیر خاں کے پاس چلے گئے جو وسط ہند میں انگریزوں اور بعض ہندو راجاؤں سے برسر پیکار تھے۔

نواب میر خاں نواب میر خاں جو بعد میں نواب امیر الدولہ خان بہادر والی ریاست ٹونک ہوئے، سنبھل ضلع مراد آباد کے ایک منچلے افغانی شریف زادہ اور سپاہی تھے جنھوں نے اپنی قوت لیاقت اور تدبر سے ایسی قوت وجمعیت فراہم کر لی تھی جسکو ہندوستان کی سیاست میں کوئی قوت آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتی اور اگر حالات سازگار رہتے اور ان کی جماعت میں تفریق نہ ڈال دی جاتی تو وہ ہندوستان میں نہایت اہم عنصر ہوتی"[۱] سید صاحب نے ان کو بکار آمد آدمی سمجھا اور خیال کیا کہ انکی معیت و امداد سے کچھ کام ہو سکتا ہے، سید صاحبؒ کا یہ خیال غلط نہ تھا، اور اگر بعض مجبوریاں نہ ہوتیں تو جو کام بعد میں ہوا پہلے ہو سکتا تھا، پھر بھی آپ کا وہاں رہنا خود آپ کے لئے اور اہل لشکر کے لئے فائدے سے خالی نہ تھا، بہت سے لوگوں کی روحانی تربیت اور اصلاح ہو گئی، نواب میر خاں مرحوم کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ریاست ٹونک مل جانے کے بعد بھی انکی سادہ زندگی میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور ان میں اور لشکر کے ادنیٰ سپاہی میں کوئی فرق نہ تھا، مؤرخ نے اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ سید صاحب کی صحبت کی برکت تھی، اس قیام کے بعض فوائد نواب امیر الدولہ مرحوم

---

(۱) دیکھو نواب امیر خاں از اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

اور ریاست ٹونک کی بعض خصوصیات کے ضمن میں آئیں گے۔

سید صاحبؒ نواب مرحوم کے لشکر میں چھ سال سے زائد رہے، سید صاحبؒ کے تذکرے اور تاریخیں اس زمانہ قیام کی کرامات اور واقعات غریبہ سے پُر ہیں، جن کے لئے ایک دفتر چاہئے، آپ کا یہ زمانہ پوری مشغولیت کا تھا، رات کی عبادت اور دن کی مشقت سے پیروں پر ورم آجاتا تھا اور آپ اپنے مقصد سے غافل نہ تھے اور نواب صاحب کو صحیح مشورے اور قیمتی امداد دیتے رہے، آخر یہ صحبت اس واقعہ پر ختم ہو گئی جس کو ہم وقائع احمدیہ سے نقل کرتے ہیں۔

"نادھورا جپورہ پر فوج کشی کے سلسلہ میں انگریزوں سے صلح کر لینے کا مشورہ ہوا، حضرت کی رائے کسی طرح اس کی نہ تھی اور آپ کا مشورہ جنگ جاری رکھنے کا تھا، مصالحت کو کسی طرح مناسب نہ سمجھتے تھے، خود نواب صاحب کی بھی یہی خوشی تھی، مگر لشکر کی بے سروسامانی اور اہل لشکر کی خود غرضی اور نااتفاقی کا عذر کرتے تھے اور خیال تھا کہ دس پانچ لاکھ روپیہ لیکر مہاراج ہلکر کی طرح لشکر کا ساز و سامان درست کر کے لڑیں گے، حضرتؒ نے فرمایا کہ مصالحت کرنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا، لیکن نواب صاحب، لنا ہی مصلحت سمجھتے تھے، انھوں نے اس کی تیاری کی حضرت نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں، نواب صاحب نے بہت سمجھایا مگر حضرتؒ نے نہ مانا، چند آدمی ہمراہ لیکر جے پور چلے گئے، دوسری

ملاقات میں فرمایا کہ نواب صاحب ابھی کچھ نہیں گیا اختیار باقی ہے آپ کی نمائش کو آیا ہوں اگر میرا کہنا مانئے تو ان سے لڑیے اور ہرگز نہ ملئے، ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہوسکے گا، یہ کفار بڑے دغاباز و مکار ہیں، کچھ آپ کے واسطے جاگیر و تنخواہ مقرر کر کے کہیں بٹھادیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجئے پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی، یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے، مصالحت کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ لشکر میں تشریف لائے جس کسی سے کچھ لینا دینا تھا، لیا دیا، اور نواب صاحب سے ملاقات کی، نواب صاحب بہت آبدیدہ ہوئے اور کہا کہ حضرت جو کچھ تقدیر میں تھا وہی ہوا حکم الٰہی سے چارہ نہیں اب اگر آپ دہلی کو جاتے ہیں تو صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے ہمراہ جائیے، آپنے قبول کیا اور کچھ دن کے بعد ایک خط شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو لکھا کہ خاکسار قدمبوسی کو حاضر ہوتا ہے یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا، نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں"۔

سفر دہلی اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خواب

یہ تیسرا سفر (نواب میر خاں کے لشکر سے) دہلی خاص شان کا تھا، تربیت و تکمیل کے دن ختم ہوچکے تھے اور تجدید و اصلاح اور نیابت انبیاء کی ساعت شروع ہوچکی تھی، عالم روحانیات میں آپ کا استقبال تھا اور عالم اجسام کی ضروری تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں اور جن نفوس کو سعادت ازلی نے آپ کی

وزارت، رفاقت اور خدمت کے لئے سالہا سال پہلے سے تیار کرنا شروع کیا تھا، انکی روحیں نادانستہ طور پر آپ کے لئے بیچین تھیں، دہلی پہونچنے سے ایک ہفتہ قبل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد دہلی میں تشریف لائے ہیں اور لوگ جوق درجوق زیارت کے لئے دور دور سے آرہے ہیں، سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحب کو شرف باریابی عطا فرمایا اور عصاء مبارک دے کر فرمایا کہ اس عصاء کو لے کر مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور جو آنا چاہے اندر آکر اس کا حال عرض کرو اور میری اجازت سے اندر بھیجو، شاہ صاحبؒ نے اس کی تعمیل کی اور ہزارہا بندگان خدا نے حضورؐ کی زیارت کی صبح اُٹھ کر شاہ صاحبؒ سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ خلیفۂ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور خواب کی تعبیر چاہی، شاہ غلام علی صاحبؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

شاہ غلام علی صاحبؒ نے فرمایا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ سید حسن رسول نماؒ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان دیار میں ہدایت خلق کی طرف بہت کم ہوگئی ہے اب اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یا آپکے کسی مرید رشید کے ذریعہ وہ سلسلہ پھر شروع ہو جائے گا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے

فرمایا کہ میرے خیال میں بھی یہی تعبیر آئی تھی۔

ایک ہفتہ کے بعد سید صاحبؒ دہلی تشریف لائے اور حسب معمول اکبرآبادی مسجد میں قیام فرمایا اور لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی ارادت و بیعت

مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ خاندان ولی اللٰہی کے چشم و چراغ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ و شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے بعد ہندوستان میں آسمان علم و فضل کے مہر و ماہ تھے، یہ دونوں حضرات علمی تبحر، رشد و صلاحیت، تقویٰ و تقدس میں اپنی آپ نظیر تھے، ان کی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس خط سے ہوگا جو آپ نے منشی خیرالدین صاحب کو لکھنؤ حج کے متعلق لکھا ہے اس میں آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو شیخ الاسلام اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے اور دونوں کو تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علماء محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث فقہ و اصول منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایتیں ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہیں اسکا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علماء ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو، بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امر حق کا اظہار واقفوں پر واجب ہے[1]

---

(۱) مجموعہ خطوط (قلمی)، کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں مرحوم ٹونک۔

مربی اکبر ایک طرف امیر کی تربیت فرما رہا تھا اور دوسری طرف اس کے وزیروں کی، تاکہ اس تعلق سے اپنا کام لے، قران السعدین کا وقت آگیا تھا، مولانا عبدالحی صاحبؒ ایک روز شاہ عبدالقادر صاحب کیخدمت میں گئے اثناء گفتگو میں اسرار صلوٰۃ اور حضوری قلب کا ذکر آیا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کتابوں میں سب کچھ ہے مگر کتابیں کافی نہیں، آپ نے سید صاحب سے رجوع کا مشورہ دیا، وہاں سے اُٹھ کر آپ سید صاحب کیخدمت میں آئے، سید صاحبؒ نے نماز کی حقیقت بیان کی اور اس کے اسرار و معارف پر مفصل تقریر کی[۱]، اور نماز پڑھنے کی پوری ترکیب بتائی، پھر فرمایا کہ مولانا صرف زبانی تعلیم سے یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی، دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف زبانی تعلیم سے نماز ادا نہیں کی بلکہ جبریل علیہ السلام نے خود امام ہو کر آپ کو نماز کے اسرار و حقیقت کی تعلیم کی، آئیے، ہم بھی دو رکعت نماز پڑھیں، نماز پڑھنے کے بعد مولانا عبدالحی صاحبؒ نے فوراً بیعت کر لی اور ہمیشہ اس نماز کا مزہ لیتے رہے۔

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) حدیث"۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مولانا اسمٰعیل صاحبؒ سے یہ واقعہ بیان کیا اور آپ کو بھی شوق دلایا، شاہ صاحبؒ بھی حاضر ہوئے اور آپنے بھی

(۱) تاریخ احمدیہ فارسی)

نماز پڑھی اور وہی دولت پائی اور نماز کے بعد بیعت کرلی، اس طرح اس مبارک تعلق کی ابتدا نماز سے اور شریعت سے ہوئی۔

مرشد عالم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زندگی میں ان اماموں کا ایک اُمّی کی بیعت میں داخل ہونا معمولی واقعہ نہ تھا، اس کا بڑا چرچا ہوا، جوق جوق علماء و فضلاء و صالحین بیعت ہونے لگے، شاہ صاحبؒ کے خاندان کے اکثر افراد شاہ صاحبؒ کی اجازت سے اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ نبیرہ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ مع خاندان مولوی وجیہ الدین صاحب، حکیم مغیث الدین صاحبؒ، حافظ معین الدین صاحب وغیرہ مع اہل خاندان واقربا مرید ہوئے اور ایسی قبولیت و شہرت ہوئی کہ یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا سماں بندھ گیا۔

ایک نکتہ | اس موقع پر مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ایک نکتہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہونچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہونچ جائے پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا، کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاء اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاء اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملاء اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اسکی محبت بھی دنیا میں پھیلتی ہے

کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی، دیکھو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب سے اچھے تھے، اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیر اثر آگئے، حتیٰ کہ کچھ آپ کے ماننے والے منافقین بھی تھے اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے بعد جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے، پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے، پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی آپ کے مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی، سید صاحبؒ شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اول ان کے معتقد اہل کمال ہوئے ہیں اور اس کے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی ہے۔[1]

مقبولیت و شہرت اور سفر دن بدن آپ کی مقبولیت و شہرت بڑھتی گئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے دفعتہً اپنے بندوں کے قلوب عموماً اور علماء و صلحاء کے خصوصاً آپ کی طرف پھیر دئے ہیں، باہر سے کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے اور آپ جناب شاہ صاحب کی اجازت سے پھلت، سہارنپور، مظفر نگر

(۱) ارواح ثلثہ

دیوبند، لہاری، نانوتہ، کاندھلہ، گڈھ مکتیسر، رامپور، بریلی، شاہجہان پور، اور دوسرے قصبات و مقامات پر تشریف لے گئے اور وہاں سیکڑوں خاندانوں اور ہزاروں آدمیوں نے بیعت اور شرک و بدعت سے توبہ کی۔

اصلاح و ہدایت آپ کا یہ پورا سفر باران رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا ہے سرسبزی، شادابی بہار اور برکت چھوڑ جاتا ہے، ایک نور مستطیل تھا کہ جدھر سے گیا، روشنی کر گیا، دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے وہاں مساجد میں رونق، اللہ، رسولؐ کا چرچا، ایمانوں میں تازگی، اتباع سنت کا شوق اسلام کا جوش پیدا ہو گیا اور کہیں کہیں شرک و بدعت اور رافضیت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور جو بستیاں اور مقامات آپ کے قدوم سے محروم رہے وہ ان نعمتوں سے محروم رہے، برسہا برس تک یہ اثر اور فرق رہا، راقم سطور کے والد مرحوم (مولانا سید عبدالحی صاحبؒ) اپنے سفرنامہ "ارمغان احباب" میں مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ (والد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ) کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔

"مولانا ذوالفقار علی صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب اس نواح (دیوبند و سہارن پور) کے اکثر قصبہ جات میں تشریف لے گئے ہیں وہاں اب تک خیر و برکت ہے اور دو ایک گاؤں اور قصبہ ایسے ہیں جہاں نہیں گئے وہاں اب تک وہی نحوست اور شامت باقی ہے، چنانچہ منگلور نہیں گئے وہاں کے لوگوں میں وہی جہالت اور قساوت ہے اور ایک مختصر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کے

دو چار گھر ہیں، اتفاقاً سید صاحب کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے ہیں وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر جدھر وہ گئے ادھر ادھر وہ پھیل گیا ہے۔"

میاں محمد حسین صاحب نواح سہارنپور کے ایک بزرگ اور سید صاحبؒ کے مرید نے والد مرحوم سے فرمایا:۔

"جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے ہیں وہاں وہاں برکت کے آثار پائے جاتے ہیں، ایک جگہ حضرت تشریف لے گئے اس قصبہ میں نومسلموں کا محلہ پہلے ملتا تھا انھوں نے حضرت کو روک لیا، قاضی کے محلہ تک نہ جانے دیا، اب خدا کی قدرت دیکھئے نومسلموں کا محلہ نہایت سرسبز ہے اور وہ لوگ بہت خوشحال ہیں اور قاضیوں کا محلہ ویران پڑا ہوا ہے"۔

سب سے زیادہ سید صاحب کا اثر دہلی اور سہارنپور کے نواح میں ہوا، اور حقیقت میں آپ کے یہی مرکز رہے، چنانچہ دینداری میں بھی یہ اطراف سارے ہندوستان میں ممتاز ہیں، والد مرحوم نے ۱۳۱۲ھ میں سفر کیا، اپنے سفرنامہ میں سہارن پور کا ذکر اس طرح کرتے ہیں،

"اسوقت تک سہارن پور کے جسقدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں ہر فرد بشر کو سید صاحبؒ کا دم بھرتے پایا، جو ہے انکی محبت میں چور ہے، اور سب باتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انھیں سے ملی ہے

برائے نام ہم مسلمان تھے، جتنے مشائخ ہیں وہ سب اسی سلسلہ کو مقدم جانتے ہیں، میں نے نی عمری سید صاحبؒ کا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں، ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں، ہر مسلمان کم سے کم نماز و تلاوت کا ضرور شائق ہے، میرے گمان میں ضلع سہارن پور کے اشرار ہماری طرف کے اخیار سے اچھے ہیں اور اخیار کا کیا پوچھنا ہے ان کی تو نظیر اس طرف نہیں ملتی، کسی رنگ میں ہیں مگر خدا کی لو لگی ہوئی ہے بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں، مجلس وعظ معمور رہتی ہے، ابتداء سے انتہا تک نہایت شوق و رغبت کے ساتھ سنتے ہیں، ہماری طرف کے (اودھ کے) مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں کہ سو میں ایک مجلس وعظ میں بیٹھتا ہے اور دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ اب اٹھوں تب اٹھوں"۔

اس تمام سفر میں مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ ہمرکاب تھے ان کے مواعظ سے بہت اصلاح و انقلاب ہوا، اس ایک سفر نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیۂ باطن اور بڑے بڑے علماء و مصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے، ہر ہر جگہ سیکڑوں آدمی متقی، متورع، عابد، متبع سنت اور ربانی بن گئے، ہزاروں فاسق صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے، بیسیوں آدمی قتل کے ارادہ سے آئے اور جاں نثار بن گئے اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے یہاں تک کہ میدان جنگ میں شہید ہوئے، جس نے ایک مرتبہ زیارت کر لی وہ آپ کے

رنگ میں رنگ گیا اور مرتے مرتے مرگیا مگر شریعت سے ایک قدم نہ ہٹا عورتوں اور بچوں کی بھی یہی حالت تھی، جوق جوق لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی آنکھیں روشن کرتے، ایمان تازہ کرتے، دعوت دیتے اور اپنے گھر، مال و اولاد میں برکت حاصل کرتے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے دعوت کی ہے اور دس پانچ آدمیوں کے اندازہ سے کھانا پکوایا، لیکن وقت پر سو ڈیڑھ سو آدمی سید صاحبؒ کے خادم اور معتقد آگئے، صاحب خانہ نہایت پریشان ہوئے، سید صاحبؒ نے اپنی چادر دیدی، وہ کھانے پر ڈال دی گئی اور کھانا نکالا گیا اور سب کے لئے کافی ہوا بلکہ بچ گیا۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کا یہ حال تھا کہ سواری کیساتھ پیدل چلتے، لگام تھامتے، جوتیاں اُٹھاتے، آپ سوتے تو وہ ساری رات جاگتے۔

اسی سفر میں رامپور میں آپ نے بعض ولایتیوں کی زبانی پنجاب میں سکھوں کے مظالم سُنے، راستہ ہی میں آپ نے برادر معظم سید محمد اسحٰق صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنی اور رائے بریلی کا قصد فرمایا۔

قیام رائے بریلی

ستر اسّی آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ آپ رائے بریلی پہونچے، یہ سنہ ۸۶ بکرمی کے مشہور قحط کا زمانہ تھا، تقریباً سو آدمیوں کے خورد و نوش کا آپ پر بار تھا، بڑی تنگی تھی، جس کی وجہ سے مسجد اور گھر میں بھی چراغ نہیں جل سکتا تھا، بڑی ابتلاء کا زمانہ تھا لیکن سکینت الٰہی کی وجہ سے غم غلط تھا

اور جماعت مطمئن تھی، کبھی اگر کسی عزیز نے بہت شکایت کی اور دعا کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً غیب سے انتظام فرمایا،

نکاح بیوہ بیوہ کا نکاح اسوقت ایسا گناہ عظیم تھا کہ کوئی اسکا تصور بھی نہیں کرتا تھا اور اس کی سزا اکثر اوقات قتل تھی، بارہا ایسا ہوا ہے کہ برادری نے دونوں کو قتل کر دیا ہے، زبانی وعظ اور نصیحت اس میں کارگر نہیں ہو سکتی تھی جس قوت کے ساتھ یہ چیز تھی اسی قوت کیساتھ اسکے مقابلہ کی ضرورت تھی۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کا وعظ ایک مرتبہ مولوی عبدالحی صاحبؒ نے مسجد میں اس آیت پر وعظ فرمایا لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادّون من حادّ اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم ؕ (ترجمہ) نہ پاؤ گے تم ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت پر کہ وہ محبت کریں اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبے والے ہوں"۔ یہ وعظ اس خطابت و فصاحت سے فرمایا کہ لوگ دنگ تھے اور ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ کے اعمال اس میزان عدل میں تولے اور صاف صاف سب کی کمزوریاں ظاہر کر دیں یہاں تک کہ نوبت خاندان عزیزی کو پہونچی اور آپنے جو کمزوریاں اس خاندان میں تھیں ظاہر کیں، یہاں تک کہ نوبت خاندان شاہ علم اللہ (سید صاحبؒ کا خاندان) تک پہونچی اور آپ نے اس خاندان کے جو اعمال اس آیت کے خلاف تھے بیان کئے، اور حضرت

سید صاحب نے اس کی تصدیق کی، اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ حضرت ایک بات اگر اپنے خاندان سے دور فرمادیں تو اس آیت پر پورا عمل ہو جائے، سید صاحب یہ سُنتے ہی بیتاب ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھے اور آپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کہ میں خدا کا بندہ اس کا اور اس کے رسولؐ کا تابع ہوں، اس سے پہلے سہارنپور وغیرہ میں میں نے مولانا سے کہا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں عزیزوں رشتہ داروں اور امیر و غریب کسی کا پاس نہیں، اس کا حکم بے کم و کاست ادا کروں گا اور کسی کی خوشی و ناخوشی کا خیال نہیں کروں گا، اس وقت مجھے سب سے زیادہ محمد یعقوب (برادر زادہ) عزیز ہیں، دنیا کی چیزوں میں سے جو چاہیں لے لیں، لیکن اللہ کی اطاعت میں انکی رعایت نہیں کروں گا، میرے تمام رشتہ دار صاف صاف سُن لیں کہ جو اللہ و رسولؐ کی اطاعت میں میرے شریک حال ہوں، ادائے اوامر و اجتناب نواہی میں کسی کی طعن و ملامت کا خیال نہ کریں وہ میرے عزیز اور میرا کلیجہ ہیں اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں ان کو میری طرف سے جواب ہے، اور مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں، صاف کہتا ہوں کہ جو اللہ کے راستہ میں مستعد ہو میرا شریک ہو اور جو چاہے مجھ سے جدا ہو جائے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت سے اسی کی امید تھی اور اسی لئے تمام مشائخ کو چھوڑ کر حضرت کا دامن پکڑا ہے مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور شاہ ابو سعید صاحبؒ خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ نے

فرمایا کہ ہم بھی حضرت کے ساتھ ہیں، یہ سن کر مسجد میں غلغلہ بلند ہوا اور لوگوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ زبان سے بات نہیں نکلتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر آپ مکان تشریف لے گئے اور وہاں وعظ کہا کہ گائے کا گوشت کھانے اور ختنہ کرنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا، تمام شریعت پر عمل کرنا چاہیے، پھر ہندوؤں کے اختلاط سے جو باتیں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں اور جن باتوں کو ننگ و عار سمجھا جاتا تھا انکا بیان کیا اور نکاح بیوگان کا حکم شرعی بیان کیا۔[1]

سید صاحبؒ کا خواب اسی عرصہ میں سید صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا ہے، بہت سے آدمی مل کر اسے اٹھانا چاہتے ہیں مگر کوئی اُٹھا نہیں سکتا، آپ کی بھاوج سید اسحٰق صاحب مرحوم کی بیوہ بھی موجود ہیں سید صاحب بعجز و انکساری ان سے کہتے ہیں کہ اگر آپ بھی ہاتھ لگائیے تو اس کو گھر پہونچا دیں[1] دل تو بوجھل ہونے کی وجہ سے انھوں نے عذر کیا مگر آپ کے اصرار سے انھوں نے منظور کیا اور دونوں نے مل کر اسے گھر پہونچا دیا، اس کی تعبیر ظاہر تھی کہ جو کام کسی سے نہ ہو سکا وہ آپ دونوں کی امداد سے ہو سکتا ہے، آپ برابر اندر باہر وعظ و نصیحت فرماتے رہے یہاں تک کہ اعزہ اور خود مخدومہ راضی ہو گئیں اور ایک مدت دراز کے بعد ہندوستان میں شرفا کے خاندان میں یہ مبارک تقریب ہوئی[2] سید صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور اپنے خلفاء کے

---

(۱) وقائع احمدی (۲) سوانح احمدی

نام خطوط لکھوائے جسمیں اس واقعہ کی اطلاع اور اس سنت کی ترغیب دی چنانچہ جواب میں خطوط آئے کہ اس پر عمل کیا گیا اور یہ سنت جاری ہوگئی۔

وطن میں آپکے معمولات شب کے معمولات کے علاوہ دن کے خاص معمولات یہ تھے کہ نماز فجر کے بعد جو علماء وہاں ہوتے وہ حاضر ہوتے اور آپ زبان فیض ترجمان سے وہ وہ معارف وحقائق ارشاد فرماتے کہ علماء عش عش کرتے اور دیر تک مزہ لیتے رہتے کوئی کسی آیت کا مضمون پوچھتا، کوئی کسی حدیث کا، آپ اس کا بیان فرماتے، دن چڑھے تک یہی چرچا رہتا اسی زمانہ میں "صراط مستقیم" تصنیف ہوئی، سید صاحبؒ اپنی زبان سے فرماتے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اس کو تختی پر لکھ لیتے، پھر آپ کے سامنے پیش کرتے، آپ اس میں اصلاح و ترمیم کرتے، کبھی دوبارہ لکھواتے، ایسا بھی ہوا ہے کہ پانچ بار تختی پر لکھ کر سید صاحب کو سنایا اور آپ کو پسند نہ آیا، اور پانچ بار وہ عبارت دھوئی گئی، اس کے بعد آپ کے حسب دلخواہ ہوئی اور کتاب میں درج کرنے کا حکم دیا۔[1]

عام لوگوں کے ساتھ مشقت کے کاموں میں شریک ہوتے، لکڑیاں چیرتے بوجھ اٹھاتے، یہ زمانہ بڑے روحانی وعلمی فیوض وبرکات کا زمانہ تھا، سید صاحب کا وجود علماء و مشائخ ہندوستان کا اجتماع، یکسوئی، یہ سب نعمتیں جمع تھیں، جو کم جمع ہوتی ہیں، ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا جس کی زمین پر چاند کے

(۱) وقائع احمدی

ساتھ سارے روشن ستارے اُتر آئے تھے، ہندوستان کے منتخب اور نامور علماء و مشائخ حجۃ الاسلام مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ، شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحبؒ قطب وقت مولانا محمد یوسف صاحب پھلتیؒ (نبیرہ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ) شیخ المشائخ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی، رشیخ الشیخ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ مہاجر) حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ) ایک وقت میں جمع تھے، اب اس دور کی یادگار صراط مستقیم رہ گئی ہے۔

ان حضرات کا تعلق اور اجتماع محض تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ پر امداد کرو) کے اصول پر تھا، ان حضرات سے زیادہ اپنے شیخ و مرشد کا معتقد، فدائی و جاں نثار اور آداب شیخ کا جاننے والا اور ان کا خیال رکھنے والا کوئی نہ تھا، اس کا ذکر ان حضرات کے تذکرہ میں آئے گا، لیکن اس کے ساتھ امور دین میں مداہنت و سکوت روا نہ رکھتے تھے، سید صاحبؒ نے جب شادی کی تو اتفاقاً ایک روز نماز میں کچھ دیر سے آئے، اگلے دن پھر اتنی تاخیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہوچکی تھی، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت"۔

سید صاحبؒ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریقہ سے تشریف لانے لگے[1]

---

(۱) تذکرۃ الرشید، روایت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

نصیر آباد کا ہنگامہ نصیر آباد رائے بریلی سے دس کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ شرفا کی بستی ہے، سید صاحبؒ کے اجداد کا وطن اور آپ کے خاندان کا ایک مسکن ہے، مولوی دلدار علی صاحب لکھنؤ کے مشہور شیعہ مجتہدین کے رہنے والے تھے، مجتہد صاحب کے وطنی تعلق اور سلطنت کی سرپرستی کی وجہ سے اہل تشیع کو اہلسنت کے (جو ان کے اہل برادری بھی تھے) جذبات کا زیادہ خیال نہیں رہا تھا اور ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے سید صاحبؒ کے زمانۂ قیام رائے بریلی کے ایک محرم میں کسی کے ایماء سے انھوں نے چاہا کہ غیر معمولی طریقہ پر محرم کے مراسم ادا کریں اور علانیہ تبرا کہیں، سنیوں سے انھوں نے کہہ دیا کہ اگر آپ کی دل آزاری ہو تو ایک روز کے لئے اہل وعیال کو لے کر قصبہ کے باہر چلے جائیں، اہلسنت کے پاس اس کے سوا کوئی سہارا نہ تھا کہ وہ سید صاحبؒ کی امداد حاصل کریں، چنانچہ انھوں نے اس واقعہ کی اطلاع کر دی اور بڑے اصرار سے استدعا کی، کہ آپ ان تاریخوں میں نصیر آباد تشریف لے آئیں، سید صاحبؒ نے وعدہ فرمالیا اور وقت پر پہونچ گئے، آپ نے پہونچکر اہلسنت کو تاکید کی کہ ان کی طرف سے قطعاً کوئی نامناسب بات نہ ہونے پائے اور پر سکون رہیں، پھر ایک معمر و معقول شخص کو حضرات شیعہ کے پاس بھیجا کہ میں مہمان ہوں اور آپ کا بھائی، ہر محلہ کے بڑے آدمیوں میں سے ایک ایک صاحب یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں خود حاضر ہو کر اپنے رشتہ داروں سے مل بھی لوں

اس کا جواب انھوں نے بہت درشتی سے دیا اور کہا کہ اب ہم اپنا وفد دربار لکھنؤ میں لیجا رہے ہیں وہیں سے ہمارا تمہارا فیصلہ ہوگا، یہ کہہ کر ایک وفد ماتمی لباس میں سوگوار و عزادار خاک بسر لکھنؤ روانہ ہوا اور اس سال محرم کی سب رسوم موقوف کردی گئیں، سرکاری اخبار نویس کے ذریعہ اس واقعہ کی اطلاع وفد کے پہونچنے سے پہلے پہونچ گئی تھی اور یہ معاملہ نواب معتمد الدولہ نائب سلطنت کے سپرد ہوگیا تھا۔ انھوں نے خاندان شاہی کی بعض رقابتوں کی بنا پر باوجود شیعیت کے اہلسنت کی پوری حمایت کی، اور فوج کا ایک دستہ بارہ ہزار روپیہ کیساتھ بطور نذر نصیر آباد بھیجدیا اور سید صاحب کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنا کام کریں اور مطمئن رہیں، اس کے مقابلہ میں شیعہ وفد کی ہمت شکنی کی اور ان کو بڑی مایوسی ہوئی، حکومت اودھ کے طرز عمل اور سلوک سے مجبور ہو کر شیعوں نے سید صاحب سے معافی مانگی اور آپنے نبی کریمؐ اور ایک دوسرے نبی برحق حضرت یوسف کی طرح اپنے بھائیوں سے بھی یہی کہا لا تثریب علیکم الیوم[1]۔

لکھنؤ کا سفر اور قیام نواب معتمد الدولہ بعض حالات و واقعات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سید صاحبؒ کے معتقد اور آپ کی زیارت کے مشتاق ہوگئے اور آپکو بہت ادب و احترام سے لکھنؤ تشریف لانے کی دعوت دی، سید صاحبؒ نے بھی نفع و اصلاح کی توقع پر منظور کرلی اور ایک سو ستر[1] آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ

---

(۱) مخزن احمدی۔

لکھنؤ تشریف لائے اور شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلہ پر قیام فرمایا،

اودھ کا یہ دارالسلطنت ہندوستان کے دارالسلطنت کے بعد علوم و تہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھا سلطنت تھی، دولت تھی، تہذیب تھی، اسی کے ساتھ غفلت اور عیاشی اور خلاف شرع زندگی و معاشرت میں لکھنؤ ہندوستان میں ممتاز تھا اور یہ یہاں کی مایۂ ناز تہذیب سمجھی جاتی تھی، وہ ظلمت اور دینی بے رونقی بھی یہاں سب سے زیادہ تھی جو اسوقت بھی سارے اودھ میں تمام ہندوستان سے زیادہ ہے۔

سید صاحبؒ کے تشریف لاتے ہی لوگوں کا رجوع اور ہجوم ہوا اور بہت جلد سید صاحبؒ کی ہدایت و تسخیر اور مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کے علم و تقریر کا گھر گھر چرچا ہو گیا، ہر مجلس میں یہی تذکرہ ہوتا تھا، مسجد میں ہجوم کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی تھی، مکان اور چھتوں پر لوگ ہوتے تھے، ان مواعظ سے لکھنؤ میں ایک انقلاب ہو گیا، ہزاروں انسانوں کی حالت بدل گئی، شریعت و سنت کا راستہ اور صحیح علم کی روشنی نظر آئی اور آنکھیں کھلیں، فرنگی محل کے بھی اکثر علما و اکابر سید صاحبؒ کی بیعت میں داخل ہوئے، دن رات لوگ بیعت و توبہ کرتے، مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ وعظ فرماتے، علم و عرفان کی بارش ہوتی اور کتاب و سنت کے معارف و حقائق و نکات کی گہر ریزی۔ محویت و سکتہ کا عالم ہوتا، علماء انگشت بدنداں ہوتے اور مخالفین سر بگریباں، لوگ اٹھ اٹھ کر توبہ کرتے اور نئی زندگی میں قدم رکھتے، مولانا عبدالحی صاحبؒ و شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے

مختلف موقعوں پر متعدد ہنگامہ خیز تقریریں کیں جنمیں اہلسنت و شیعہ حضرات ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے، آپ نے شیعیت کی تردید اس جرأت و قوت سے کی کہ کئی منصف مزاج شیعہ اس لئے تائب ہوگئے کہ یہ غریب الوطن شیعوں کے سب سے بڑے مرکز میں اس جرأت و بیباکی سے اپنے خیالات ظاہر کر رہے ہیں، اور ہمارے ائمہ کو (جیسے کہ ہماری کتابوں میں ہے) اظہار حق کی جرأت نہ تھی، ان تمام تقریروں کا قدر مشترک یہ ہوتا تھا۔

(۱) رفض و شیعیت کے دلائل کی لطیف طریقہ پر تردید و فضائل صحابہؓ۔

(۲) اہلسنت کی عام بدعات و غلط اعتقادات کی تردید و اصلاح۔

(۳) غیر اسلامی وضع و تہذیب (جو اسوقت لکھنؤ میں رائج تھی) اور غیر اسلامی اخلاق کی اصلاح،

ان جلسوں سے لکھنؤ کی دوسری مجلسیں پھیکی پڑ گئیں، دوسرے دربار بے رونق اور ویران ہوگئے، شہر میں اگر گفتگو تھی تو اسی کی، اور مجلسوں میں اگر چرچا تھا تو اسی کا کتابوں میں اس قیام کے بہت سے لطیف واقعات، مجالس اور دعوت کی سخن گسترانہ باتیں، حاضر جوابیاں، نکتہ آفرینیاں منقول ہیں جنکی یہاں گنجائش نہیں(۱)

ایک مرتبہ مولانا محمد اشرف صاحب نے جو اسوقت لکھنؤ میں علوم معقول و منقول میں یگانہ سمجھے جاتے تھے، اپنے یہاں کے سب سے زیادہ ذکی اور فاضل طالب علم

---

(۱) قیام لکھنؤ کے بعض حالات و واقعات مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے تذکرہ میں باب چہارم میں دیکھئے۔

مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو سید صاحبؒ کے تحقیق حال کیلئے بھیجا اور پیغام بھیجا کہ میں تخلیہ میں ملنا چاہتا ہوں، آپ کا مقصد یہ تھا کہ تنہائی میں سید صاحب کے علم کو ٹٹولیں، سید صاحبؒ نے یہ درخواست منظور کرلی، ملاقات کے وقت آپنے سید صاحبؒ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ میں آپ کی زبان سے اسکی تفسیر سننا چاہتا ہوں۔ سید صاحب نے دو گھنٹہ اس کا بیان فرمایا اسوقت مولانا محمد اشرف صاحب و مولوی ولایت علی صاحب کی (جو اُس وقت حاضر تھے) روتے روتے آنسوؤں سے داڑھی تر ہو گئی اور فوراً بیعت کرلی، مولانا محمد اشرف فرماتے تھے کہ اسی روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور مجھے اس کے علاوہ بے انتہا فیوض و برکات حاصل ہوئے، مولانا ولایت علی صاحب تو سب چھوڑ چھاڑ سید صاحبؒ کے ساتھ ہو گئے اور اپنے کو شیخ کی خدمت میں فنا کر دیا۔(۱)

اس کے علاوہ سید صاحبؒ اور انکی بابرکت جماعت کے چند روزہ قیام سے اہل لکھنؤ کو بہت روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے۔(۲)

سید صاحبؒ کا قیام لکھنؤ میں ایک مہینہ رہا، اس دوران میں نواب معتمد الدولہ نے دعوت کی اور پانچہزار روپیہ نقد پیش کئے، جو آپنے جماعت مجاہدین کے لئے قبول کرلئے، نواب غازی الدین حیدر والی اودھ بھی بہت متاثر ہوئے اور تبدیلی مذاہب

---

(۱) مولوی ولایت علی صاحب کا مستقل تذکرہ کتاب کے آخر میں ہے۔ (۲) سوانح احمدی۔

ارادہ کیا لیکن بقوت واصرار اس ارادہ سے باز رکھے گئے۔

آپ کے اس قیام سے لکھنؤ میں دینداری اور تشرّع کی ایک فضا پیدا ہو گئی، آپ ہر طبقہ کے لوگوں سے ملتے تھے، چھاؤنی اور لشکر میں پٹھانوں اور فوجیوں سے ملتے، وہ آپ کے معتقد تھے اور انکی بہت اصلاح ہو گئی تھی، یہ لوگ اللہ کے کاموں میں بھی کام آئے۔

قیام رائے بریلی اور سفر لکھنؤ سے رائے بریلی تشریف لائے اور کچھ دن قیام فرما کر جہاں جہاں سے دعوت نامے آئے تھے، تشریف لے گئے، اس سلسلہ میں الٰہ آباد و بنارس و کانپور و مضافات اور دوسرے قصبات وغیرہ میں تشریف لیجانا ہوا اور ہزاروں بندگان خدا کو نفع ہوا۔

تکیہ کا قیام عجیب ذوق و شوق، لذت و حلاوت اور جفاکشی کا تھا، یہ قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے مدینہ کے قیام کے بہت مشابہ تھا۔ سید صاحبؒ اور رفقا جنمیں ہندوستان کے جلیل القدر علما، اور صاحب سلسلہ مشائخ ہوتے، بڑے ذوق سے اپنے ہاتھوں سے مشقت کے کام کرتے، لکڑیاں چیرتے، گھاس چھیلتے، اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کرتے، فاقہ اور ہر حال میں خوش ہوتے، کھانا آتا تو مسجد کے فرش کا ایک گوشہ دھو کر کھانا اسی پر انڈیل دیتے اور کھا لیتے، ایک سوز و گداز، ایک محویت و جذب کا عالم تھا، کسی کو نہ شکایت تھی نہ افسوس، ان میں اچھے اچھے عالی خاندان، خوشحال رئیس و امیرزادے تھے

بہت سے نازک طبع اور ناز پروردہ نوجوان تھے، ان کے گھر میں کسی بات کی کمی نہ تھی، کوئی مجبوری نہ تھی، بعضوں کے سیکڑوں، ہزاروں معتقد و مرید تھے، مگر گھر بار، عیش و آرام، مشیخت و مخدومیت چھوڑ کر اس در پر پڑے ہوئے تھے، اور ہزاروں درجہ خوش تھے، انھیں میں شاہ عبدالرحیم صاحب بھی تھے جن کے ہندوستان میں ہزارہا مرید تھے، لیکن وہ یہاں مخدوم سے خادم اور مراد سے مرید بنے ہوئے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی مخدوم جہاں اور خاندان ولی اللٰہی کے چشم و چراغ مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا شاہ اسمٰعیل صاحبؒ بھی تھے۔

انھیں درویشوں میں پٹنہ کے خاندان صادق پور کے ناز پروردہ نوجوان اور ناظم صوبۂ بہار کے لاڈلے نواسے مولوی ولایت علی صاحب عظیم آبادی تھے، آپ نہایت ناز و نعم میں پلے تھے اور لکھنؤ کے نہایت شوقین و خوش پوشاک نوجوانوں میں تھے لیکن یہاں عالم دوسرا تھا، ایک مرتبہ آپ کے والد نے آپ کے بچپن کے خدمتگار کو چار سو روپیہ نقد، دس بارہ جوڑے کپڑے اور دوسرے سامان کیساتھ آپ کے پاس رائے بریلی بھیجا، اس نے تکیہ پہونچکر قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کنارے گارے مٹی کا کام کر رہے ہیں، وہ دریا کے کنارے پہونچا وہاں بہت سے لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، ان میں مولوی ولایت علی صاحب بھی ایک موٹا تہبند ننگا ہوا باندھے ہوئے اور گارے میں لتھڑے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے آپ کی صورت ایسی بدل گئی تھی کہ اس پرانے خدمتگار نے آپکو نہیں پہچانا،

اور خود آپ سے پوچھا کہ مولوی ولایت علی صاحب پٹنہ والے کہاں ہیں، آپ نے کہا کہ بھائی ولایت علی تو میرا ہی نام ہے، اس نے بڑے غصہ سے کہا کہ میں تم کو نہیں پوچھتا، میں ان ولایت علی کو پوچھتا ہوں جو مولوی فتح علی صاحب کے صاحبزادے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب ناظم صوبۂ بہار کے لاڈلے نواسے ہیں، آپنے کہا کہ صادق پوری ولایت علی تو میں ہی ہوں، اس نے کہا کہ تم مجھ سے ہنسی کرتے ہو، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ قافلہ میں تلاش کرو، بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اسکے یوسف گم گشتہ یہی ہیں، اس نے وہ سب چیزیں حوالہ کیں اور انکی پہلی حالت یاد کر کے بہت رویا، آپنے وہ سب سامان سید صاحب کے قدموں پر ڈال دیا کہ قافلہ میں جس کو مستحق سمجھیں اور جس طرح چاہیں صرف کریں اور دوسرے دن پھر اسی حالت میں کام شروع کیا۔

غرض ہر ایک مسرور تھا اور ہر ایک کا دل سکینت الٰہی سے معمور، سید صاحب کی صحبت استفادہ ذکر وفکر عبادت کے سوا کوئی شغل اور اللہ کے سوا کوئی مقصد نہ تھا۔

عسکری تربیت مشاغل یوں تو عبادت وسلوک کے ساتھ یہ مشغلہ بھی ابتدا سے لازمی رہا، لیکن اس قیام میں اس طرف سب سے زیادہ توجہ تھی، پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومی اور جہاد کی ضرورت کا احساس بڑھتا ہی جاتا تھا اور یہ کانٹا تھا جو آپ کو برابر بےچین رکھتا تھا، اب آپ کو دن رات اسی کا خیال رہتا تھا زیادہ تر یہی مشاغل بھی رہتے، آپ اکثر اسلحہ لگاتے تاکہ دوسروں کو اسکی اہمیت

معلوم ہو اور شوق ہو، بدقسمتی سے بہت سے مسلمان ان چیزوں کو تقدس و مشیخت کے خلاف سمجھتے تھے، لکھنؤ میں ایک مرتبہ جب آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لیجا رہے تھے آپ بھی ہتھیار باندھے ہوئے تھے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے، عبدالباقی خاں صاحب نے یہ دیکھ کر کہا کہ "حضرت آپکی سب باتیں تو بہتر ہیں مگر ایک بات مجھ کو بہت ناپسند ہے اور وہ بات آپ کے خاندان والاشان کے خلاف ہے، آجتک یہ طریقہ کسی نے اختیار نہیں کیا، آپ کو وہی کام زیبا ہے جو آپ کے حضرات آباؤ اجداد کرتے آئے، آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے، کہا، یہ سپر، تلوار، بندوق وغیرہ کا باندھنا یہ اسباب جہالت ہیں، یہ آپ کو نہ چاہیے" یہ سنتے ہی حضرت کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ خاں صاحب اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں، اگر سمجھئے تو یہی کافی ہے کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے تاکہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سامان سے تمام کفار اشرار کو زیر کر کے جہان میں دین حق کو رونق بخشی، اگر یہ سامان نہ ہوتا تو تم نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے[1]۔"

آپ کو سب سے زیادہ جہاد کا خیال رہتا تھا، جس کو مضبوط و توانا دیکھتے، فرماتے کہ یہ ہمارے کام کا ہے، مورائین (ایک قصبہ) میں شمشیر خاں، الہ بخش خاں، شیخ

(۱) وقائع احمدی

رمضان اور مہربان خاں ملاقات کے واسطے آئے، چاروں بڑے لمبے لمبے جوان تھے، آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے لوگ ہمارے کام کے نہیں اور بہت تعریف کی، وہ آپ کا اخلاق دیکھ کر خوش ہوئے کہ ہم غریب آدمی چار روپے کے سپاہی آپ ہماری اس طرح تعریف کرتے ہیں، بعد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں اپنا کام تم سے بہت لیگا، پھر مہربان خاں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سے اور کام لیگا، ان تینوں سے اور کام لے گا، اور وہ دونوں کام خدا کی مرضی کے ہوں گے۔(۱)

جنگی مشاغل میں انہماک کے متعلق رفقاء کی سید صاحب سے گفتگو آپکی تقریر اور ایک مشہور عارف کی زبان سے سید صاحب کی عظمت کا اعتراف

جب فنون حرب کی مشق و تعلیم میں زیادہ انہماک ہوا اور زیادہ تر وقت اسی میں صرف ہونے لگا، یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی تو رفقاء نے آپس میں گفتگو کرنی شروع کی اور مشورہ کیا کہ مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی اس بارہ میں سید صاحب سے گفتگو کریں اور جماعت کے ان خیالات کی اطلاع دیں، مولانا نے سید صاحب سے عرض کیا، سید صاحبؒ نے آپ کو جواب دیا کہ ان دنوں دوسرا کام اس سے افضل ہم کو در پیش ہے، اسمیں ہمارا دل مشغول ہے، یہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے تیاری ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں

(۱) چنانچہ مہربان خاں حضرت کے متعلقوں کی خدمت کے لئے سندھ میں رہے پھر وہاں سے ان کے ساتھ شہر ٹونک گئے اور باقی اکوڑہ کے پہلے ہی چھاپہ میں شہید ہوئے۔ (وقائع احمدی)

وہ کام یعنی تحصیل علم سلوک اس کام کے تابع ہے اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے اور تمام رات زہد و ریاضت میں گزارے اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اڑائے تاکہ کفار کے مقابلہ میں بندوق لگاتے آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبہ کو ہرگز نہیں پہونچ سکتا اور وہ کام (سلوک و تصوف) اسوقت کا ہے جب اس کام (تیاری جہاد) سے فارغ البال ہو اور اب جو پندرہ سولہ روز سے دوسرے انوار کی ترقی نماز یا مراقبہ میں معلوم ہوتی ہے وہ اسی کاروبار کے طفیل سے ہے، کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے کوئی بندوق لگاتا ہے کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پیلتا ہے، اگر ہم اس کام کی اسوقت تعلیم کریں تو ہمارے یہ بھائی اس کام سے جاتے رہیں، یوسف جی تم خود اپنا حال دیکھو کہ گردن ڈالے ہوئے ایک عالم سکوت میں رہتے ہو اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمل اوڑھے مسجد کے کونہ میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرہ میں بیٹھا ہے کوئی جنگل جاکر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کنارے گڈھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے، تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں یہی بہتر ہے اور حاجی عبدالرحیم صاحب سے بھی مشورہ کرکے جواب دو"

حاجی عبدالرحیم صاحب نے جب یہ سُنا تو پہلے اپنا حال بیان کیا کہ "جب مجھ کو حضرت سے بیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا، چلہ کشی کرتا تھا، جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، صدہا میرے مرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے

پاس آتا اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی طلب کیلئے دو چار کوس یا ایک دو منزل لیجانے کی درخواست کرتا للہ فی اللہ چلا جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں ان سے بڑھ کر تھیں اور میں اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بھی بعضے بعضے صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحبؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا اسوقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری موت بُری ہوتی، پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو اب دوبارہ ان سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر دیا اس عقیدہ سے میرے ہی ہاتھ پر بیعت کر دا اور جو نہ کرے گا وہ جانے، میں نے آگاہ کر دیا ہے، اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں، پھر سب نے دوبارہ بیعت کی، سو میں نے تمام اس عیش و آرام اور ناموس و نام کو ترک کر کے سید صاحبؒ کے یہاں کی محنت و مشقت اور تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اُٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں، اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصہ کے برابر ان اول معاملات کی تمام خیر و برکت کو

نہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی، سو میری صلاح اس بارہ میں یہی ہے کہ تم اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑ دو، وہی جو کچھ بہتر جان کر تم کو فرمادیں اسی کو مانو اور اپنی بہتری اسی میں سمجھو، اور اپنی رائے ناقص کو اسمیں دخل نہ دو"

حاجی صاحب چونکہ فن سلوک اور قوت نسبت میں مسلم تھے اور مشہور شیخ اور عارف تھے، اس لئے انکی تقریر سُن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور مقدمات جہاد میں دل و جان سے مشغول ہو گئے، دن رات یہی مشغلہ تھا، بر ماری، تیر اندازی کرتے، چو رنگ لگاتے اور فنون سپہ گری کی پوری مشق کرتے تھے (۱)

حج محبت و شوق و جذب الٰہی کا جسکی تربیت چوبیس گھنٹے ہوتی تھی، اب شدید تقاضا تھا کہ حج کو چلئے، صبر کی طاقت نہیں، کانوں میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعوت و اعلان کی آوازیں آرہی تھیں "بر دن در" بھی اتنا کیا جارہا تھا کہ "درون در" آنے کی اجازت ہو سکتی تھی (۲)۔ سید صاحبؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے مردہ سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا تھا، فرائض کو کس طرح زندہ نہ کرتے حج عرصہ سے علماء کی تاویلوں، فقہی موشگافیوں اور عوام کی غفلتوں سے متروک ہو گیا تھا (۳)، حج بہت سی مناسبتوں سے جہاد کا بھی ایک مقدمہ ہے رسول اللہ صلی اللہ

(۱) وقائع احمدی۔ (۲) بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ۔۔ کہ برون در چہ کردی کہ درون در درآئی

(۳) دیکھو باب سوم تجدید۔

علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل الجہاد حج مبرور، افضل جہاد حج مقبول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین، حج میں خوب کجاوے باندھو، اس لئے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے، اس سب کے علاوہ وہ خود مقصود بالذات فرض ہے، اسلام کا رکن ہے، اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین عبادت ہے، کامیاب ترین اصلاح باطن و تزکیۂ نفس ہے، اس زمانہ کی طرح اسوقت کے مسلمانوں نے بھی اسلام کے ارکان اربعہ میں سے اس کو خارج کر دیا تھا اور جن پر فرض ہے انھوں نے تو کبھی بھی اس کو فرض نہیں سمجھا،

سید صاحبؒ نے حج کی تیاری کی، اور تیاری کیا کی، نیت کی، جماعت کو اطلاع دی، اہل خاندان کو شوق دلایا، اور دہلی و پھلت و سہارنپور اور جہاں جہاں حضرت کے متعلقین تھے، خطوط لکھوادئے کہ ہم حج کو جاتے ہیں، جو ہمارے ساتھ چل سکے چلے، سارے ہندوستان میں اسکی شہرت ہوگئی کہ سید صاحبؒ حج کو جاتے ہیں اور سب کو دعوت دیتے ہیں، سید صاحب کا یہ پہلا حج تھا، اور آخری بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "حجۃ الوداع" کی طرح آدمیوں کا سیلاب اُمنڈ آیا اور پروانوں کی طرح لوگ جمع ہوگئے، محبت و شوق کی دبی ہوئی چنگاریاں اُبھریں اور بجھی ہوئی آتش شوق بھڑکی، سید صاحبؒ کی طویل معیت صلحاء و اولیاء کی رفاقت حج مقبول، اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے، برسوں کے ارمان نکلنے کا وقت آیا، لوگوں نے اپنی اپنی زمین و جائداد بیچ کر تیاری کی، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ

و مولانا عبدالحی صاحب اپنے اپنے خاندان و متعلقین کو لینے وطن تشریف لے گئے لوگوں کے خطوط اور وفود آنے شروع ہو گئے، لوگوں کو حیرت تھی کہ اس بے سروسامانی کیساتھ یہ لشکر جرار کس طرح حج کریگا اور یہ مہم کس طرح سر ہوگی۔

یکم شوال ۱۲۳۶ھ عید کے روز نماز کے بعد چار سو آدمیوں کیساتھ آپ تکیہ سے روانہ ہوئے، سارے قافلہ کا کل خرچ سید صاحب کے ذمہ تھا، کچھ روپے تھے وہ آپنے غربا میں تقسیم کروا دئے اور فرمایا کہ اتنے روپیوں میں کیا ہوگا کشتی کے ذریعہ سفر تھا، جب ڈلمئو (رائے بریلی سے اٹھارہ میل گنگا کے کنارے) قریب ہوا تو دیکھا کہ دو سوار چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں انھوں نے پہونچکر بیعت کی اور عرض کیا کہ ہم دونوں حقیقی بڑے چھوٹے بھائی ہیں، میں بڑا ہوں اور کئی روز سے آپ حضرات کی دعوت کی تیاری کر رہا ہوں مگر یہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ پہلے میں دعوت کروں گا، ہم لوگوں میں اس بات کا جھگڑا ہے اور آپ کے فیصلہ پر انحصار ہے، سید صاحبؒ نے دونوں میں مصالحت کرادی اور بڑے بھائی کو پہلے دعوت کی اجازت دی، ٹھنڈے وقت قصبہ میں تشریف لے گئے، ہزار ہا مرد و عورت بیعت سے مشرف ہوئے، ایک ہفتہ اس قصبہ میں قیام رہا، چار روز مولانا عبدالحی صاحبؒ نے وعظ فرمایا اور اسمیں شرک و بدعت کی برائی اور توحید و سنت کی خوبی اور حج و عمرہ کے فضائل بیان کئے رات کو بعد نماز عشا سید صاحب نے فرمایا، بھائیو! تم نے کئی روز مولانا کا وعظ

سنا اب چند باتیں ہماری بھی انشاء اللہ تعالیٰ نماز صبح کے بعد سُن لینا۔

سید صاحب کا ڈلمئو میں وعظ

سب لوگ نماز پڑھ کر آپ کے پاس حاضر رہے، آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"بھائیو! اگر تم سب اپنے گھر بار چھوڑ کر حج وعمرہ ادا کرنے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں سب مل کر ایسا اتفاق وخلق رکھو جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت اور ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو، اور ہر ایک کے کاروبار میں بلا انکار حامی ومددگار رہو اور ایک دوسرے کی خدمت کرنے کو ننگ وعار نہ جانو بلکہ عزت وافتخار سمجھو، یہی کام اللہ کی رضامندی کے ہیں جب ایسے اخلاق تم میں ہوں گے تو اور غیر لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں شریک ہونا چاہیئے۔"

اس کے بعد توکل اور اللہ تعالیٰ کے رازق مطلق ہونے کا نہایت مؤثر بیان کرکے فرمایا۔

"مجھ کو عنایت الٰہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا، اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک وبدعت میں اور فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے اور جناب الٰہی

میں میں نے اہل ہند کے لئے بہت دعا کی کہ الٰہی ہندوستان سے تیرے کعبہ کی راہ مسدود ہے، ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مرگئے اور نفس وشیطان کے بہکانے سے کہ راستہ میں امن نہیں ہے حج سے محروم رہے اور ہزاروں صاحب ثروت اب جیتے ہیں اور اسی وسوسہ سے نہیں جاتے، سو اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھولدے کہ جو ارادہ کرے بیدغدغہ چلا جائے اور اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ رہے، یہ میری دعا اس ذات پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ حج سے آنے کے بعد یہ راستہ علی العموم ہم کھول دیں گے سو انشاءاللہ تعالیٰ جو مسلمان بھائی زندہ رہیں گے وہ یہ حال بچشم خود دیکھیں گے"۔(۱)

ڈلمو سے آپ پانچسو روپیہ پر کشتیاں کرکے روانہ ہوئے جب قصبہ دھمدمہ کے سامنے پہونچے تو شیخ مظہر علیصاحب نے قافلہ کی دعوت کی اور تین سو آدمیوں کیساتھ بیعت ہوئے، وہاں سے دوسرے موضع میں شیخ محمد پناہ صاحب کی دعوت پر اُترے اور دو ایک روز وہاں قیام فرمایا، آپنے وہاں بدعات کا عملی رد فرمایا، امام حسین رضی اللہ عنہ کے چبوترے کثرت سے تھے، آپنے ان کو توڑنے کا حکم دیا اور وہ منہدم کردئے گئے، وہاں سے روانہ ہوئے، راستہ میں کھانا تیار نہ ہو سکا، لیکن کچھ فاصلہ پر چند مشعلیں آتی نظر آئیں، معلوم ہوا کہ تیل کا ایک انگریز تاجر قافلہ کے لئے کھانا تیار کراکر لایا ہے اس نے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کردئے تھے کہ آپکی

(۱) وقائع احمدی

آمد کی اطلاع کریں آج معلوم ہوا تو یہ کھانا تیار کرا کے لایا ہوں، سید صاحب نے قبول کیا اور وہ دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا، وہاں سے دوسرے گھاٹ پر لنگر ڈالا گیا، شیخ حسن علی صاحب پہلے سے منتظر کھڑے تھے، انھوں نے تین روز تک پورے قافلہ کی دعوت کی اور مع اہل وعیال قافلہ کے ساتھ شریک ہو گئے، الہ آباد میں پندرہ روز تک شیخ غلام علی صاحب نے سارے قافلہ کی دعوت کی، شیخ صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ صرف کھانے پر خرچ کرتے رہے اور شہر کے صدہا ساکین قافلہ کے ساتھ کھاتے تھے، اسوقت اہل قافلہ کی تعداد سات سو ہو گئی تھی، شیخ غلام علی صاحب نے تیرہ عدد خیمے اور ہر حاجی کے واسطے احرام کا جوڑہ اور کچھ روپیہ اہل قافلہ کیواسطے، کچھ اعزہ کیلئے اور ساڑھے چار ہزار روپیہ سید صاحب کیخدمت میں نذر کئے، یہاں ہزارہا آدمی اور بعض مشہور مشائخ بیعت میں داخل ہوئے، یہاں سے مرزاپور قیام ہوا، شیخ عبداللطیف صاحب سوداگر نے ایک ہفتہ تک بڑی دھوم دھام سے قافلہ کی ضیافت کی، اور چار ہزار روپیہ سید صاحب کو نذر کئے، اور خود بھی بارادہ حج شریک قافلہ ہو گئے، ہزارہا آدمی آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر بنارس ٹھہرے، چونکہ بارش کا موسم تھا اور یہاں آپ کے صدہا مرید تھے، اس لئے ایک مہینہ وہاں قیام کیا، عیدالاضحیٰ وہیں کی، حیات النساء بیگم اور شہزادگان خاندان تیموری جو آپ کے مریدین میں تھے بہت تواضع سے پیش آئے۔

بنارس سے غازیپور اور زمانیہ ٹھہرتے ہوئے داناپور پہنچے، یہاں کے لوگ بنارس تک آپکی پیشوائی کے لئے آئے تھے اور بہت مشتاق تھے، یہاں ایک ہفتہ قیام فرمایا، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ و مولانا عبدالحی صاحبؒ روزانہ جابجا وعظ فرماتے تھے، ہزاروں آدمی شرک و بدعت سے تائب ہوتے تھے اور باخدا و صالح بنجاتے تھے، یہاں پر ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں جس سے اس سفر کے بعض برکات اور حالات کا اندازہ ہوگا اور قافلہ کی اسلامی معاشرت کا علم ہوگا۔

"مولانا عبدالحی صاحبؒ کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی حضرت نے سید عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ اس کو کسی کشتی پر بٹھادو، وہ عورتوں کی کشتی پر لیگئے تو عورتیں چیخنے لگیں کہ یہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے، دوسری ناؤ پر لیجاؤ سید عبدالرحمٰن صاحبؒ نے حضرت سے ذکر کیا، آپنے مولوی وحیدالدین صاحب سے فرمایا کہ اس نیکبخت کو کسی جگہ لیجاکر بٹھادو، انھوں نے عورتوں سے کہا، انھوں نے کہا کہ یہ بازاری عورت ہے، ہم تو اپنی ناؤ پر نہیں بٹھائینگے سید عبدالرحمٰن صاحب نے سید صاحبؒ سے ذکر کیا، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے یہ بات سُنی اور وہاں سے اٹھ کر کشتی کے قریب گئے اور سب عورتوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم اس نیک بخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں آج اس نیک بخت نے سب بُرے کاموں سے توبہ کی ہے، اس وقت یہ تم سب سے افضل ہے اور جو کچھ خدا اور رسولؐ کا شرعی حکم تم پر ہو وہی اسپر ہے

ان سب نے کہا اگر یہ بات ہے تو اس کو پردہ کرا کر چھت پر الگ بٹھا دو، مولانا نے کہا کہ چھت پر کیا تم میں کوئی نہیں بیٹھ سکتی، وہی کیوں نہ جا کر چھت پر بیٹھے اس میں کچھ اور زیادہ گفتگو ہوئی، مولانا نے خفا ہو کر فرمایا کہ اس میں جو عبدالحی کی بیوی ہو وہ چادر اوڑھ کر کشتی سے اتر آوے، تین بار یہی حکم فرمایا، دو بار کے کہنے سے تو وہ نہیں اتریں، تیسری بار جب مولانا نے فرمایا کہ جس طور سے شرعی پردہ تم سے بتایا ہے، اسی طور پر چادر اوڑھ کر چلی آؤ، پھر اسی طرح سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر مولانا صاحب کی بیوی ناؤ سے اتر کر خشکی میں کھڑی ہو گئیں، مولانا کچھ دور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ کیا گھر میں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی پیسنی پڑیگی روٹی بھی پکانی پڑے گی، جو ضروری کام ہیں سب کرنے پڑیں گے، پیروں بھی چلنا ہو گا، جب تم نے سب قبول کیا تب ہم نے تم کو ساتھ لیا، اس عرصہ میں دور سے سید صاحبؒ نے یہ معاملہ دیکھا، وہیں سے پکار کر کہا، ہاں ہاں مولانا صاحب یہ تم نے کیا حرکت کی، یہاں تشریف لاؤ مولانا نے کہا کہ حضرت آتا ہوں، یہ جواب دے کر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی کہ دیکھو عبدالحی کی بی بی کھڑی ہے اور شرعی پردہ موافق حکم خدا اور رسولؐ کے اس کو کہتے ہیں اور یہ بات تین بار فرما کر اپنی بی بی صاحبہ سے کہا کہ اب وہیں ناؤ پر جا کر بیٹھو اور آپ سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے

پھر وہاں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اسی ناؤ کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور مولوی وحید الدین صاحب سے کہا کہ ہماری بہن بی بی رقیہ سے کہہ دو کہ اس عورت کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیں اور اس کو نیک باتیں نصیحت کریں اور دین اسلام کی باتیں سکھائیں، بی بی رقیہ بھی یہ باتیں سنتی تھیں، مولوی صاحب سے کہا کہ بھیا سے کہہ دو کہ اس کو یہاں بھیجدیں"(۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے پردہ کا انتظام کرکے اپنی بیوی کو اُتارا اور ان سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو دیکھو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے، اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔"(۲)

اس سفر میں شریعت کی اشاعت و ترویج اور شرک و بدعات کے رد کا کام پوری قوت سے ہوتا تھا، چنانچہ ایک جگہ سید صاحب کے ایک مرید جدید نے یہ اپنی برادری میں یہ نظام حدود قائم کیا کہ "اگر کوئی کسی کے تعزیہ میں شریک ہو اور تحقیق ہو جائے تو پچیس روپیہ جرمانہ برادری کی دعوت کے واسطے اور جو عشرہ محرم کے اندر کھچڑا پکائے یا شربت کرے اس سے گیارہ روپیہ جرمانہ اور جو کسی کا تعزیہ دیکھنے جائے اس کے جرمانہ میں ایک طالب علم کو ایک مہینہ اپنے گھر کا کھانا کھلاوے اور جس کی ایک وقت نماز فرض قضا ہو جائے اسکے تیس زیر بند لگائے جائیں"(۳)

---

(۱) وقائع احمدی (۲) امیر الروایات (۳) وقائع احمدی۔

داناپور سے روانہ ہو کر آپ مولانا ولایت علی صاحب کے وطن عظیم آباد پٹنہ میں داخل ہوئے اور دو ہفتہ قیام کیا، جسمیں ہزارہا بندگان خدا نے فائدہ اُٹھایا۔

ملک تبّت وفد ہدایت و تبلیغ روانہ کرنا

عظیم آباد میں ایک گھر میں چند تبتیوں سے ملاقات ہوئی جو حج کے ارادہ سے ٹھہرے ہوئے تھے، سید صاحب نے ان سے ملک اور مسلمانوں کا حال پوچھا، انھوں نے کہا کہ "دوسرے اور تیسرے تبت تک تو مسلمان بستیوں میں زیادہ ہیں اور کفار کم، اور باقی چار تبتوں میں مسلمان کم اور کافر زیادہ ہیں، کوئی کوئی لوگ نماز اور روزہ سے واقف ہیں اور باقی لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں، گور پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہیں" حضرتؒ نے ان سے پوچھا کہ "تم جو بیت اللہ شریف کے جانے کا ارادہ کرتے ہو کس قدر زاد راہ تمھارے ساتھ ہے اگر اسقدر ہے کہ کھاتے جاؤ اور کھاتے آؤ تو خیر جاؤ" انھوں نے عرض کیا کہ "اتنا خرچ تو ہمارے پاس نہیں ہے مگر ہم نے سنا ہے کہ آپنے اذن عام دیدیا ہے کہ جو چاہے چلے، ہم اس کو اپنے ساتھ لیچلیں گے، سو ہم بھی امیدوار ہیں"۔ آپنے فرمایا کہ "یہ بات تو سچ ہے کہ جن شرطوں کیساتھ ہم نے اذن عام دیا ہے ان شرطوں کیساتھ جو چاہے چلے مگر چونکہ زاد راہ تمھارے پاس کم ہے اسلئے حج تم پر فرض بھی نہیں اور مراد بیت اللہ شریف کے جانے سے یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ راضی ہو اب اگر تم سب صاحب مانو تو ایک بات ہم کہیں کہ اس طرح کے حج کرنے سے ثواب دوچند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو"۔ انھوں نے عرض کیا کہ "اس سے

بہتر کیا ہم حاضر ہیں، آپنے فرمایا کہ "آؤ پہلے بسم اللہ کر کے ہمارے ہاتھ پر بیعت کر لو پھر ہم وہ بات بتائیں، پھر ان سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر آپنے فرمایا" کہ ہم تم سب کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ کریں گے اور جہاں ہم تم کو بھیجیں وہاں جاؤ"۔ انھوں نے عرض کیا کہ "ہم حاضر ہیں"۔ فرمایا کہ "ہم تم کو تمہارے ہی ملک رخصت کریں گے اور اعلام نامے لکھ دیں گے وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھر، لات گھونسا کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا، اسی طور تعلیم و تلقین کرتے رہنا، پھر عنایت الٰہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دین اسلام کی کیسی ترقی ہوگی اور وہ سارے ایذا دینے والے خود آخر کو آکر تم سے خطا معاف کروائیں گے، یہ تمام گفتگو سن کر انھوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ "ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور وعظ و نصیحت کے لئے علم کی ضرورت ہے"۔ آپنے فرمایا کہ "اندیشہ نہ کرو اسلام اللہ کا ہے وہ آپ ہی مدد کرے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہزاروں آدمی تمہارے ہاتھ سے ہدایت پائیں گے" اور کئی ورقوں میں توحید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کے رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھوا کر دیدیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا، اس وفد کی کامیابی کا حال باب سوم میں دیکھنا چاہیے"[1]۔

عظیم آباد سے روانہ ہو کر دو چار مقامات پر ٹھہرتے ہوئے آپ کلکتہ پہونچے

---

(۱) وقائع احمدی

منشی امین الدین صاحب کلکتہ کے رئیس اعظم اور وکیل سرکار، شہر کے عمائد رؤسا کیساتھ تشریف لائے اور اپنے یہاں اترنے کی درخواست کی، سید صاحب نے منظور فرمائی تین مہینہ کلکتہ میں قیام رہا، ہزار ہا ہزار انسانوں نے بیعت و توبہ کی، خود منشی صاحب اور دوسرے لوگوں نے منہیات و محرمات سے توبہ کی، بہت سے لوگوں کی قلب ماہیت ہوگئی، شراب کو جواب دیا، سونے چاندی کے برتن اور ہر قسم کے ناجائز عیش و فسق و فجور چھوڑے، دیکھتے دیکھتے انکی حالت بدل گئی، بیعت و توبہ، زیارت کرنے والوں سے آپ کو ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی تھی، مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ ہفتہ میں دو روز ظہر سے شام تک وعظ فرماتے تھے شراب کی دوکانیں بند ہوگئیں، ٹھیکہ داروں نے حکام سے شکایت کی اور استعفے داخل کردئیے کہ صبح سے شام تک ایک خریدار نہیں آتا، معلوم ہوا کہ یہ سید صاحبؒ کے وجود کی برکت ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے ایک وعظ میں انگریز مردوں اور عورتوں کا کثیر مجمع تھا، مولانا نے سورہ مریم کا وعظ فرمایا، حاضرین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، وعظ کے بعد انگریزوں نے ہزار ہا روپیہ دینا چاہا مگر مولانا نے انکار کردیا اور کہا کہ ہم اجرت نہیں لیتے، سلطان ٹیپوؒ کے پوتوں نے جو کلکتہ میں مقیم تھے پیغام بھیجا کہ ہم لوگ آپ ہی کے خاندان کے معتقد و مرید ہیں، ہماری دعوت قبول کریں اور ہم کو سرفراز فرمائیں، سید صاحبؒ نے دعوت منظور فرمائی اور آپ کی توجہ

تصرف سے انکی اصلاح ہوگئی، بعض کی دینی حالت اچھی نہ تھی اور ان کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا، ان کی بھی حالت بدل گئی۔(۱)

تین مہینہ کلکتہ میں حقیقت میں رائے بریلی کے اسی درویش کی حکومت تھی۔ کسی وقت اس کا دربار خالی نہ ہوتا تھا، لوگوں کی زبانوں پر اسی کا نام تھا اور لوں پج اسی کی حکومت، دو ہزار آدمی روزانہ کھانا کھاتے تھے اور دس ہزار روپیہ سائلوں کو دے دئے گئے۔

سید صاحب کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی کہ "مجھ کو عنایت الٰہی سے امید قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالےٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا، ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت میں اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے"۔ ستی کے کنارے سے خلیج بنگال تک متصل متقی، عابد، موحد، متبع سنت اولیاء اللہ کی ایک روشن سڑک تیار ہوگئی۔

حج کے ہمراہیوں کی تعداد ۷۵۰، تھی، گیارہ جہاز کرایہ پر لئے گئے، اور گیارہ ہزار روپیہ بطور پیشگی دیدئے گئے۔

کلکتہ سے روانگی کا منظر کلکتہ سے رخصت کے وقت بگی پر سوار ہو کر چلے سڑک پر زیارت و تماشہ کے لئے مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کا ایسا ہجوم

(۱) سوانح احمدی

تھا کہ آدمی کا گزرنا مشکل تھا، کوٹھوں، بالاخانوں پر زائرین و تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے، یہاں تک کہ کچہری و دفاتر کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مشہور تھا کہ لاٹ صاحب بھی مع عملہ کے اپنی کوٹھی پر سے تماشا دیکھ رہے ہیں، قلعہ کے میدان میں سواری ٹھہری، عصر کا وقت تھا میدان میں ہزارہا ہزار مسلمانوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے ایک ایک دو دو روپیہ غربا میں تقسیم کئے، سات سو روپیہ سے زائد تقسیم ہو گئے، چلتے وقت دریا کے کنارے خلقت کا ہجوم تھا، آپ نے سب کو رخصتی سلام کیا، لوگوں نے سلام کا جواب دیا اور بہت روئے، دور تک جہاں سلام کی آواز نہیں پہونچ سکتی تھی ہاتھ کے اشارے ہو رہے تھے[1]

اس سفر میں جو برکات واقعات عجیبہ اور لذائذ روحانی حاصل ہوئے ان کا مزہ وہی جان سکتے ہیں جو اس سفر میں ساتھ تھے۔

راستہ میں کئی جگہ قیام فرماتے ہوئے اور بندگان خدا کو فائدہ پہونچاتے ہوئے شعبان ۱۲۳۷ھ میں آپ بخیریت جدہ میں داخل ہوئے اور چند روز کے بعد ۲۸ شعبان کو گیارہ مہینہ سفر کرنے کے بعد حرم میں داخل ہوئے، بیت اللہ کو دیکھ کر ہر شخص پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں معلّم و مطوف وغیرہ جو وہاں حاضر تھے وہ بھی رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری عمر میں ایسا بابرکت

---

(۱) وقائع احمدی

قافلہ کسی ملک سے نہیں آیا، طواف وسعی کے بعد سب نے حلق وقصر کرایا، ایک دوسرے کو مبارکباد دی،

اس کے بعد رمضان کا چاند دیکھا، عشرۂ اخیرہ میں مسجد بیت الحرام میں اعتکاف کیا اور ایام حج میں بخیر وخوبی حج ہوا۔

سرزمین ہدایت میں ہدایت | اس ارض مقدس میں بھی (جسکا یہ سارا فیض ہے) آپ کا فیض بند نہیں ہوا، اور حجاز کے بعض نامور اہل علم وکمال وفضل وصلاح بیعت میں داخل ہوئے، شیخ محمد عمر مفتی کہ جو شیخ العلما عبداللہ سراج کے اُستاذ تھے اور سید عقیل وسید حمزہ و شیخ مصطفےٰ امام مصلی حنفی اور شیخ شمس الدین مصری واعظ بیت اللہ الحرام، شیخ محمد علی ہندی مدرس مکہ معظمہ اور عمر بن عبدالرسول محدث، شیخ نجارامی مدرس مدینہ منورہ اور خواجہ الماس نے (جو مسجد نبوی میں اکابر اولیا، اللہ میں سے تھے) بیعت کی، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سید صاحبؒ کے ایما، اور اہل حجاز کی ضرورت وخواہش سے صراط مستقیم کا عربی میں ترجمہ کیا۔(۱)

سید صاحبؒ کے حکم سے مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مشکوٰۃ اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس شروع کیا جسمیں بڑا مجمع شریک ہوتا تھا۔

بلاد اسلامیہ میں آپکا فیض | یہ فیض عام صرف حجاز سے خاص نہ تھا بلکہ چونکہ

(۱) اس ترجمہ کا حجازی نسخہ نواب محمد علی خاں مرحوم والی ریاست ٹونک اور نواب عبدالرحیم خاں کے کتب خانہ ٹونک میں موجود ہے۔

حجاز عالم اسلامی کا مرکز ہے جہاں تمام ممالک اسلامیہ کے وفود آتے ہیں، اسلئے باہر کے لوگوں کو بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

بلغار کے قافلہ کے ایک بڑے عالم بیعت میں داخل ہوئے اور آپ نے ان کو اپنا خلیفہ کر کے اپنے ملک کی ہدایت کے لئے مقرر کیا، اور "صراط مستقیم" کی ایک نقل دی

جادہ کے تین آدمیوں نے آکر عرض کیا کہ ہم حضور کے خلفاء سے بیعت ہیں اب بلا واسطہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ نے انسے بیعت لی۔

مغربی قافلہ کے لوگوں نے بھی بیعت کی، ان میں مغرب کے ایک وزیر شیخ احمد بن ادریس تھے، جن کو صحیح بخاری مع قسطلانی حفظ تھی۔

مدینہ منورہ حاضری اور واپسی مکہ مکرمہ سے آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں کافی قیام کر کے ۲۹ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ آئے وہاں رمضان اور عید کی اور یکم ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ کو مکہ مکرمہ کو الوداع کہا اور ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ مہینہ کے بعد وطن پہنچے۔

باب دُوم (۲)

جہاد

سید صاحبؒ کی زندگی کا دوسرا اہم باب شروع ہوتا ہے، جسکی "سُرخی" آپکی کتاب میں سب سے زیادہ نمایاں اور روشن ہے۔

مقاصدو اسباب یہ جہاد کوئی ہنگامی و مقامی جنگ نہ تھی جو صرف پنجاب کی تاریخ میں رنجیت سنگھ کے عہد حکومت کا ایک قابل ذکر واقعہ ہے، اسلئے شمالی ہند کا مؤرخ اس کو چارو ناچار ایک سرحدی شورش کے طور پر ذکر کر دیتا ہے، مگر بہت سی چیزوں کی اہمیت اس لئے کم ہوتی ہے کہ وہ ناکام رہیں اور ان کے پیش نظر نتائج ظاہر نہیں ہونے پائے،

سید صاحبؒ نے اپنی فراست ایمانی اور تفقہ دینی کے علاوہ تجربہ اور مشاہدہ سے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اسلام کو قوت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ کے ایک کاتب میدان جنگ سے آپکی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں۔

فی الواقع بمقتضائے الملک والدین توأمان گو ایں کلام قابل احتجاج نباشد

حقیقت میں مطابق مقولہ (سلطنت اور مذہب توام ہیں) اگرچہ یہ قول حجت (شرعی) نہیں

لیکن موافق مدعی است کہ قیام دین
بملک است واحکام دینیہ کہ تعلق
بحکومت دارند بوقت نبودن مملکت
صاف از دست میروند وخرابی امور
مسلمین وذلت ونکبت ایشاں از دست
کفار متمردان واہانت شعائر شرع مقدس
وتخریب معابد ومساجد مسلمین کہ میشود
بر ہویدا است (مجموعہ خطوط قلمی)

لیکن مدعی کے موافق ہے کہ دین کا قیام
سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام جن کا
تعلق حکومت سے ہے سلطنت کے نہونے
سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں
کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے
ہاتھ سے انکی ذلت ونکبت اور شریعت مقدس
کے شعائر کی بیحرمتی اور مسلمانوں کے معابد ومساجد
کی تخریب جو ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔

سید صاحبؒ کا نقطۂ نظر اور آپ کے مقاصد خود آپکی زبان سے سننے چاہئیں
علماء ومشائخ وامراء ہندوستان کے نام اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں۔

ہر چند ایں فقیر در زمان سابق ہم الحمد للہ
در امر خیر یعنی دعوت جمہور انام سوئے اتباع
شریعت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
در ساعات لیالی وایام بکوشش تمام
وسعی مالا کلام مشغول بود چنانچہ ایں معنی
بر اکثر دوستاں فقیر واضح ولائح است
بعد ازاں حق جل وعلی بمحض کرم عمیم خود

ہر چند یہ فقیر زمانۂ سابق میں بھی خدا کے
فضل سے نیک کام یعنی لوگوں کو اتباع
شریعت کی طرف دعوت دینے میں دن رات
کوشش وجانفشانی میں مشغول تھا چنانچہ
یہ بات اس فقیر کے اکثر احباب پر روشن
ہے، اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے محض اپنے
فضل سے اس فقیر کو چند مخلص مومنین کے

این فقیر را معہ چندے از مومنین
مخلصین در اسلک، مہاجرین صادقین
منسلک گردانید الحمد للہ علی ذالک
حمدا کثیرا، لیکن از انجا کہ دعوت لسان
بدون انضمام جہاد سیف وسنان کامل و
تام نمی گردد، لہذا امام ادیان ورئیس
واعیان یعنی سید ولد عدنان علیہ
الصلوۃ والسلام آخر کار بقتال کفار مامور
گردیدند وظہور شعائر دین متین وعلو اعلام
شرع مبین از اقامت ہمیں رکن رکین
صورت بست بناءً علیہ عزم ادای عبادت
عظمیٰ وادراک این سعادت علیا بوجہے
درخاطر فقیر القا کردہ اند کہ صرف جان ومال
وترک اہل وعیال ومہاجرت اخوان واوطان
درجنب سرانجام دادن این امر عظیم واتمام
این مہم فخیم مثل راندن مگس ناپاک و
برتافتن خس وخاشاک بنماید واین ہمہ

ساتھ مہاجرین صادقین کے زمرہ میں داخل
فرمایا، خدا کا اس احسان پر شکر ہے لیکن
چونکہ زبانی دعوت وتبلیغ بغیر شمشیر و
سنان سے جہاد کے مکمل نہیں ہوتی، اس
لئے رہناؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر
میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے مامور
ہوئے اور دینی شعائر کی عزت، اور
شریعت کی سربلندی وترقی اسی رکن
جہاد کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی اسی بنا پر
اس عبادت عظمیٰ کی ادائی اور سعادت
عالیہ کے حصول کا عزم اس طرح اس
فقیر پر القا کیا گیا ہے کہ اس عظیم المرتبت
کام کے انجام دینے میں جان ومال قربان
کردینا، اہل وعیال اور برادری کو خیرباد
کہنا اور وطن سے ہجرت کرجانا، ناپاک
مکھیوں کو ہانکنے اور خس وخاشاک کو دور کرنے

محض للہ و فی اللہ است وسوسۂ شیطانی و شائبہ ہوائے نفسانی بایں داعیہ رحمانی اصلاً مخلوط نگردیدہ ہر چند ایں معنی بر اکثر واقفان حال فقیر ظاہر و باہر است اما بر سبیل مزید تاکید باز بطریق تجدید میگوید کہ خدائے پاک را جل شانہٗ کہ دانائے نہاں و آشکار و محیط بجمیع خفیات و اسرار است، گواہ میکنم بر ایں معنی کہ آنچہ داعیۂ جہاد با اہل کفر و عناد از دل فقیر جوش میزند اصلاً و مطلقاً بوجہ من الوجوہ بکدورت طلب مال و عزت و جاہ و حشمت و امارت و سلطنت و نام و نشان و ترفع بر اخوان و اقران با جملہ مطلب چیزے کہ سوائے رضاء مالک حقیقی و اعلاء کلمہ ملک تحقیقی باشد ہرگز ممزوج نیست ۔ واللہ علی ما نقول وکیل

(مجموعہ خطوط قلمی)

سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا، اور یہ سب کچھ محض اللہ کے لئے ہے۔ اس جذبۂ الٰہیہ میں نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسہ کا شائبہ بھی نہیں، اگرچہ یہ بات فقیر کے اکثر واقفان حال پر ظاہر ہے، لیکن مزید تاکید کے لئے پھر نئے سرے سے کہتا ہوں کہ میں خدائے علام الغیوب کو گواہ بناتا ہوں کہ کفار اور دشمنوں کے ساتھ جو "جذبۂ جہاد" فقیر کے دل میں موجزن ہے، اس میں رضائے الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد کے سوا، عزت و جاہ، مال و دولت، شہرت و ناموری، امارت و سلطنت برادران و معاصرین پر فضیلت و برگزیدگی یا کسی اور چیز کا فاسد خیال ہرگز دخیل نہیں ہے واللہ علی ما نقول وکیل

(مجموعہ خطوط قلمی)

ایک دوسرے خط میں فرماتے ہیں

چوں ما مردم کہ از بندگان پروردگاریم
واتباع رسول مختار بیشک دعوائے
اسلام میداریم وجان خود را در محمدیان
بشماریم، چوں کلام اللہ برایں معنی
ناطق دانستیم ورسول اللہ را صادق
لامحالہ محض للہ وفی اللہ امتثالاً لامر اللہ
کمر ہمت بربستیم واتباعاً بسنۃ رسول اللہ
بر اسپ سفر نشستیم در بلاد ہند وسند
وخراسان دور و دیر نمودیم ودر تمام ایں
سیاحت فقط طالب خیر بودیم، آخر
الامر درشل ایں بلاد دور دست گردیدہ
وتمامی کوہ ودشت نوردیدہ در اوطان
یوسف زئی رسیدیم وبرادائے ایں
عبادت عظمیٰ ایشاں را ہم باعث گردیدیم
آں مخلصان احباب ومومنین بلا ارتیاب
مشارکت ایں فقیر را ومناصرۃ دین

ہم لوگ خدا کے بندے اور رسولؐ کی امت
میں ہونے کی وجہ سے اسلام کا دعویٰ
رکھتے ہیں اور اپنے کو پیروان رسولؐ میں شمار کرتے
ہیں، جب کہ ہم نے اس بات (جہاد) پر
کلام الٰہی کو ناطق مان لیا ہے اور نبی کریمؐ کو
سچا سمجھ لیا ہے لامحالہ ہم نے اللہ اور اس کے
حکم کی بجا آوری کے لئے کمر ہمت باندھ
لی ہے اور اسوۂ رسول کی اتباع میں
سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور
اور ممالک ہند وسند وخراسان دور
دور کی سیاحت کی ہے، جس کا مقصد
کلی "صرف طلب خیر" ہے، آخر کاران دور
دراز ممالک میں پھر کر پہاڑوں اور
تمام دشت وبیابان کو طے کر کے یوسف
زئیوں کے ملک پہونچے، ہم نے اس سعادت
عظمٰے (جہاد) کیلئے انکو بھی آمادہ کر لیا۔

رب قدیر اختیار نمودند دریں میدان
از سائر اخوان گوئے مسابقت در
ربودند و گرم و سرد آمد و رفت چشیدند
و نشیب و فراز، فتح و شکست دیدند
چنانچہ تا حال درایں معنی سرگرم اند
و چالاک و بلند عزم اند و بے باک
بالجملہ ما مردم تا جان در بدن داریم
و سر بر تن مشغول ہمیں کاروباریم
بصد حیلہ و فن، اما بصد زبان شکر حق
بجا می آریم کہ با طاعت مالک خود شغل
داریم و محض طالب رضائی حق ہستیم
از غیر او چشم و گوش بربستیم و از دنیا و ما
فیہا دست بر داشتیم و محض لوجہ اللہ
علم جہاد برافراشتیم و ما از طلب مال و
منال و جاہ و جلال و امارت و ریاست
و حکومت و سیاست بر جستیم و ہرگز طالب
غیر حق نیستیم ما ئیم ہر چند عاجز و خاکسار و

بلا شک و حیلہ و حجت؛ یہ مخلصین اسلام
فقیر کی ہمنوائی اور نصرت دین کے لئے تیار
ہو گئے اور اس میدان میں یہ لوگ اپنے
ہمسروں سے بازی لے گئے، سفر جہاد کے
گرم و سرد اور فتح و شکست کے نشیب و فراز
سے آشنا ہو چکے ہیں چنانچہ ابھی تک اس مقصد
کے لئے سرگرم عمل ہیں، اور چست و چاق چوبند
نڈر اور بلند حوصلہ ہیں، غرضیکہ جبتک ہمارے
جسم میں جان ہے اور ہمارے سر جسموں کیساتھ
ہیں ہم اسی سودے میں لگے ہوئے ہیں خدا کا
لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے مالک کی اطاعت
میں لگے ہیں اور محض رضائے الٰہی کے آرزومند
ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف
سے بند کر چکے ہیں اور دنیا و ما فیہا سے ہاتھ اٹھا
چکے ہیں، ہم نے محض اللہ کیلئے علم جہاد بلند کیا ہے
ہم جاہ و جلال امارت و ریاست، حکومت و سیاست
کی طلب و آرزو سے آگے نکل گئے ہیں خدا کے

ذرۂ بے مقدار اما بلاشک در محبت حضرت حق مست و سرشار و از محبت غیر حق بالکل دست بردار نہ با کسے از امراء و سلاطین منازعت داریم نہ با کسے از رؤسا و مومنین مخالفت کفار لئام مقابلہ داریم نہ با رؤسار اسلام بادراز مویان بلکہ با سائر کفر جویان مقابلہ خواہم نہ با کلمہ گویان و اسلام جویان۔ (مجموعہ خطوط قلمی)

سوا ہم کو کوئی آرزو نہیں ہے اگرچہ ہم عاجز خاکسار، ذرہ بیمقدار ہیں لیکن بلاشک محبت الٰہی ہی سے سرشار اور غیر خدا کی محبت سے بے نیاز، ہمارا جھگڑا امراء و رؤسا اسلام سے نہیں ہے بلکہ ہم کو لانبے بالوں اور تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں اور ہم مذہب سلمانوں سے ۔

(مجموعہ خطوط قلمی)

نواب سلیمان جاہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

قضارا از مدت چند سال حکومت و سلطنت ایں ملک برایں منوال گردیدہ کہ نصارٰے نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہند استیلا یافتند و آں دیار را بظلمات ظلم و بیداد مشحون ساختند و دراں بلاد و امصار رسوم کفر و شرک اشتہار یافتہ و شعار اسلام رو باستتار

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دیا، کفر و شرک کی رسوم کا غلبہ ہو گیا اور شعائر اسلام اُٹھ گئے، یہ حال دیکھ کر دل کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا

آرزوہ ناگزیر سینہ بے کینہ بعائنہ ایں حال پراز رنج و ملال بود و بشوق ہجرت مالا مال غیرت ایمانی بدل درجوش بود و اقامت جہاد بسر درخروش (مجموعہ خطوط قلمی)

شوق ہجرت سے معمور تھا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش وخروش ہے۔ (مجموعہ خطوط قلمی)

ہندوستان بلکہ ساری دنیا اسلام کی حالت آپکی آنکھوں کے سامنے تھی، عام بیدینی کفر وجہل کا غلبہ شرک وبدعت کا استیلا، شریعت کا اضمحلال وزوال اسلام کی بیکسی، اہل علم ودین کی غربت، رسوم وشعائر دین کی بیحرمتی آپ دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ محض مواعظ، درس، تزکیۂ باطن اور بیعت سلوک سے اس کا علاج نہیں ہوسکتا، جس قوت کی یہ چیز ہے اسی قوت سے اس کے مقابلہ کی ضرورت ہے، اسلامی قانون تعزیرات حدود شرعیہ اور اس نظام شرعی کے بغیر جسکی پشت پر قوت ہو مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں باقاعدگی اور دینی پابندی نہیں پیدا ہوسکتی، اسلام اور مسلمانوں کے جان ومال، عزت و آبرو کی حفاظت بھی بغیر قوت وشوکت کے نہیں ہوسکتی، اسلام کی اشاعت کے لئے بھی عزت وغلبہ کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ کتاب وسنت کا ایک پورا حصہ اور شریعت کے بہت سے احکام حکومت پر موقوف ہیں، حکومت کے بغیر ان پر عمل ناممکن وغیر متصور ہے۔

ناظرین جانتے ہیں کہ آپ شروع ہی سے اس کام کے لئے اپنے کو اور اپنی

جماعت کو تیار کر رہے تھے، پنجاب میں سکھوں کے مظالم سُن کر مقام و وقت کا سوال بھی جاتا رہا، آپ نے سرحد کو اپنا مرکز بنانا چاہا، ان وجوہ نے اس انتخاب میں اور مدد دی۔

(۱) پنجاب کے مسلمانوں کی امداد جو ازروئے شریعت اسوقت تمام مسلمانان ہندوستان پر فرض تھی اور جس کے ترک سے وہ گنہگار ہو رہے تھے، شعائر اسلام کی بیحرمتی،

(۲) آزاد و جنگ جو قبائل کی موجودگی۔

(۳) آزاد اسلامی اقوام و سلطنتوں کا قرب۔

سکھ اور پنجاب کی حالت گرو نانک پندرھویں صدی عیسوی کے ایک مغلوب الحال با خدا بزرگ تھے، انھوں نے ایک اصلاح شدہ موحد فرقہ بنانا چاہا، بعض اسباب کی بنا پر یہ برعکس اور محض ایک نیا ہندوؤں سے قریب تر اور بعض تاریخی و جغرافی اسباب کی بنا پر جنگجو فرقہ بن گیا۔ مغل سلاطین کی سختی کی وجہ سے اس کو خصوصیت سے مسلمانوں کیساتھ کد ہو گئی، بے تربیتی اور نیم بربریت کیحالت میں ہندوستان کی اسلامی مرکزی سلطنت کے ضعف کی وجہ سے اس کو پنجاب میں سیاسی غلبہ ہو گیا اور بارادہ و بلا ارادہ سب سے زیادہ مسلمانوں پر اس کا اثر پڑا، رنجیت سنگھ کے عہد میں جو پنجاب کی سکھ سلطنت کا سب سے زیادہ قانونی اور ترقی یافتہ دور تھا، محدود حلقہ کے باہر مسلمانوں کی جان

مال عزت و آبرو محفوظ نہ تھی(۱)، چنانچہ سرلیپل گریفن لکھتا ہے:۔

"سردار ہری سنگھ نلوہ گورنر ہزارہ کے سخت برتاؤ اور مسلمانوں کیساتھ نفرت کی وجہ سے وہاں مذہبی بلوے ہوتے تھے۔ (سکھ سلسلہ حکمرانان ہند)

ہر سکھ کا پیدائشی حق تھا کہ وہ جس مسلمان سے جو خدمات چاہے لے، ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا، رنجیت سنگھ اور دوسرے سکھوں کے گھروں میں کھلم کھلا مسلمان و افغان عورتیں تھیں، اذان و گاؤکشی بند تھی، بات بات پر مسلمانوں کی املاک و جائداد ضبط ہو جاتی تھی، مساجد کی کوئی حرمت باقی نہ رہی تھی، لاہور کی مشہور شاہی مسجد کے حجروں میں شاہی اصطبل تھا، گھوڑوں کی لید وضو کرنے کے حوض میں ڈالی جاتی تھی اور مسجد کی اصل عمارت میں بارودخانہ تھا، کسی قسم کی مذہبی آزادی نہ تھی، اسوقت اول تو مذہب کی پابندی ناممکن تھی اور پابندی ہاتھ میں انگارا لینے سے کم نہ تھی، اس غلامی، مذہبی بندش اور حقارت آمیز طرز عمل سے مسلمانوں کے اخلاق پست ہو رہے تھے، بے اعتمادی اور مایوسی پیدا ہو رہی تھی، ان کے عقائد اور اخلاق و عادات بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور مذہب و معاشرت ہر چیز پر بدترین غلامی کے بدترین اثرات پڑ رہے تھے جو اسوقت تک زائل نہیں ہو سکے، اقبال نے صحیح

---

(۱) دارالسلطنت اور اس کے قرب و جوار میں نظم و قانون تھا لیکن اس کے باہر بدامنی تھی، رنجیت سنگھ کی شہرت بری نہیں لیکن پوری قوم رنجیت سنگھ نہیں تھی۔

کہا ہے۔

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد　　اندراں کشور مسلمانی بمرد

پنجاب کے مسلمانوں کی حالت قابل رحم اور مسلمانوں کے لئے حد درجہ شرمناک تھی، قرآن اس حالت میں بار بار تمام مسلمانان ہند کو مخاطب کرتا تھا۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا

(النساء)

اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو نکال اس بستی سے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے کر دے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور ہمارے واسطے کر دے اپنے پاس سے مددگار

سب سے زیادہ حق افغانی مسلمانوں پر اور افغانستان کے آزاد افغانوں پر تھا اگر وہ اپنی خانہ جنگی اور عدم تنظیم اور کچھ مرعوبیت کی وجہ سے خود اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، ماضی قریب میں مہاراجہ نے محمد عظیم خاں اور یار محمد خاں پر حملہ کر کے کشمیر اور پشاور فتح کر لیا تھا اور اپنا باجگذار بنا لیا تھا، سرحد کا پورا علاقہ یعنی حکومت لاہوری کا تابع تھا، اسوقت اسی کی ضرورت تھی کہ "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"۔ یہ سعادت ازل سے پشاور سے راس کماری تک

پانچ چھ کروڑ بسنے والے مسلمانوں میں اودھ کے ایک اولوالعزم سید کی قسمت میں تھی جو خود پنجاب سے سیکڑوں میل دور رہتا تھا، لیکن سعادت بُعد مسافت نہیں دیکھتی۔

خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور سرداران یوسف زئی نے سردار یار محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں والیان پشاور کو، اجمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو جو درخواست بھیجی تھی اس کا ایک حصہ یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بعالیجناب معلّی القاب رفعت قباب سردار سرداران سردار یار محمد خاں صاحب و سردار سلطان محمد خاں صاحب ابداللہ جلالہما و ضاعف اقبالہم از کمترین فدویان اخلاص کیشاں و خیر اندیشاں بعد ادائے آنچہ شایان شان آنجلالت نشان است معروض رائے فیض انجلائے آنکہ آنچہ دریں اوقات پر از آفات از دست تظلم کفار بدکردار بر مومنیں ایں دیار و انواع رنج و تکالیف و مصائب از قتل و نہیب و شورش فتنہ و جنگ و پردگی

عالیجناب رفعت قباب سردار سرداران سردار یار محمد خاں صاحب اور سردار سلطان محمد خاں صاحب ابداللہ جلالہما و ضاعف اقبالہم، کمترین مخلص نیاز مند دل اور حقیر بہی خواہوں کی طرف سے آداب ضروری کے بعد عرض ہے کہ اس زمانہ میں اس ملک کے مسلمانوں پر کفار کے ہاتھ سے جو مظالم ہو رہے ہیں اور ان پر قتل و غارتگری، لڑائی جھگڑا، بے عزتی و بے آبروئی خانہائے خدا اور عبادتگاہوں کی بیحرمتی اور تخریب کے جو مصائب

ناموس و ننگ و تخریب مساجد و معابد گزشت و میگزرد، ہیچ یک از عاقل و غافل پوشیدہ نیست چنانچہ صبیان و نسوان اہل ایمان فی الحال در بلاد پنجاب در قبضہ اہل شرک و ارتیاب مقید اند کہ بصد زبان مضمون این آیت قرآن بصد آہ و فغاں با دل بریاں و چشم گریاں بحضور ہر کس و ناکس گویاں وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم اہلہا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا بالجملہ عمرے گزشت کہ این رنج و تکالیف میکشیم و انتظار ہمیں معنی می نمائیم کہ با کدام وقت محمود و کدام ساعت در رسد کہ آفتابے بر فلک سلطنت طلوع نماید و با ستارہ از

گزرے اور گزر رہے ہیں، وہ کسی عاقل یا غافل سے پوشیدہ نہیں اچنانچہ اس وقت پنجاب کے مسلمان بچے اور عورتیں اہل شرک کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور رو رو کر سوز زبان سے اس آیت کا مضمون ہر شخص کو سناتی ہیں وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم اہلہا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ، مختصر یہ کہ عمر گزری کہ ہم لوگ یہ رنج و تکالیف اٹھا رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ وہ کون سی مبارک ساعت ہو گی کہ آسمان سلطنت میں وہ آفتاب طلوع ہو گا اور

افق حکومت درخشد کہ از اشراقات
اشعہ انوار آں نیر ظلمات شرک و
طغیان مضمحل و مفقود گردد لیکن مدت
مدیدہ و عرصہ بعیدہ منقضی گردید کہ
نہ شاہے از سیستان مستعد ایں
معنی گردید نہ از خراسان و نہ سردارے
از قندھار و کابل سر برآورد و نہ از
پشاور و کوہستان بالجملہ کسے از سرداران
زمان و سلاطین دوراں بآہ و فغاں
مظلوماں گوش ننہاد و بدستگیری
افتادگان دست نکشاد، آخر الامر
نور محمدی علم حمایت برافراخت و
جمال احمدی نقاب از چہرہ برانداخت
یعنی سلالۂ خاندان نبوت نقاوۂ دودمان
ولایت شمع شبستان سید مختار چراغ
سلسلۂ ائمہ اطہار الامام الاوحد والسید
الامجد امیر المجاہدین السید احمد از بلاد

افق حکومت پر وہ ستارہ ظاہر ہوگا
جس کی چمک سے شرک و سرکشی کی تاریکیاں
کافور ہو جائیں گی، لیکن ایک طویل مدت
ہوگئی اور ایک زمانہ ہونے کو آیا کہ نہ تو
کوئی بادشاہ سیستان یا خراسان سے
یہ مقصد لے کر اٹھا اور نہ کوئی سردار
قندھار و کابل یا پشاور و کوہستان
سے یہ عزم لے کر چلا، سرداران وقت
اور سلاطین زمانہ میں نہ کسی نے ان
مظلوموں کی آہ و فغاں پر کان دھرا
اور نہ ان گرتے ہوؤں کو تھامنے کیلئے
ہاتھ بڑھایا، آخر الامر نور محمدی نے
حمایت کا پرچم لہرایا اور جمال احمدی نے
چہرہ سے نقاب ہٹایا، یعنی سلالۂ خاندان
نبوت نقاوۂ دودمان ولایت شمع
شبستان سید مختار چراغ سلسلۂ ائمہ
اطہار امام اوحد سید امجد امیر المجاہدین سید احمد

ہندوستان صعود فرمودہ بدیار ما منتظران نزول نمودہ واظہار دعوت عام بسوئے قتال کفار لیام بجد وجہد تمام وسعی مالا کلام محض للہ وفی اللہ بے شائبہ طلب مال وعزت وجاہ وحکومت کردہ بہیں توجہات آں امام ہمام ما ضعفا را ہم حمیت دینی جوش زدو ہم غیرت ننگ و ناموس یاد آمد

ملک ہندوستان سے تشریف لائے اور ہم منتظروں کے ملک میں نزول اجلال فرمایا اور محض للہ فی اللہ طلب مال و عزت وجاہ وحکومت کے شائبہ کے بغیر پوری کوشش اور جد وجہد سے کفار سے جہاد کی دعوت عام دی، انھیں امام ہمام کی توجہات کا نتیجہ ہو کہ ہم کمزوروں کے دلمیں بھی دینی غیرت کا جوش پیدا ہوا اور ہمکو عزت و آبرو کی غیرت آئی

حج سے پہلے بھی جہاد کی پوری تیاری ہوتی تھی اور سارا وقت جنگی شغلوں میں صرف ہوتا تھا، یہاں تک کہ طالبین سلوک کو اس مسئلہ میں سید صاحبؒ سے عرض کرنا پڑا، لیکن آپنے اس مشغولیت میں کمی نہ کی۔ حج کے بعد آپ آخری تیاریاں مکمل کرنے لگے، "سوانح احمدی" میں ہے

"مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید اور مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ علماء کو واسطے بیان کرنے مضامین ترغیب ہجرت و جہاد کے اطراف ہندوستان میں روانہ کر دیا گیا، اسوقت سید صاحبؒ کے مکان پر بجائے مراقبہ اور مشاہدہ اور توجہ دہی کے فضیلت ہجرت اور جہاد کا بیان اور تلوار

بندوق کی صفائی اور قواعد وچاند ماری اور گھوڑ دوڑ ہوا کرتی تھی، اب بجائے صوفی و درویش کے ہر شخص سپاہی بن گیا، تسبیح کے عوض ہاتھ میں تلوار اور فراخ، جبہ کی جگہ چست الخالق اور پیچدار سربند لباس ہو گیا جن لوگوں نے آپ کے تابعین کو پہلے بصورت درویشانہ اور اب بلباس و وضع سپاہیانہ دیکھا تھا ان کو سخت حیرت تھی، ان دنوں میں جو کچھ تحفہ تحائف آپ کے لئے لیکر آتا تو اکثر ہتھیار یا گھوڑے، ہوتے تھے، انھیں دنوں میں شیخ فرزند علی صاحب غازیپور زمینا سے دو نہایت عمدہ گھوڑے اور بہت سی وردی کے کپڑے اور چالیس جلد قرآن مجید تحفہ لے کر آئے اور سب سے عجیب تحفہ جو شیخ صاحب موصوف لیکر آئے وہ امجد نام ان کا نوجوان بیٹا تھا جس کو انھوں نے مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ نذر کر کے سید صاحبؒ کے حوالہ کر دیا اور عرض کیا کہ اس کو اپنے ساتھ لیجائیے اور تیغ کفار سے اس کی قربانی کرائیے، اسوقت ہر شہر و قصبہ گانوں برٹش انڈیا میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا۔"

حیات طیبہ میں مرزا حیرت نے شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے سفر پنجاب کی روداد بہت تفصیل سے لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب پنجاب کے حالات کی تحقیق کے لئے خود پنجاب تشریف لے گئے تھے اور اپنی آنکھوں سے سکھوں کے مسلمانوں پر مظالم اور مسلمانوں کی بیکسی کا مشاہدہ کیا، لیکن اس روایت کی تصدیق

کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوتی گو درایۃً بعید بھی نہیں

ہجرت ہجرت جہاد کا مقدمہ ہے ۱۲۴۱ھ کی ابتدا تھی کہ آپ نے وطن کو خدا حافظ کہا اور چالیس برس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس سے رخصت ہوئے نواب میر خاں کی خواہش و اصرار پر جو اب والی ریاست تھے، مجاہدین کے قافلہ کے ساتھ پہلے ٹونک تشریف لیگئے، نواب صاحب نے نیازمندانہ خدمت، برادرانہ محبت اور شاہانہ اکرام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اللہ نے ابتداء سے تجہیز غزاۃ اور خدمت مجاہدین کی سعادت ان باپ بیٹوں کی قسمت میں رکھی تھی ٹونک سے راجپوتانہ اور مارواڑ کا صحرا قطع کر کے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے حیدرآباد (سندھ) پہونچے[1] راستہ میں ہزارہا مردوں اور عورتوں نے بیعت کی اور ہر جگہ آپ کے لئے آنکھیں فرش راہ کیں

حیدرآباد سندھ و شکارپور حیدرآباد جو اب صوبہ سندھ کا ایک ضلع ہے اسوقت ایک اسلامی ریاست تھی جس کا رقبہ تقریباً ۹۶۰۰ میل تھا، میر محمد اسوقت والی ریاست تھے اور ان کے تین چچا میر کرم علی مراد علی، نسیح علی، ریاست کے کارکن اور اس کے سیاہ و سفید کے مالک تھے سید صاحبؒ نے دو شخصوں کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے احتیاطاً بھیجدیا تھا

---

(۱) سرحد جانے کا عام راستہ دہلی و پنجاب ہو کر ہے، لیکن پنجاب میں سے ہو کر جانا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا اور انگریز بھی ہندوستان کے آباد اور مرکزی شہروں سے اس جمعیت کیساتھ گزرنا گوارا نہ کرتے۔ اس لئے یہ راستہ اختیار کیا گیا۔

انکی سید صبغت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو سید صاحبؒ کے مرید اور میر کرم علی کے مقرب خاص تھے، میر صاحب کو صبغت اللہ صاحب کے ذریعہ سے سید صاحبؒ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو سید صبغت اللہ صاحب کو سید صاحبؒ کے استقبال کے لئے دریا تک بھیجا، وہ سید صاحبؒ کو سرکاری کشتی پر سوار کرا کر شہر میں لائے، دریا کے کنارے کوتوال شہر نے استقبال کیا اور میر کرم علی و مراد علی صاحبان کی طرف سے شیرینی پیش کی، جمعہ کے دن نماز جمعہ کی تقریب سے میر صاحبان نے سید صاحبؒ سے قلعہ میں تشریف لانے کی درخواست کی، آپ تشریف لے گئے اور میر کرم علی، مراد علی اور میر محمد سے ملاقات کی، وہ آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور آپ کے عزم وہمت و نیت پر حیرت کی اور اپنی ریاست میں صاحبؒ کے اہل و عیال کے رہنے کی بخوشی اجازت دی اور آپ سے قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن چونکہ دریائے سندھ میں برف کی وجہ سے طغیانی اور دروں اور راستوں کے بند ہوجانے کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے ایک ہفتہ سے زیادہ ٹھہرنے سے عذر کیا اور رخصت چاہی، تینوں صاحبوں نے ایک ہزار روپیہ، ایک بندوق اور ایک جوڑی طپنچہ کی نذر کی، حیدرآباد کے دوسرے رؤسا، امراء اور اعیان نے بیعت کی، میر اسمٰعیل شاہ نائب وزیر حکام سندھ اور مولوی محمد یوسف صاحب وکیل گورنر کمپنی اور محمد یوسف خاں امیر کبیر بیعت و خدمت مجاہدین سے مشرف ہوئے، اگر قیام رہتا تو شاید بیعت سے کوئی محروم نہ رہتا، اس مختصر قیام سے بھی

لوگوں میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور دین سے تعلق ہوگیا۔

حیدرآباد سے آپ شکارپور روانہ ہوئے، راستہ میں متعدد مقامات پر قیام ہوا، سندھ کے بزرگوں اور مشائخ سے ملاقات ہوئی، پیرکوٹ میں سندھ کے مشہور مرشد سید صبغت اللہ بن سید محمد راشد نے جن کا ان اطراف میں بڑا غلغلہ تھا اور صرف بلوچیوں میں آپ کے تین لاکھ مرید تھے، تین روز تک قافلہ کی ضیافت کی اور اپنا مشہور کتب خانہ نذر کرنا چاہا۔

شکارپور پہونچکر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا، شہر کے ہزارہا مسلمان شرفا، علما، صلحا، ملاقات کے لئے آئے اور ہدایت و برکت و دعا حاصل کی، حاکم شہر آغا کاظم جو میر شاہ اسمٰعیل مذکور کے صاحبزادے تھے ملاقات کو آئے، قافلہ کی تمام ضروریات حکومت کی طرف سے پوری ہوتی تھیں، یہیں آپ نے عیدالاضحیٰ کی اور تیس ہزار نمازیوں کی امامت فرمائی۔

یہاں سے آپ مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے پشین اور درۂ بولان کے راستہ سے قندھار پہونچے، راستہ میں ہر ہر قصبہ اور قریہ میں مسلمان آپکے لئے آنکھیں بچھاتے، آپ کی فتح و نصرت کے لئے دعائیں کرتے، اپنی حیثیت کے مطابق خدمت و ضیافت کرتے، بیعت کرتے اور آپ کی ہمرکابی اور شرکت جہاد کی اجازت چاہتے، آپ کا یہ سفر خود جہاد کی عظیم الشان دعوت و تبلیغ تھی۔

قندھار حاکم قندھار نے آپ کی آمد آمد سن کر شاہ غازی کو پندرہ سوار دیکر

آپ کے استقبال کے لئے ایک روز پہلے سے شہر کے باہر بھیجا، بہت سے رؤسائے شہر نے جو مدت سے آپ کا ذکر سنتے تھے اور زیارت کے مشتاق تھے، پانچ کوس شہر سے باہر جاکر آپ کا استقبال کیا اور آپ کے ہمرکاب ہوئے، دروازہ ہراتی سے آپ داخل ہوئے، سیکڑوں سوار ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، شہر کے ہزارہا شرفاء وعلماء پاپیادہ استقبال کے لئے نکل آئے اور سواری کے ساتھ ہو گئے، ہجوم سے سڑکیں بند ہوگئیں، آپ اس تزک وشان کے ساتھ اپنی فرودگاہ پر تشریف لائے پُردل خاں حاکم قندھار نے بھائی کی وفات کی وجہ سے حاضری سے معذرت کی، آپ دوسرے دن تعزیت وملاقات کے لئے تشریف لے گئے، پردل خاں عقیدت واحترام سے ملے اور عزم ونیت معلوم کرکے بے انتہا حیرت کی، چار روز قندھار میں قیام رہا، خاص وعام میں کوئی نہ تھا جو حاضر نہ ہوا ہو، ہر شخص نے بالحاح بیعت جہاد کی درخواست کی، نوبت اسکی پہونچی کہ بغیر آپ کی اجازت کے ہزارہا اشخاص نے جہاد کے عزم سے سفر کا سازوسامان درست کرنا شروع کردیا، حکام کو معلوم ہوا تو شہر آشوبی کے خطرہ سے پریشان ہوکر نوابوں کو حکم دیا کہ شہر سے کسی کو نکلنے نہ دیں، لوگ اس پر بھی باز نہ آئے تو حضرت کو پیغام بھیجا کہ آپ کے تشریف رکھنے سے سارا شہر شوق جہاد میں آپ کی بیعت کے لئے بیقرار ہے، انتظام حکومت درہم برہم ہورہا ہے، ہماری گزارش ہے کہ آپ کابل تشریف لیجانے میں تعجیل فرمائیے اور اہل شہر میں سے جو بیعت کی درخواست کرے قبول نہ فرمائیے سید حسنا

بے لطفی کے اندیشہ سے فوراً روانہ ہو گئے، باوجود بندش اور شدید انتظام کے چار سو کے قریب علماء و فضلاء مدارس کے طلباء اور خانقاہوں کے مشائخ کسی نہ کسی طرح باہر آ گئے، یہ سب شوق جہاد میں سرشار اور سر دینے کے لئے تیار تھے، سید صاحبؒ نے خواجہ ظہور اللہ کو حاکم قندھار کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم تمہارے شہر کے لوگوں کو نہیں لیجا رہے ہیں وہ خود آ گئے ہیں اگر اجازت ہو تو ساتھ جائیں ورنہ اپنا آدمی بھیج کر واپس کر لو، حاکم نے جواب دیا کہ علماء و فضلاء و طلباء میں سے جو اب تک پہونچا ہو اس کو لیجا سکتے ہیں، دوسرا اگر خواہش کرے تو اس کو جواب دیدیں سید صاحبؒ نے ان میں سے دو سو ستر آدمی انتخاب کر لئے، باقی سے فرمایا کہ جس وقت جہاد شروع ہو جائے اُس وقت آ جانا کوئی انکار نہ ہو گا، دو سو ستر آدمیوں کو مناسب نصیحتیں فرمائیں اور سید دین محمد قندھاری رفیق قدیم کو ان کا افسر مقرر کیا اور انکو لشکر مہاجرین و مجاہدین میں شامل کیا، راستہ سے آپ نے حسب عادت اپنا معتمد اپنی آمد اور حقیقت حال کی اطلاع کے لئے حاکم غزنی و کابل کے پاس بھیجا میر محمد خاں حاکم غزنی نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا۔

غزنی رؤسائے شہر اور اہل علم و فضل اور بے شمار آدمیوں نے سوار و پیادہ پا دو کوس نکل کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے سلطان محمود غزنویؒ کے مزار کے متصل لشکر کا پڑاؤ ڈالا، میر محمد خاں حاکم غزنی کے نو عمر صاحبزادہ نے جو آشوب چشم

میں مبتلا تھے قلعہ کے دیوار کے نیچے تیس سواروں کیساتھ آکر قدمبوسی کی اور آپ کے ساتھ رہے، آپ نے تکلیف کا خیال کر کے ان کو رخصت کیا، عصر کے وقت نائب حاکم بارہ سواروں کیساتھ آئے، حاکم غزنی نے تمام ضروریات کا انتظام کیا، اور حاضر ہو کر بیعت کی، خواص و عوام سب ہی حاضر خدمت ہوئے، عمائد غزنی میں سے بعض رائے بریلی حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، غزنی سے آپ کابل روانہ ہوئے۔

کابل سردار سلطان محمد خاں کا جواب آیا کہ آپ کا تشریف لانا فراوانی برکت اور زینت مملکت کا باعث ہے، بے تکلف تشریف لائیں اور ہم سب کو اپنے خدام میں شمار کریں، راستہ میں سے حاجی ملا علی ایک سردار فوج شاہی حکومت کابل کی طرف سے پچاس سوار اور سو پیادوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور سردار کابل کا سلام پہونچایا اور سرکاری طور پر آپ کا استقبال کیا، اکثر رؤساء و عمائد دار السلطنت اور ہزارہا خاص و عام آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے اور آپ کی سواری کے ہمراہ تھے، نصف راستہ پر امین اللہ خاں نائب سلطان محمد خاں بڑے تزک و احتشام سے سواروں و پیادوں کیساتھ آپ کے منتظر تھے، سلام و مزاج پرسی ہوئی، جہاں سے شہر کا دروازہ ایک کوس رہ جاتا ہے، وہاں سوار و پیادہ استقبال کرنے والوں کا اسقدر ہجوم ہوا کہ راستہ چلنا مشکل ہو گیا، حصار کے دروازہ پر سلطان محمد خاں اپنے تینوں بھائیوں کے ساتھ پچاس سوار کی جمعیت

ساتھ استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے، سید صاحبؒ نے دیکھ کر دور سے سلام کیا، انھوں نے ادب سے سلام کا جواب دیا اور سواری سے اُتر آئے، آپ نے بھی سواری سے اُتر کر مصافحہ و معانقہ کیا، پھر حضرت کو سوار کراکر خود سوار ہو کر ہمرکاب چلے، بیشمار رؤساء و عمائد شہر جوق جوق آرہے تھے اور سلام و مزاج پرسی کرتے تھے گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرد اڑتی تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں نے اجازت چاہی اور اپنے نائب امین اللہ خاں سے کہا کہ حضرت کو شہر کے بازار میں سے ہو کر لیجاؤ، تاکہ تمام اہل شہر آپ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں، آپ بازار سے گزر کر وزیر فتح خاں کی شاندار و وسیع حویلی اور دلفزا پائیں باغ میں معہ قافلہ ٹھہرے، اس زمانہ میں سرداران کابل میں سخت اختلاف تھا اور جنگ کی نوبت پہونچ گئی تھی، آپ مصالحت کی اُمید پر ڈیڑھ مہینہ ٹھہرے رہے، جب کامیابی نہ دیکھی تو پشاور روانہ ہوئے۔

پشاور سے نوشہرہ راستہ میں اور پشاور میں پروانوں کی طرح لوگ آپ کے گرد جمع ہوتے تھے، تین روز پشاور میں قیام کرکے وہاں سے دس کوس مشرق مقام ہشت نگر ملک یوسف زئی میں چند روز قیام کیا، جہاد کی دعوت و تبلیغ کی۔ پروانوں کی طرح لوگ جمع ہوگئے وہاں سے مقام خویشگی ہوتے ہوئے نوشہرہ آئے۔[1]

(۱) اس سفر ہجرت کے تمام حالات سید حمید الدین صاحب (خواہرزادہ سید صاحب) کے قلمی مکتوبات سے ماخوذ ہیں

حکومت لاہور کو اعلام نامہ آپ نے یہاں سے حکومت لاہور کو شرعی دستور و حکم کے مطابق یہ اعلام نامہ تحریر فرمایا اور اس طرح سے آخری حجت تمام کی کہ تین چیزیں ہیں۔

(۱) یا تو اسلام قبول کرو، اسوقت ہمارے بھائی اور مساوی ہو جاؤ گے، لیکن اس میں کوئی جبر نہیں۔

(۲) ہماری اطاعت اختیار کرکے جزیہ دینا قبول کرو، اسوقت ہم اپنی جان مال کی طرح تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

(۳) آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتیں منظور نہیں ہیں تو لڑنے کے لئے تیار ہو۔ مگر یاد رکھو کہ سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہو گی، جتنی کہ ہم کو شہادت کی ہے"۔

اس کے جواب میں حکومت پنجاب نے سردار بدھ سنگھ کو دس ہزار لشکر کے ساتھ اس کا انتظام کرنے کے لئے بھیجا، سردار موصوف نے اکوڑہ میں جو نوشہرہ سے سات آٹھ کوس ہے اپنا پڑاؤ ڈالا۔

پہلی جنگ آپنے جنگ کی تیاری کی، لشکر کو ترتیب دی، میمنہ (رائٹ ونگ) پر آپ اور آپ کے نائب مولوی محمد یوسف صاحب پھلتی تھے، مقدمۃ الجیش (ایڈوانس گارڈ) مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی ماتحتی میں، میسرہ (لفٹ ونگ) سید محمد یعقوب صاحب اور نائب شیخ بڈھن کی سرکردگی میں ساقۃ العسکر

(ویر گارڈ) اللہ بخش خاں صاحب کے ماتحت اور چار جماعتیں قلب لشکر میں ملا لال محمد خاں قندھاری، ملا قطب الدین، مرزا احمد بیگ پنجابی اور جعفر خاں قندھاری کے ماتحت تھیں۔

مصلحت اور مشورہ یہ ہوا کہ کفار پر شبخون مارا جائے تاکہ وہ پیش قدمی نہ کر سکیں اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھیں۔

سید صاحب نے لشکر کے سرداروں کو حکم دیا کہ لشکر میں سے جوان تندرست اور چست و چالاک آدمیوں کے نام لکھ کر پیش کریں، سید صاحبؒ نے پیش کردہ فہرست میں ترمیم کی اور حکم دیا کہ کوئی شخص کمر نہ کھولے اور غروب آفتاب سے پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو جائے۔

ایک بیمار مسلمان کا شوق جہاد

اسوقت مسلمانوں کے دماغوں میں وہی نشہ تھا جس سے صحابۂ کرام مست تھے اور ان کے سینوں میں شوق شہادت و جہاد کا وہی تنور گرم تھا جو مجاہدین بدر و احد کے سینوں میں، فہرست میں عبدالمجید خاں جہان آبادی (رائے بریلوی) کا بھی نام تھا وہ بیمار ہو گئے تھے، سید صاحب نے ان کا نام قلمزد کر دیا، انھوں نے سُنا تو حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت نے میرا نام کیوں نکالدیا، فرمایا تم بیمار ہو، انھوں نے کہا کہ آج کفار سے پہلا مقابلہ ہے اور آج سے جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہو رہی ہے، آپ میرا نام ضرور فرد مجاہدین میں داخل کر دیں، آپ نے مرحبا کہی اور ان کو بھی شامل کر دیا۔

اس سریہ میں نوسو کے قریب آدمی تھے، آپ نے اللہ بخش خاں جمعدار کو ان کا امیر مقرر کیا۔[1] بیستم جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ کو آدھی رات کے قریب اللہ کے بندوں کی یہ مٹھی بھر جماعت اپنے سے دس گنے حریف کے مقابلہ کے لئے نکلی۔

روانگی کا منظر اور حملہ جب یہ جماعت لشکر سے جدا ہونے لگی تو ہر شخص نے اپنے ساتھیوں اور عزیزوں سے اپنا قصور معاف کرایا، وصیت کی اور کہا کہ اگر زندگی ہے تو یہاں ورنہ قیامت میں ملاقات ہوگی، دو گھڑی رات رہے یہ لوگ دشمن کے لشکر گاہ پر اکوڑہ پہونچے، دیکھا کہ لشکر کے گرد خار بندی ہے اور لشکر غافل پڑا سو رہا ہے، خار بندی تک پہونچکر پورے لشکر نے باواز بلند تکبیر کہی اور خار بندی کے اندر حملہ کیا، دشمن تکبیر کی آواز سے جاگے، بعض جاگتے ہی ہمیشہ کے لئے سو گئے، اور بعض جاگ بھی نہ سکے۔

راہ خدا کا پہلا شہید جب مسلمان خار بندی کے اندر پہونچے تو سب سے پہلے ایک سنتری نے بندوق سر کی جس سے سب سے پہلے شیخ باقر علی عظیم آبادی زخمی ہو کر گرے، انھوں نے کہا کہ کوئی بھائی میرے ہتھیار لے لے کہ یہ اللہ کا مال ہے اور تو سب کام ہو گیا مگر دل میں ارمان رہ گیا

(۱) یہ اللہ بخش مورانیں کے وہی سپاہی ہیں جن کو دیکھ کر سید صاحب بہت خوش ہوئے تھے، اور بڑی تعریف کی تھی اور کہا تھا کہ یہ لوگ ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے ہمارے کام کے نہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سے بہت کام لے گا۔

اس وقت دست بدست مقابلہ شروع ہو گیا تھا، مجاہدین نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور برسوں کے ارمان نکالنا شروع کئے۔ عبدالمجید خاں جہان آبادی کے ہاتھ سے چودہ آدمی مارے گئے، پندرھویں وار پران کی تلوار ٹوٹ گئی، انھوں نے پھرتی کر کے مولوی احمد دین صاحب سے جو دو تلواریں باندھے ہوئے تھے ایک تلوار لے لی اور کام کرنے لگے، ہدایت اللہ مخنث نے سات آٹھ آدمیوں کو مارا، دوسروں نے بھی خوب دادِ شجاعت دی اور حوصلے نکالے، یہ شیر جس طرف جاتے میدان صاف ہو جاتا، آوازِ تکبیر سے کفار کو غش آ جاتا تھا، آخر کار حریف کے پاؤں اکھڑ گئے، نمازیوں نے مخالف کے توپ خانہ پر قبضہ کر لیا، گولہ انداز کے ہاتھ سے جلتی ہوئی مہتابی چھین لی، پریشانی میں سردار بدھ سنگھ پھرتی سے خیمہ سے نکل کر بھاگا، ملکی لوگ مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے جس سے مجاہدین کی ترتیب خراب ہو گئی، سردار بدھ سنگھ نے کچھ دور پہونچ کر نقارہ بجوایا، جس کی آواز پر پراگندہ لشکر جمع ہو گیا۔ قواعد داں پلٹنوں نے چند باڑھیں ماریں جس سے بہت سے سامنے کے مجاہدین شہید ہو گئے، اللہ بخش نے چاہا کہ خاربندی سے باہر نکل جائیں مگر تشنگانِ شہادت نے اُن کو آواز دی وہ زخمی شیر کی طرح پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ لوٹے اُس وقت گھمسان کی لڑائی تھی، خاں صاحب اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جمے رہے، یہاں تک کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا، اب صبح نمودار ہو رہی تھی

اس وقت لشکر اکبر خاں کے ایما سے خار بندی سے باہر ہوگیا، مخالف نے کوئی تعاقب نہیں کیا اور جان بخشی کو غنیمت سمجھا، دو میل جاکر مسلمانوں نے اذان و جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور دن چڑھے دریا کے پار ہو گئے جہاں سید صاحبؒ ان کے خیر مقدم کے لئے منتظر کھڑے تھے، آپ نے جنگ کی کیفیت سنی، شہدا کے لئے دعا کی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا حکم دیا۔

یہ جنگ بدر کے یوم الفرقان کی طرح لیلۃ الفرقان تھی، کفار کے سات سو آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر زخمی ہوئے۔ مسلمانوں میں سے صرف سینتیس[۳۷] ہندوستانی کام آئے اور پینتیس[۳۵] زخمی، ان شہدا کے نام مع انکی وطنیت کے لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سعادت اور شوق شہادت انکو کہاں سے کہاں کھینچ کر لایا تھا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شیخ باقر علی[۱] عظیم آبادی، الٰہ بخش خاں[۲] موانوی (ضلع اناؤ)، امیر[۳] سریہ، عبدالحمید[۴] خاں جہان آبادی رائے بریلوی، شمشیر خاں[۵] جمعدار موانوی (ضلع اناؤ) شیخ بڈھن[۶]، شیخ رمضانی[۷] مورانوی (ضلع اناؤ) شیخ ہمدانی[۸] خالص پوری ملیح آبادی (ضلع لکھنؤ)، علی حسن[۹] گنتوی (قریب مانکپور ضلع پرتاب گڈھ) غلام حیدر[۱۰] خاں، خالص پوری (ضلع لکھنؤ)، غلام رسول[۱۰] خاں خالص پوری (ضلع لکھنؤ)، خدا بخش[۱۱] خاں جمنی، شادل[۱۲] خاں خیر آبادی (اودھ)، کریم بخش[۱۳] بدھانوی (روہیلکھنڈ) میا نجی

احسان اللہ[14] بڑھانوی، (روہیلکھنڈ)، شیخ معظم[15] جگدیسپوری (ضلع پرتاب گڈھ) دین محمد[16] کورہرستانوی بیسواڑہ (اودھ) عباد اللہ[17] مئو، قاضی طیب[18]، امام خان[19] خیرآبادی اولاد علی[20] مادھوی (..........) ہمایوں[21] بیگ لکھنوی، امام الدین[22] خان رامپوری باز خان[23] خالص پوری، سید محمد[24] لہاروی (ضلع مظفر نگر)، محمد کمال[25] خرم پوری، فہیم خان[26] حسین پوری بڑھانوی، سید عبدالرحمٰن[27] سیالی (ضلع مظفر نگر) شیخ مخدوم[28] مسجد فتحپوری دہلوی، غلام نبی[29] خان گوالیاری، عبدالرزاق[30] دیوبندی، جواہر خان[31] لکھنوی، منور خان[32] ملیح آبادی (اودھ) عبدالجبار[33] موہانوی، حیات خان[34] بریلوی برکت اللہ[35] بنگالی، سید عبدالرحمٰن[36] سندھی، حسن خان[37] سندھی[1]، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،

اس جنگ کا اثر مسلمانوں اور مخالفین پر خاطر خواہ ہوا، مسلمانوں کے دل بڑھ گئے، امیدیں قائم ہوگئیں، دربار لاہور کی بھی آنکھیں کھلیں کہ یہ منہ کا نوالہ نہیں ہیں ملکی سردار جوق جوق آکر مبارک باد دینے لگے، خادی خان ایک مشہور سردار نے آکر بیعت کی اور حضرت کو مع لشکر کے قلعہ ہنڈ لے گیا جو دریائے سندھ کے کنارے ایک قدیم مشہور قلعہ تھا، اسی مقام پر دریائے سندھ کے دوسرے کنارے تین چار کوس کے فاصلہ پر ایک بازار حضرو تھا جسمیں نہایت مالدار مہاجن دوکانداری کرتے تھے، یہ بازار سکھوں کے قبضہ میں تھا، حضرو کے قریب

---

(۱) سوانح احمدی

سکھوں کی ایک گڑھی تھی جس میں توپ رکھی ہوئی تھی اس سے اس گھاٹ اور بازار کی نگرانی کی جاتی تھی، خادیخاں اور اس نواح کے دوسرے سرداروں نے سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ بازار حضرو ہر قسم کے مال واسباب سے بھرا ہوا ہے اور سکھوں کا ایک مرکز ہے اگر اس پر بھی شبخون مارا جائے تو بہت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اکوڑہ میں بہت سے غازی شہید و مجروح ہوئے اور ہمارے ساتھی ابھی اس ملک کے راہ و رسم و نشیب فراز سے واقف نہیں ہوئے، تم خود کرنا چاہو تو کرو، سید صاحب کی اجازت حاصل کرکے انھوں نے فوراً اس کی تیاری کردی، ہندوستانیوں میں سے کوئی انکے ساتھ شریک نہیں ہوا، سید صاحبؒ نے اس کی بھی تاکید کردی تھی کہ اگر اس بازار اور قریہ میں کوئی مسلمان دعوت جہاد سے ناواقف ہو تو اس کے جان و مال کو گزند نہ پہونچایا جائے، اس مہم میں چونکہ سب ملکی تھے اور آزاد تھے، اس لئے بہت زیادہ بیقاعدگی ہوئی جس سے قریب تھا کہ اگر بروقت ان کی امداد نہ کی جاتی تو اکثر ہلاک ہو جاتے۔ ان دو واقعوں سے صاف تجربہ ہو گیا کہ ملکی کسی کے پابند نہیں، وہ فوراً لوٹ پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مال غنیمت شرعی اصول پر تقسیم نہیں ہونے پاتا، اس لئے علماء لشکر کا بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا امام مقرر کر لیا جائے تاکہ اس کی قیادت و امامت میں شرعی جہاد ہو، محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو، منظم جنگ ہو، مال غنیمت کی

شرعی تقسیم ہو، احکام شریعت قوانین و حدود شرعیہ کا اجرا، قضاۃ و محتسبین کا تقرر و انتظام ہو اور جو نافرمانی کرے وہ باغی اور خارج از جماعت ہو، چنانچہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو بالاتفاق سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت و خلافت کر لی گئی، جمعہ میں آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، سردار یار محمد خاں، سلطان محمد خاں پیر محمد خاں حاکمان پشاور نے بذریعہ خطوط آپ کی امامت کو قبول کیا، ہندوستان میں اس کی اطلاع دی گئی، اور علماء ہندوستان نے آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا،

امامت امامت اسلام کا اہم ترین فرض ہے، مسلمانوں کے لئے ایک دن بغیر امام کے زندگی گزارنا معصیت ہے نہ کہ ساری زندگی، مسلم کی حدیث ہے "مَن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ" جو مر گیا اس حالت میں کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا، سفر میں بھی حکم ہے کہ اگر تین شخص ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیں، اکابر صحابہؓ نے جو سب سے بڑے فقیہ اور شریعت کے عالم تھے ایک روز کا بھی اس میں توقف نہیں کیا اور باوجود اس کے کہ ان حضرات سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنے والا اور زندگی و وفات کے بعد آپ کی حرمت کرنیوالا دنیا میں قیامت تک کوئی نہیں ہو سکتا، انھوں نے اس اہم فریضہ کو آپ کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا، اس جماعت مجاہدین (جماعت سید احمد صاحب) کا تفقہ اور توفیق الٰہی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اس فریضہ کو زندہ کیا اور اپنی اور سارے

ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی شرعی اور اسلامی گزارنے کا انتظام کیا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے مسئلہ امامت میں اور سید صاحبؒ کی امامت کے بارے میں نہایت عالمانہ اور مدلّل خطوط اور ایک نادر و بے نظیر کتاب "منصب امامت" ہے۔

اس کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انعقاد امامت کے بعد اسکی اطاعت فرض ہو جاتی ہے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَطِیْعُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ (" اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے (مسلمان) حکام کی اطاعت کرو") حدیثوں میں توحید کے بعد اسکی سب سے زیادہ تاکید ہے، حدیث میں آتا ہے من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ، جب تم لوگ ایک شخص پر اتفاق کر چکے ہو، اور ایک شخص تم میں اختلاف ڈالنا اور تمہاری جماعت کو متفرق کرنا چاہے تو اس کو قتل کر دو۔ اسی طرح حدیث میں ہے من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة جاهلیة جو طاعت سے نکل جائے اور جماعت سے الگ ہو جائے وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرے گا، اسمیں علماء اسلام میں سلف وخلف میں کسی کا اختلاف نہیں چونکہ یہ آخری چیز نہایت اہم اور مشکل تھی اس لئے اس کے انتظام و استحکام کی ضرورت تھی، سید صاحبؒ کا سب سے بڑا مقصد جس کے لئے آپنے یہ سب کچھ کیا تھا،

شریعت و سنت کا اجرا تھا، چنانچہ آپ نے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ امام کی مکمل اطاعت اور احکام و قانون شریعت کی پوری پابندی کرنی ہوگی، تمام رسوم جاہلیت اور امور غیر مشروع، مخالف شریعت، رواج و دستور یکقلم چھوڑنے پڑیں گے اور اس کے لئے ہر طرح کا ایثار و قربانی ترک مال و جاہ و عزت کرنا پڑے گا، چنانچہ اس پر ہزارہا مسلمانوں نے بیعت و معاہدہ کیا، انھیں ایام میں فتح خاں و اشرف خاں رؤسا پنجتار کے متواتر عریضے آئے کہ حضور غریب خانہ پر تشریف لائیں، ہم ہر طرح کی خدمت کے لئے حاضر ہیں اور پوری اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرتے ہیں آپ پنجتار تشریف لیگئے اور راستہ میں کئی سو علمائے سرحد نے پورے غور و فکر کے بعد آپ کی بیعت کی اور تمام باتوں کا عہد کیا، پنجتار پہونچ کر آپ نے فتح خاں سے صاف صاف کہا کہ ہماری تمھاری شرکت و محبت اور ہماری یہاں سکونت اسی شرط پر ہے کہ تم تمام رسوم ریاست و سیاست اور تمام رسوم غیر مشروع جو مال و جاہ کے حصول کیلئے تم نے بنائی ہیں یکقلم موقوف کرو اور اپنے کو عام آدمیوں کی طرح شریعت کا ماتحت و تابع سمجھو اور شرعی احکام کے جاری کرنے میں اجاب و اقربا کی قطعاً پاسداری نہ کرو۔

سید صاحبؒ کا خط امامت کے متعلق

بیعت کے بعد سید صاحب نے اطلاع نامے جاری کئے اور تمام علاقہ میں نیز ہندوستان میں اس کی

خبر دی، آپ کے ایک والا نامہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو غالباً سرحد میں کسی مقام کو بھیجا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"اہل انصاف و ہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہل کفر وضلال کے ساتھ جو جنگ و جدال اور قتل و قتال ہوتا ہے اگر محض مال دعوت اور حکومت و ریاست حاصل کرنے کے لئے ہو تو اللہ کے ہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر نصرت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبویؐ کے لئے ہو تو اس کو عرف شرع میں جہاد کہتے ہیں اور وہ تمام عبادات سے افضل اور تمام طاعات سے اکمل ہے کہ کوئی عبادت رفع درجات اور تکفیر سیأت میں اس کے مساوی نہیں جیسے کہ آیۂ کریمہ فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما ہ درجات منہ ومغفرۃ و رحمۃ سے معلوم ہوتا ہے، پس اس کیلئے ضروری ہے کہ یہ فرض قانون شرع کے مطابق ادا کیا جائے تاکہ آخرت میں وسیلۂ نجات اور دنیا میں ثمر ثمرات اور نزول رحمت یزدانی اور تائید آسمانی کا باعث ہو۔ جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط امام کا مقرر کرنا ہے چنانچہ آیت ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم اور حدیث میں ہے من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ اور حدیث صلوا

خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم
اور حدیث من قتل تحت رایۃ عمیاء فقد مات میتۃ جاھلیۃ
اور حدیث من خرج من بیتہ مجاھدا واصلح ذات البین
واطاع الامام فنومہ ویقظہ حسنۃ ومن خرج وافسد
فی الارض ولم یطع الامام فلم یرجع کفافا اسی طرح دوسری بیشمار
آیات وحدیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ اقامت جہاد اور ازالہ کفر
و فساد اس زمانہ میں کہ اہل کفر وطغیان کی شورش کا زمانہ ہے عام
مسلمانوں کے ذمہ واجب ومؤکد ہوگیا ہے۔ پس امام کا مقرر کرنا بھی
ان پر واجب اور مؤکد ہے۔

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سید احمد کو
پہلے اشارات غیبی اور الہامات لاریبی سے اس منصب شریف کی
بشارت دی پھر مومنین صادقین سادات وعلماء عظام، مشائخ کرام
خوانین عالیمقام اور خواص وعوام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کرکے
مجھ کو اس منصب شریف سے مشرف فرمایا، چنانچہ بروز پنجشنبہ بتاریخ
۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے
جسمیں خادیخان، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام
خاں اور دوسرے علماء، وسادات وخوانین تھے اس فقیر کے

ہاتھ پر بیعت امامت کی اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا اور اسی مہینہ کی ۱۶ تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا خطبہ میں فقیر کا نام داخل کیا انشاءاللہ عنقریب اس سنت کی ادائگی کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں لازم ہے کہ جہاد کے لئے اور کفر و فساد کو مٹانے کے لئے کمر ہمت باندھیں اور اس فقیر کی امامت کی بیعت اس کے نائبوں مثلاً سعادت مآب کمالات انتساب اخوی اعزی شیخ صابر صاحبؒ کے ہاتھ پر کریں اور پوری توجہ دلچسپی اور بلند ہمتی سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تاکہ کفار سے جنگ اور جمعہ و عیدین کی نماز شروع طریقہ پر ہوں۔ اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجور جزیلہ کی موجب ہوں"

(مجموعہ خطوط قلمی)

شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کا خط مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ہندوستان کے کسی صاحب کے نام سید صاحبؒ کی امامت کے بارہ میں ایک جوابی خط لکھا ہے جو نہایت دلچسپ اور بیش بہا علمی اور دینی اور فقہی فوائد و نکات پر مشتمل ہے اور جس سے بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے اس کا ترجمہ بھی درج کیا جاتا ہے۔

"بندۂ ضعیف محمد اسمٰعیل کی طرف سے بخدمت معدن غیرت ایمانی

منبع حب اسلامی مقبول بارگاہ رب قوی میر شاہ علی سلمہ اللہ تعالےٰ۔
سلام مسنون اور دعائے اجابت مقرون کے بعد واضح ہو کہ آپ کا وہ گرامی نامہ پہونچا جسمیں چند مخلصین اور بعض منافقین کے ایک مباحثہ کا تذکرہ ہے، منافقین سے آپ جو جہاد باللسان کر رہے ہیں اور راہ ایمان کی طرف طالبین کو جو آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے

آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ سوال و جواب کے مضامین کو منتج کر کے اور ان کو ایک رسالہ کی شکل میں تحریر کر کے آپ کیخدمتمیں بھیجوں تو مخدوم من! اگرچہ ان مسائل میں تقریر و تحریر بھی جہاد کی ایک قسم ہے، لیکن یہ ضعیف بلکہ اس مقام کے تمام حاضرین ایسے کام میں مشغول ہیں کہ تقریرات و تحریرات کی اس میں قطعاً گنجائش نہیں ہمارا حال اہل تقریر و تحریر کی نسبت سے بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص خود نماز کی ادائگی میں مشغول ہے تو اگرچہ نماز کے مسائل کی تعلیم بھی مقدمات صلوٰۃ میں سے ہے لیکن ادائے نفس صلوٰۃ مسائل صلوٰۃ کی تعلیم میں مشغول ہونے سے مانع ہے جو شخص مجاہدین کا حال دیکھے اس کو یقین ہو جائے کہ قیل و قال اور بحث و جدال کا مسلک خواہ وہ حق ہو خواہ باطل دوسرا ہے اور ان لوگوں کا مسلک دوسرا، پہلا مسلک علماء کے مسلک کی

جنس سے ہے اور دوسرا مسلک سپاہیوں کے مسلک کی جنس سے
وشتان ما بینھما، آپ کی خاطر سے چند کلمے لکھے جاتے ہیں اگرچہ
وہ بھی طبیعت پر بہت بار ہیں۔

حدیث و کلام و فقہ کے مطابق جناب امیرالمومنین کی بیعت کے انعقاد
میں قطعاً کوئی شبہ نہیں، باقی مخالفین آنجناب یا آپ کے متبعین کے متعلق
جن قبائح کی نسبت کرتے ہیں تو اول تو آپ کی ذات سے متعلق جن باتوں
کی نسبت کرتے ہیں وہ سراسر باطل اور صداقت سے معرا ہیں اور جو
آپ کے رفقاء سے نسبت کرتے ہیں تو ان کا بھی بیشتر حصہ مطابق واقعہ
نہیں ہے۔ بر تقدیر تسلیم رفقاء امام کی خرابی اس امام کی امامت میں ہرگز
قادح نہیں جیسے کہ اُمتیوں کی خرابی نبی کی نبوت میں ہرگز اثر انداز نہیں،
آپ کی ذات سے متعلق جن چیزوں کی نسبت کرتے ہیں ان کو تسلیم کر لینے
کے بعد بھی ثبوت امامت پر قطعاً اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ وہ زیادہ سے
زیادہ مراتب ولایت کے خلاف پڑتی ہیں اور مراتب ولایت کا ثبوت
سرے سے امامت کی شرائط میں سے نہیں ہے بلکہ فسق و ظلم بھی امامت
کے ثابت ہو جانے کے بعد امامت کے زوال کا سبب نہیں ہو سکتا،
چنانچہ احادیث متواترہ اور متقدمین و متاخرین فقہاء و متکلمین کی عبارات
اس پر دلیل ہیں، مختصراً گفتگو کا دارو مدار دو باتوں پر ہے ایک ثبوت امامت

دوسرے اس کے بعد اس کا زائل ہو جانا اعتراضات مذکورہ کی وجہ سے
پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ امامت کے ثبوت کے طریقہ کی حدیثؒ کلام
وفقہ کی کتابوں سے تحقیق کرنی چاہیے اور اس مسئلہ میں قوی وضعیف راجح
ومرجوح روایات میں تمیز کرنی چاہیے اس کے بعد مضمون قومی کا خلاصہ
ذہن میں ملحوظ رکھنا چاہیے اور پھر غور کرنا چاہیے کہ ہمارے اس مسئلہ میں
یہ بات پائی جاتی ہے یا نہیں اگرچہ ان مسائل میں مشاہدہ سے حقیقت
ظاہر ہوتی ہے لیس الخبر کالمعائنۃ اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ
لیکن چونکہ مشاہدۂ حال ان لوگوں کو میسر نہیں جو غیر موجود ہیں، اس لئے اسکے
سوا کوئی طریقہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس مجمع اخیار کا مجملاً حال معلوم ہو اسی لئے
ایک خط اس مضمون کا اور چند اور خطوط ان حالات کے آپ کی خدمت میں
بھیجے جا چکے ہیں تاکہ کسی طرح حقیقت حال منکشف ہو جائے جو شخص بھی
ان دونوں مقدموں میں اچھی طرح غور کرے گا اس کو یقیناً آنجناب کی
امامت کے انعقاد کا اذعان ہو جائے گا۔

رہا دوسرا مسئلہ (امامت کے زوال کی بحث) تو اس کی بھی حدیثؒ
کلام وفقہ کی کتابوں سے تحقیق کرنی چاہیے کہ کون سا امر امامت سے امام کے
علیحدگی کا باعث ہوتا ہے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی آنجناب میں
نہیں پایا جائے گا۔ بلکہ وہ قبائح جو منصب امامت سے امام کی علیحدگی کا

باعث ہیں۔ آپ کی شان سے اس قدر بعید ہیں کہ کافر سکھوں اور فرنگیوں میں سے بھی کوئی انکی آپ سے نسبت نہیں کر سکتا پھر جب آپ کی امامت ثابت ہو گئی اور کوئی امر جو اس منصب سے آپ کی علیحدگی کا سبب ہو نہ پایا گیا پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ کی امامت سرے سے تسلیم ہی نہ کرے یا تسلیم کرنے کے بعد انکار کر دے وہ باغی مستحل الدم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اس کی بے عزتی تمام اہل فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے اس لئے کہ ایسے لوگ بحکم احادیث متواترہ کلاب النار اور ملعونین اشرار ہیں۔

اس مسئلہ میں اس ضعیف کا یہی مذہب ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔

باقی آپ نے جو اس کا ذکر کیا ہے کہ اہل شوکت کے مقابلہ کیلئے مقابل شوکت چاہیے، پس اول تو یہ مقدمہ ممنوع ہے کیونکہ شوکت کی تحصیل کی کوشش بقدر استطاعت کافی ہے مخالفین کی شوکت کے مماثل ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ یہ نہیں فرماتا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مِثْلَ مَا اَعَدُّوْا لَكُمْ دوسرے یہ کہ شوکت کے وجود کے یہ معنیٰ نہیں کہ امام کے جسم میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اس قوت سے مخالفین کی سلطنت کو درہم برہم کر دے

اور اکیلے اس کے لشکروں اور فوجوں کو شکست دیدے بلکہ اس کے معنی یہی ہیں کہ موافقین کی ایسی جماعت اس کے ساتھ جمع ہو جائے کہ باعتبار ظاہر عقل ان کی قوت سے مخالفین کی مدافعت کرسکے اور اجتماع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت اس کے چاروں طرف وہ لوگ کھڑے رہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس کی ذات سے ایسا تعلق ہو کہ اس سے وہ اسکے احکام کی اطاعت کرنے لگیں، جیسے نوکری کا تعلق سلاطین کے عرف میں اور قرابت و برادری کا تعلق افغانوں کے عرف میں۔ اسی لئے شریعت نے تعلق بیعت کا اعتبار کیا ہے، پس جس طرح کہ صاحب شوکت سلاطین وہ ہوتے ہیں کہ نوکروں کا مجمع کثیر ان کے ہمراہ ہوتا ہے اور افاغنہ کی عرف میں وہ ہوتے ہیں کہ مجمع کثیر "انوس" کا ان کے پاس ہو اسی طرح شریعت کے عرف میں امام صاحب شوکت وہ ہے جس کے ہاتھ پر مسلمانوں کے ایک مجمع کثیر نے بیعت کی ہو کیونکہ بیعت کا تعلق شرع کے نزدیک ملازمت اور قرابت کے تعلق سے قوی مانا گیا ہے، پس جناب امام ہمام کو شوکت شرعی بالفعل اس درجہ حاصل ہے کہ جو مخالفین کی شوکت سے کئی درجے زیادہ ہے کیونکہ لشکر و فوج توپ شاہین کے مالک سرداران پشاور سوات و بنیر و سمہ کے خوانین اور ان کے تمام عوام و خواص پائندہ خاں وغیرہ نے آپکے ہاتھ پر

بیعت امامت کی ہے اور ان اشخاص کا شمار لاکھوں کو پہونچتا ہے، ضروری ہے کہ آپ کے لشکروں کی تعداد اس درجہ تک پہونچی ہو کہ مخالفین میں سے کسی کی قوت اس درجہ کی نہ ہو، باقی رہا یہ کہ بعض لوگوں نے بیعت توڑ دی ہے اور احتمال ہے کہ دوسرے بھی یہی معاملہ کریں پس یہ بات شوکت شرعیہ میں اصلاً قادح نہیں اس لئے کہ بہت سے نوکر نمک حرامی اور آقا کی بدخواہی کرتے ہیں اور احتمال ہوتا ہے کہ دوسرے بھی یہی طریقہ اختیار کریں، پس جس طرح یہ بات سلاطین کی شوکت عرفیہ میں قادح نہیں اسی طرح یہ احتمال ائمہ کی شوکت شرعیہ کے بھی منافی نہیں۔

تیسری یہ بات ہے کہ مشرق و مغرب کے کفار کی شوکت کے مماثل شوکت مراد نہیں ورنہ اگلے پچھلے اماموں سے کسی کی امامت ثابت نہیں ہوگی پس اس سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مخالفین کی شوکت کے مماثل شوکت ہو جو بالفعل مقابل ہیں اور اسوقت یہ شوکت متحقق ہے یعنی ضلع پکھلی - ہزارا - اور پکھلی کے ناظموں کی شوکت کے مماثل شوکت موجود ہے اگرچہ رنجیت سنگھ اور کمپنی کی شوکت کے مماثل شوکت نہ ہو۔

کس شخص نے آپکو یہ خبر دی ہے کہ جناب امام ہمام اسی مختصر جمعیت کے ساتھ لاہور و کلکتہ کا عزم رکھتے ہیں۔ آپ تو دن رات مسلمانوں کی جمعیت کی زیادتی اور ان کی شوکت کی ترقی کی کوشش کرتے رہتے ہیں

اور اسلامی شوکت کے عروج کی تدریجاً امید رکھتے ہیں اور یہ بات بالکل مستبعد نہیں بلکہ قوموں اور سلطنتوں کے انقلاب میں اللہ کی یہ سنت جاری ہے کہ معمولی لوگوں میں سے کوئی کمزور فرد جیسے نادر شاہ وغیرہ سر اٹھاتا ہے اور آہستہ آہستہ رفقاء کی ایک جماعت فراہم کر لیتا ہے اور تدریجاً قوت و شوکت حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے سلاطین کی سلطنت اور بڑے بڑے با اقتدار شہنشاہوں کی مملکت برہم کر دیتا ہے کس قدر بے انصافی ہے کہ جو شخص محض دنیا کی طلب میں کمربستہ ہوتا ہے اس کے حق میں فتح و نصرت کا گمان کیا جاتا ہے اور اسی گمان پر اس کا ساتھ دیا جاتا ہے اور جو شخص محض اللہ کے لئے اور اللہ کی خوشی کے لئے دین کی مدد کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے حق میں فتح و نصرت کا حصول مستبعد سمجھا جاتا ہے اور اس کو بھی دور کے وہموں میں شمار کیا جاتا ہے اور عجیب عجیب قسم کے اشکالات اور مختلف اعتراضات اس پر کئے جاتے ہیں اس کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور عام مسلمانوں کو بھی اس کی رفاقت سے روکا جاتا ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کے کارخانۂ جہاد کو درہم برہم کرنے کی سعی نامشکور کی جاتی ہے الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ ویبغونہا عوجا۔

چوتھے یہ کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ شوکت قویہ کا حاصل ہونا اہل شوکت کے

ساتھ جہاد کرنے کی شرط ہے اور آنجناب کو بالفعل شوکت حاصل نہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ امام وقت کے لئے شوکت حاصل کرنے کا طریقہ آخر کیا ہے، کیا شوکت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کے پیٹ سے فوجوں لشکروں اور سامان جنگ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے یا جس وقت جہاد کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے اسی وقت فی الفور غیب سے تمام لشکر و افواج اور سامان جنگ اس کو عطا ہو جاتا ہے، یہ بات نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے، اس کا طریقہ یہی ہے کہ جس طرح امام کا مقرر کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے اور اس میں مداہنت موجب معصیت اسی طرح امام وقت کے لئے شوکت کا حاصل کرنا بھی ان کا فریضہ ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق سامان جنگ فراہم کرنے کی کوشش کرے اور اس کو امام وقت کے سامنے پیش کرے اسی لئے آیت کریمہ واعدّوا لھم ما استطعتم اور آیت جاھدوا باموالکم وانفسکم میں تمام مخاطبین کو خطاب تھا نہ صرف ائمہ کو، پس ہر وہ شخص جو کہتا ہے کہ امام کی شوکت جہاد کی شرط ہے اور یہ شوکت ہم کو حاصل نہیں اس کو لازم ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامان جنگ اپنے ساتھ لائے اور کسی دوسرے کی شرکت کا انتظار اس معاملہ میں اصلاً جائز نہیں، جہاد کے معاملہ میں جو تعویق و تعطیل واقع ہو گی اسکا

وبال تمام خانہ نشین ویس ماندہ لوگوں کی گردن پر ہوگا جس طرح نماز جمعہ کی ادائگی ہر شخص پر واجب ہے اور اس کا ادا کرنا جماعت کے بغیر متصور نہیں اور انعقاد جماعت امام کے بغیر ممتنع، بس اگر ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہے کہ جس وقت امام آجائے گا، جماعت موجود ہو جائیگی میں بھی حاضر ہو جاؤں گا تو یقیناً جمعہ کی نماز فوت ہو جائے گی اور ہر شخص گناہگار ہوگا اس لئے کہ ارواح مقدسہ میں سے کسی امام کا آترنا اور فرشتوں کی جماعت میں سے کسی جماعت کا جمعہ کو قائم کرنے کے لئے آنا ہونے والی بات نہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر سے خواہ تنہا ہو باہر آجائے اور مسجد چلا جائے، اگر جماعت مجتمع ہو تو اسکے شریک ہو جائے ورنہ مسجد میں بیٹھا رہے اور دوسروں کا انتظار کرے۔ اگر اس نے مسجد کو خالی دیکھ کر اپنے گھر کا رستہ لیا تو جمعہ کی جماعت و امامت ہو چکی۔ اسی طرح لازم ہے کہ ہر شخص اگرچہ تنہا، کمزور قلیل الاستطاعت ہو امام کی دعوت کا آوازہ سن کر اپنے گھر سے نکل کر دوڑے اور اپنے کو جس قدر سامان میسر آسکے اس کے ہمراہ مسلمانوں کی جماعت میں پہونچا دے تاکہ جہاد کے قائم ہونے کی صورت پیدا ہو نہ یہ کہ اپنے کو اللہ کے بندوں کے زمرہ سے نکال کر ڈر پوک بندوں میں شامل کرلے اور دین متین کے اس رکن رکین کو ہاتھ سے

جانے دے، سرکش دولتمندوں کی کاسہ لیسی اور ناقصات العقل عورتوں کی کنگھی چوٹی میں مشغول رہے، سبحان اللہ! اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے رکن اعظم کی جڑ کھود کر پھینک دی جائے اور اس شخص کو جس کے سینے میں کمزوری وناتوانی کے باوجود اسلامی حمیت جوش مارہی ہے طعن وتشنیع کا ہدف بنالیا جائے؟ یہ لوگ نصاریٰ، یہود، مجوس و ہنود کی طرح نہیں کہ ملت محمدیہ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں "محمدیت" کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کھیل اور مذاق سے بھی جہاد کا نام لیلے تو مسلمانوں کے دل سنتے ہی پھول کی طرح کھل جائیں اور سنبل کی طرح لہلہانے لگیں اور اگر دور دراز کے مقامات سے بھی جہاد کا آوازہ اہل غیرت کے کانوں تک پہونچے تو دیوانہ وار دشت وکوہسار میں دوڑنے اور شہباز کی طرح اڑنے لگیں نہ یہ کہ جہاد کا مسئلہ اس عظمت کے باوجود کتاب الحیض والنفاس کی تعلیم وتعلم کے درجہ سے بھی کم سمجھا جائے۔

مناسب ہے کہ ان ہواجس نفسانی اور وساوس شیطانی کو دل سے دور کریں اور ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو جوش میں لائیں اور مردانہ وار مجاہدین کے لشکر میں داخل ہوجائیں اور زمانہ کے نشیب و فراز پر صبر کریں اور دور دراز کے خیالات کو چھوڑیں، اور دنیاوی تعلقات کو جو اس مشغولیت سے مانع ہوں خیرباد کہیں۔

مصلحت دیدمن آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند دخم طرۂ یارے گیرند

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اپنے دل کو تمام وادیوں میں ڈال دے اور ڈانواں ڈول رکھے تو اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی کہ کس وادی میں وہ مرتا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ ان تمام راہوں کا انتظام فرما دیتا ہے"۔

علماء کی مؤتمر سید صاحبؒ کی امامت و جوب اطاعت کا فتویٰ اور عہد

اس کے بعد سید صاحبؒ نے قرب جوار کے تمام اضلاع کے علماء کو پنجتار میں دعوت دی، دو ہزار علماء اور دو ہزار طلباء کے قریب شریک ہوئے آپ نے اشرف خاں اور خادیخاں کو بھی دعوت دی وہ بھی آئے، جمعہ کی نماز کے بعد آپ نے ایک نہایت بلیغ اور مؤثر تقریر کی جسمیں جہاد کی اہمیتؒ ضرورت پنجاب کی حالت اور علماء کے فرائض اس طرح بیان کئے کہ لوگوں پر ایک وجد سا طاری تھا بعض بالکل بیہوش تھے اور بعض رو رہے تھے خود آپ پر اتنی رقت طاری تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حمیت اسلامی کا دریا سینہ میں جوش مار رہا تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں جاتا ہوں، آپ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی گفتگو سنیں، مولانا نے مثالوں سے خود ان کی زبان سے کہلوادیا کہ بیشک امام کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے، اس کے بعد مخالف کا حکم پوچھا اور کہا کہ فقہ کی فلاں فلاں کتابوں کے فلاں فلاں باب فلاں فلاں فصل میں دیکھو وہ سب کتابیں علماء کی پاس

اس وقت موجود تھیں انھوں نے دیکھیں سب نے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا، علماء نے عربی میں عہد نامہ لکھا اور اپنی مہریں لگائیں، خوانین نے فارسی میں عہد نامہ لکھا اور اپنی مہریں ثبت کیں، پھر شاہ صاحب نے علماء کو ایک استفتاء لکھ کر دیا جسمیں عاصی و باغی کے احکام پوچھے، انھوں نے اس کا مفصل و مدلل جواب لکھا[1]، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحبؒ کی امامت از روئے قوانین شرعیہ و تعامل ثابت و برحق ہے، آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج باتفاق کتاب و سنت و اجماع و نصوص فقہ باغی، اس کا قتل واجب اس کا خون حلال اور وہ ناری ہے، اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہیئے، مع حوالہ جات آیات و احادیث و کتب فقہ اور اس پر پچیس ۲۵ مشاہیر و اکابر علماء نے اپنی مہریں اور دستخط کئے۔

اسی مجلس میں فتح خاں والی پنجتار نے بھی اس کا عہد کیا اور کہا کہ اگرچہ یہ بڑا مشکل کام ہے تمام مال و جاہ اور اسباب معاش پر لات مارنی پڑتی ہے اور سیکڑوں برس کے رواج و رسم کو چھوڑ کر تمام افغانیوں سے لڑائی مول لینی پڑتی ہے، لیکن محض اللہ کی رضا کے لئے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کا عہد کرتا ہوں اور اللہ و رسولؐ اور امام کی اطاعت تمام احکام عبادات و معاملات میں قبول کرتا ہوں، اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہوں، اسی موقع پر ایک فاضل و متدین عالم کو منصب قضا (جج) سپرد ہوا۔ ان کے سر پر دستار

(۱) ان عہد ناموں اور افتاء اور دوسری دستاویزوں کی نقل مجموعہ خطوط (قلمی) میں موجود ہیں

باندھی گئی اور حکم قضا لکھ کران کو دیا گیا۔

ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدین نگرہاری کو جو بڑے دیندار ومتقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی ان کی ماتحتی میں دے گئے۔ (۱)

نظام شرعی کے برکات اس نظام شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے، شریعت کے احکام جاری ہوگئے مقدمات ومنازعات کا فیصلہ قانون شرع کے مطابق ہونے لگا اور شریعت کے سامنے لوگوں کے سر جھک گئے، افغانیوں کی عرب جاہلیت کی طرح عادت تھی کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ یا حقوق العباد کا کوئی گناہ کرتا تو دوسرے گاؤں میں چلا جاتا، اور اس کے رؤسا کی حمایت حاصل کر لیتا وہ اس کی پوری جان ومال سے جانبداری حمایت کرتے اس طرح کسی جرم کا استیصال اور مجرم کی گوشمالی نہ ہو سکتی، لیکن اس نظام کے بعد کوئی کسی کی بیجا حمایت وپاسداری نہیں کر سکتا تھا، عبرتناک سزائیں دیجاتیں علانیہ تعزیرات جاری کیجاتیں اور کوئی مداخلت نہ کرتا،

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام بہت کامیاب ہے اور بڑی بڑی حکومتوں سے زیادہ اسمیں قدرت وطاقت ہے۔

ہند کے علاقہ میں جو خادیخاں کے زیر حکومت تھا، مانیری ایک گاؤں تھا

---

(۱) یہ سب حال مکتوبات سے ماخوذ ہے۔

جس کے باشندے نہایت سرکش و شورہ پشت تھے، دو ہزار تفنگچی دیہات میں رہتے تھے اور چھ ہزار اس کے گرد کے گاؤں میں۔ نوّے برس ہوئے جب ان لوگوں نے ایک مرتبہ اتفاق کر کے اپنے گاؤں کے رؤسا و زمینداروں کی زمینوں اور املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا اور ان کو بے دخل کر دیا، ان مظلوموں نے بھاگ کر دوسرے مقامات پر جو اشرف خاں کے قبضہ میں تھے پناہ لی اور مدد چاہی وہاں کے لوگوں نے ان کی امداد کی اور اس دیہات پر حملہ کیا، سخت جنگ ہوئی اور بڑا کشت و خون ہوا اس وقت سے دونوں قوموں اور دونوں مقامات کے باشندوں میں عداوت مستحکم اور موروثی ہو گئی اور ہمیشہ جنگ ہوتی رہی یہانتک کہ ایک صدی گزر گئی اور تین چار ہزار آدمی فریقین کے قتل ہوئے، جب اس نظام کی شہرت و کامیابی ہوئی تو یہ مظلوم سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے، اور فریاد کی، سید صاحبؒ نے خادیخاں، فتح خاں، اشرف خاں اور دوسرے معززین اور قرب جوار کے خوانین کو جمع کیا اور معاملہ کی تحقیق کی، تفتیش کے بعد انھیں مظلوموں کا حق ثابت ہوا، وہاں کے قوانین عرفیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اگر کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ پر قبضہ مخالفانہ ہو جائے اور اس پر کشت و خون بھی ہو تو وہ قبضہ تسلیم کر لیا جائیگا، چونکہ اس جائداد پر ہزاروں آدمیوں کا کشت و خون ہو چکا تھا اور بڑی طویل مدت گزر گئی تھی اس لئے اصل مالکوں کا حق منقطع سمجھ لیا گیا تھا، آپ نے اصل حقداروں کو حکم دیا کہ اپنی زمینوں پر قابض

ہوجائیں اور اپنے باپ دادا کے گھروں میں آباد ہوں، اول پانیری والوں نے مزاحمت کی اور خادیخان نے ان کی حمایت کی، سید صاحب مع فتح خاں و اشرف خاں اور سان کے لشکروں کے اور اپنے لشکر و علماء و طلبار کے ان کی تادیب کے لئے چلے علمار نے ان کے مستحل الدم ہونیکا فتوے دیا وہ مرعوب ہو کر خود حاضر ہوئے اور رعیوں کو لیجا کر ان کی زمینوں اور مکانات پر قبضہ دلا دیا اور خود اُن کی رعایا بن گئے اس طرح سے اللہ کے فضل سے وہ قضیہ جو سو برس سے طے نہیں ہوتا تھا اور جس پر ہزار وں آدمیوں کی جانیں گئیں چٹکیوں میں فیصل ہو گیا، سارے دیکھنے اور سننے والوں کو سخت حیرت تھی کہ آج تک اس ملک میں ایسا نہیں ہوا۔

احتساب کا ایسا اثر ہوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا، لوگوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اگر کوئی ہندوستانی یا قندھاری کسی دیہات میں پہنچتا تو شور مچ جاتا اور وہاں کے رؤسا و حکام باہر نکل آتے اور عرض کرتے کہ یہاں کوئی بے نمازی نہیں ہے۔(۱)

منافقین کی سازش اور زہر خورانی

یہ داستان بہت تلخ ہے مگر ہم کو سنانی پڑیگی اسلئے کہ اس کے بغیر یہ تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سکھوں سے چند جھڑپوں اور چھیڑ چھاڑ کے بعد سرداران پشاور نے سید صاحبؒ کو نوشہرہ کی دعوت دی اور سکھوں کے

(۱) مجموعہ خطوط (قلمی)

خلاف ایک منظم اور فیصلہ کن جنگ کا مشورہ ہوا، انھوں نے اس موقع پر غیر معمولی طور پر سید صاحبؒ کی تواضع و مدارات کی۔

سیدو کے میدان میں جنگ کی تیاریاں تھیں، سرداران پشاور، اور سرداران سمہ کی فوجوں اور مجاہدین کو ملا کر ایک لاکھ کے قریب لشکر سید صاحبؒ کے زیر قیادت تھا، صبح کو فیصلہ کن جنگ ہونے والی تھی صرف ایک رات بیچ تھی، اسی رات کو نذر محمد اور ولی محمد کے ذریعہ سے جو آپ کا کھانا لانے پر مقرر تھے اور یار محمد خاں سردار پشاور کے ملازم تھے، آپ کو کھانے میں زہر ہلاہل دیا گیا[1]۔ آپ نے پورا کھانا کھالیا، زہر قاتل تھا، آپ پر سخت اثر ہوا صبح دونوں لشکر میدان میں صف آرا ہوئے، سردار یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لئے قصداً ایک معذور ہاتھی بھیجا، صبح مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ بیہوش ہیں اور قے خود بخود جاری ہے جس سے زہر بتدریج خارج ہو رہا ہے، مولانا نے عرض کیا کہ جنگ شروع ہو گئی اور ہاتھی سواری کے لئے در دولت پر حاضر ہے۔ آپ نے اس نازک حالت میں فرمایا کہ مجھ کو سوار کرا کر میدان جنگ میں پہنچا دو، چنانچہ چند آدمیوں کے سہارے آپ اسی حالت میں سوار ہو کر میدان میں پہونچے، صرف چند آدمی آپ کی علالت سے واقف تھے، آپ کو دیکھ کر مسلمان دلیر ہو گئے اور حملہ شروع ہو گیا

---

(۱) سوانح احمدی

سرداران سمہ اور مسلمانوں کی فوج بڑی بے جگری سے لڑی، درانیوں (سرداران پشاور) کی فوج بھی بظاہر دامن کوہ پر مسلمانوں کی مدد کے لئے موجود تھی اور بندوقوں اور توپوں کی بھرمار کر رہی تھی، مگر بندوق اور توپوں میں بجائے گولیوں اور گولوں کے صرف بارود بھری ہوئی تھی، فتح کے آثار نمایاں تھے اور فیصلہ ہونے والا تھا کہ دفعۃً پشاور کے لشکر سے دو سوار نکل کر سکھوں کے لشکر میں بے روک ٹوک داخل ہوئے اور وہاں کے سپہ سالار سے مل کر اطمینان سے واپس آگئے اور کچھ دیر سرداران پشاور سے سرگوشی کی اسوقت فوراً سرداران پشاور اپنی فوج اور سامان جنگ لیکر میدان جنگ سے علیحدہ ہوگئے اور میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا، سمہ کے سردار اور اُن کی فوج دل شکستہ ہوگئی اور قدم اُکھڑ گئے، ساری جنگ ہندوستانیوں پر پڑ گئی، وہ دل توڑ کر لڑے مگر تاب کے، غضب یہ ہوا کہ منظم سازش سے دشمن نے اس ہاتھی کو نشانہ بنالیا، جس پر سید صاحبؒ تھے، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے سید صاحبؒ کو ہاتھی سے اُتار کر گھوڑے پر بٹھالیا اور باہر پہونچادیا، آٹھویں روز آپ کو ہوش آیا، آپ نے مولانا شہیدؒ سے جنگ کا حال دریافت کیا۔ مولانا نے پوری روداد سنادی، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ تمام مجاہدین کو ایک جگہ جمع کرلو، اور فرمایا کہ یہ مصیبت بھی اپنے کسی گناہ کی شامت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو مغفرت کا ذریعہ بنادیا، یہ حکمت سے خالی نہیں، خدا کا شکر ہے کہ جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی یہ سنت بھی پوری ہوگئی، نذر محمد اور ولی محمد گرفتار ہوئے، علما نے ان کے قتل کا فتوٰے دیا۔ مگر آپ نے ان کو معاف کیا، اور جب لوگ ان کے درپے ہوئے تو ان کو رات کو مخفی طریقہ پر فرار کر دیا،

اس کے بعد سے اب مسلمانوں کا مستقل دو حریفوں سے مقابلہ تھا، ایک سکھ، دوسرے سرداران پشاور، خادیخاں کے تیور بھی اس گاؤں کے معاملے کے بعد سے بدل گئے تھے اور انتقام کا موقع ڈھونڈتا تھا، اب یہ لوگ مسلمانوں کے کھلے دشمن اور علانیہ حریف تھے، تمام علما نے دلائل شرعی سے انکے منافق اور مستحل الدم ہونیکا فتوٰے دیا، یہ زمانہ غازیوں کے لئے پورے امتحان کا تھا۔ دو زبردست دشمنوں کا مقابلہ، بے خانمانی، فاقہ کشی، سردی کا موسم تھا ملک میں برف پڑ رہی تھی، نہ رہنے کو مکان تھا، نہ اوڑھنے کو کپڑا، نہ کھانے کا سامان، اکثر چار چار فاقے کڑاکے کے پڑتے، کسی درخت کی پتیاں اُبال کر اور نمک ملا کر کھاتے لیکن جوش ایمانی سے مخمور تھے اور سکینت الٰہی سے ان کے دل معمور، اپنے کو جنت میں سمجھتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، نہ شکوہ تھا، نہ شکایت، فتح خاں اور اشرف خاں بڑے مخلص، صاحب ایمان، خدمتگزار اور شریف النفس تھے، انھوں نے ان مہاجرین کے ساتھ انصار کا سا سلوک کیا دوسرے خوانین اور مسلمان بھی حسب مقدور خدمت کرتے، آپ نے اس دوران میں بنیر و سوات کا خوب دورہ کیا اور یہ دونوں علاقے آپ کے

حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے، اسی سفر میں بمقام کوٹ گرام مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھلتی (نبیرہ حضرت شاہ اہل اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) کا انتقال ہوا آپ کو اور تمام لشکر مجاہدین کو بڑا صدمہ ہوا۔ آپ نے مولانا شہیدؒ سے فرمایا کہ یوسف جی لشکر اسلام کے قطب تھے، اب لشکر سونا ہو گیا، بڑے قانع، بڑے متوکل، زاہد اور مستقل مزاج تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے اُن کو قبر میں اُتارا، ہندوستان کے قافلے، سندھ، قندھار، کابل کا چکر کاٹ کر مدتوں میں پہونچتے تھے، مولوی قلندر (احمد اللہ صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ کے میاں) رامپوری کے قافلے ضروری خرچ کے ساتھ پہونچے، جس سے لشکر میں فراغت ہو گئی، مولانا عبدالحی صاحبؒ کے آنے کی آپ کو بڑی خوشی ہوئی، انکے واسطے ایک منزل آپ نے پالکی بھیجی اور آپ دریا تک استقبال کر کے لائے اور اپنے پاس ایک ہی مکان میں اُتارا، یہاں سے آپ پنجتار واپس گئے اور اس کو اپنا مستقل مرکز بنایا۔

لشکر گاہ اسلام کے حالات اور مجاہدین کی معاشرت و طرز زندگی

مجاہدین کا عجیب عالم تھا، معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے فرشتے زمین پر اُتر آئے ہیں، یا صحابہ کرامؓ، مہاجرین اوّلین و انصار کا دور پلٹ آیا ہے، معمولی سپاہی اور لشکری عباد الرحمٰن[1] کا نمونہ تھے۔

---

[1] سورہ فرقان کا آخری رکوع ملاحظہ ہو۔

تکبر، شان، خودی، ننگ و عار کا نام نہ تھا، ایک دوسرے کی خدمت کرتے
ہر کام میں للہ فی اللہ شریک ہوتے، دوسرے کا ہاتھ بٹاتے، چکی پیستے، کھانا
پکاتے، لکڑی چیرتے، کپڑے دھوتے اور سیتے، گھاس چھیلتے، گھوڑا ملتے،
بیماروں کی خدمت کرتے، ان کا پیشاب پاخانہ، قے اٹھاتے، آپس میں
ایک دوسرے کی حجامت بناتے، پیر دباتے، زمین پر سوتے، پھٹے پرانے
کپڑے پہنتے، فحش گوئی، بدزبانی، حسد، عداوت کوئی نہ جانتا تھا، جہاد کفار کے
ساتھ جہاد نفس اور مجاہدۂ روحانی بھی عام خانقاہوں سے زیادہ ہو رہا تھا،
اور ان تمام کاموں میں بڑے بڑے مخدوم اور امیر زادے شریک ہوتے
اور اپنی سعادت و عزت سمجھتے، جو لوگ نئے آتے ان کو کچھ دن تکلف ہوتا
اور بعض کاموں سے عار ہوتا، سید صاحبؒ ان کی نہایت دلجوئی و قدردانی
فرماتے، اور کہتے کہ ان کی قدر ہم جانتے ہیں، یہ ہمارے لئے گوہر نایاب
اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں، رفتہ رفتہ وہ بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے۔

ایک مرتبہ آپ ایک طرف کو گئے وہاں دیکھا کہ میاں الٰہی بخش رامپوری
بیٹھے چکی پیس رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہم نے مکہ میں چکی پیسی ہے،
یہاں پر بھی پیسیں گے، یہ کہہ کر آپ بھی بیٹھ کر پیسنے لگے، شہرت ہوئی تو بہت
لوگ جمع ہو گئے اور جن کو اس سے پہلے اس کام سے عار تھا ان کو عار جاتا رہا۔

ایک جگہ نماز جمعہ کے لئے خط کھینچا ہوا تھا، وہاں سنگریزے بہت تھے

نمازیوں نے شکایت کی، آپ نے سید اسمٰعیل صاحبؒ بریلوی سے فرمایا کہ درانتیاں رات کو لے کر جمع کر لینا، کل گھاس چھیلنے چلیں گے، صبح اُٹھ کر گھاس چھیل کر لائے اور مسجد میں بچھادی۔

ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمہ میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا، صبح اُٹھ کر آپ تشریف لے گئے آپ نے نہایت انتظام سے نہایت خوبصورت ہوادار کھڑکی دار جھونپڑے بنا دیئے، لوگ دیکھ کر نہایت شائق ہوئے اور بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے[1] ہر وقت علماء کی صحبت اور مواعظ سے عامی اور ناخواندہ بھی دین سے واقف اور متوسط علماء سے اچھے تھے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحبؒ قرآن کا درس دیتے تھے۔ یہاں سے لوٹ کر آپ کے بعض شاگردوں نے ہندوستان میں درس قرآن کو رواج دیا۔

اس میدان جنگ میں ایسی تربیت ہوئی تھی اور ایسا پختہ رنگ چڑھا تھا کہ جن جن مقامات میں اس میدان جہاد کے بقیۃ السیف رہے وہاں اسلامی معاشرت، اسلامی اخلاق و خصوصیات کا رنگ برسوں قائم رہا، عام خدمت و اعانت اخوت اسلامی و مساوات تواضع سادگی، بے تکلفی، مریضوں کی عیادت اور تیمارداری، جنازہ کو کاندھا دینا، سلام کی کثرت، تہجد گزاری عام رہی اور

(۱) وقائع احمدی۔

ہندوستان کے اکثر شہروں اور مقامات میں ان باتوں میں یہ مقامات ممتاز تھے، چنانچہ اس کا ایک نمونہ ٹونک کا ایک محلہ قافلہ تھا جو مجاہدین سے آباد تھا،

بعض متفرق واقعات یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ مجاہدین اس عرصہ میں بیکار بیٹھے تھے، وقتاً فوقتاً سرایا بھیجے جاتے تھے اور سکھوں سے مقابلے ہوتے تھے، ان میں سے ایک ڈمگلہ کا شبخون ہے جس میں تین سو ہندوستانیوں نے تقریباً چھ ہزار لشکر کا مقابلہ کیا، میاں مقیم نے پچاس آدمیوں کے ساتھ پورے لشکر کو خاربندی سے باہر کر دیا اور بڑی جنگی قابلیت کا ثبوت دیا، خالد ثانی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے خارق عادت، جرات و شجاعت دکھائی اور کبھی تن تنہا لشکر کا مقابلہ کیا، ایک موقع پر صرف بارہ آدمیوں کیساتھ مولانا شہیدؒ نے ہزاروں آدمیوں کو روکا، اس موقع پر ایک سکھ تلوار کھینچکر آپ پر حملہ آور ہوا تو آپ نے اس کو اس سے پہلے گولی سے اڑا دیا، جب آپ دوسری بار بندوق بھر رہے تھے تو دوسرے آدمی نے تلوار سے قتل کا ارادہ کیا، آپ نے دوسری گولی سے اس کو اڑا دیا، تیسری مرتبہ میں ایک گولی آپ کی انگلی پر لگی اور آپ کا ہاتھ بندوق سے الگ ہو گیا، آپ نے اس حالت میں بندوق چلادی مگر چوتھی بار خون سے بارود تر ہو گئی اور بندوق نہیں بھری جاسکی، اسحالت میں ایک شقی ننگی تلوار لے کر بڑھا، آپ نے اس کو ڈرانے کے لئے خالی بندق بڑھادی اور وہ پیچھے ہٹ گیا، اس کے بعد کفار کے پاؤں اکھڑ گئے،

مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اکثر اس انگشت شہادت کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول کرے تو یہ انگشت شہادت بہت ہے، ورنہ بہت سے زخم لگتے ہیں اور ان میں کوئی ثواب نہیں ہوتا،

هل انت الّا اصبع دميت　　وفی سبيل الله مالقيت[1]

تو تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی ہے　　اور اللہ ہی کے راستہ میں تجھ کو یہ پہونچا ہے

اسی زمانہ میں سید احمد علی صاحب (ہمشیرزادہ سید صاحب) مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی، مولوی خرم علی صاحب بلہوری، مولوی محمد علی صاحب رامپوری مولوی محبوب علی صاحب دہلوی وغیرہ کے قافلے پہونچے جن میں چھ سو آدمی تھے

ایک فتنہ | دہلی کے ایک مشہور عالم نے جن کے مزاج میں تیزی تھی، اور میدان جنگ کی سختیوں کے عادی نہ تھے، راستہ میں درانیوں سے جو سد راہ تھے، تنگ آکر سید صاحبؒ کو خط لکھنے شروع کئے کہ پہلے ان کلمہ گو کافروں سے جہاد کرو، میدان جہاد میں پہونچکر بھی اُنکی برافروختگی نہ گئی، اپنا خیمہ مجاہدین سے الگ ڈالا اور سید صاحبؒ پر اوچھے اعتراضات شروع کئے، مثلاً آپ کا باورچیخانہ کیوں الگ ہے، سید صاحب نے فرمایا یہ مہمانوں کے واسطے ہے جو روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں اور اس میں صرف وہی چیزیں پکتی ہیں جو مخصوص ہدیہ اور ذاتی ملکیت ہوتی ہیں، بیت المال سے اس میں کچھ صرف نہیں ہوتا، مولوی صاحب نے

(۱) حدیث شریف۔

کہا کہ وہ سب تحائف بھی مجاہدین پر برابر تقسیم ہونے چاہئیں، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ بہتر ہے یہ کام میں آپ کے سپرد کرتا ہوں، آپ یہ خدمت اپنے ذمہ لیجئے، اس پر وہ لاجواب ہوگئے، انھوں نے آپ کی امامت میں قدح کرنا شروع کیا، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک میں اس کے لائق نہیں ہوں تو خدا کے فضل سے آپ سید بھی ہیں، عالم، مہاجر اور جامع صفات ہیں، اس بار گراں کو آپ قبول کریں میں آپکے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آج سے آپ امام اور میں آپ کا تابعدار ہوں، مقصود کام کرنا ہے، سرداری نہیں، اس پر وہ خاموش ہو گئے مگر انھوں نے اہل لشکر سے کہنا شروع کیا کہ تمھارے اوپر بیوی، بچوں والدین کے حقوق ہیں، تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، لوگوں نے کہا جہاد کے واسطے، مولوی صاحب نے فرمایا جہاد کہاں ہے اور کون سے کفار سے مقابلہ ہے، کس ملک میں تمھارا عمل دخل ہوا، صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو، جہاد کا محض بہانہ ہے، تمھاری دنیا و آخرت دونوں خراب ہیں، لوگوں کو ایک معتبر عالم کی زبان سے یہ سن کر خواہ مخواہ انتشار ہوا اور لشکر میں اس کا عام چرچا اور فتنہ کا اندیشہ ہوا جس سے کام کو نقصان پہونچنے کا خطرہ تھا، اتفاق سے ابن فاروق مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس وقت موجود نہ تھے اور سریہ میں گئے ہوئے تھے ورنہ اس کا بہت جلد فیصلہ ہوجاتا، آخر محمد حسن صاحب رامپوری نے سید صاحبؒ سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی اور نماز کے بعد جب سب لوگ موجود تھے، مولوی محبوب علی صاحب سے کہا

کہ آپ یہاں کے لوگوں کو کس طرح خارج از جہاد سمجھتے ہیں، مولوی صاحب نے کہا کہ تم کس سے جہاد کر رہے ہو اور کون سا جہاد ہو رہا ہے، محمد حسن صاحب نے کہا کہ جنگ کا نام ہی جہاد نہیں، جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پیش آتا ہے، جہاد کے معنی ہیں اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا، یہ مدت دراز تک باقی رہتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے۔ اور ان کوششوں کو جو اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے لوگ کر رہے ہیں عبث قرار دیتے ہیں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت جہاد کا انکار کر کے آپ وطن دہلی تشریف لیجائیں اور کسی دن کفار سے مقابلہ اور قتال جس کو آپ جہاد کہتے ہیں پیش آجائے تو کس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آپ کو اس کی اطلاع دیجائے گی، اور آپ اپنی کونسی کرامت سے اُڑ کر داخل جہاد ہوں گے۔

اس سے اندرونی فتنہ جس کا اندیشہ تھا فرو ہو گیا، مگر مولوی صاحب دہلی تشریف لے گئے[۱] اور ان کے کہنے سننے سے جہاد کو نقصان پہونچا اور ہندستان میں کچھ سستی پیدا ہو گئی، لیکن جب میدان سے خطوط گئے اور مولانا اسحٰق صاحبؒ اور مولانا یعقوب صاحبؒ نے کوشش کی تو یہ فتنہ فرو ہوا اور خرچ اور قافلوں کی

---

(۱) یہاں پر یہ واقعہ بیان کر دینا بھی ضروری اور قرین انصاف ہے کہ بعد میں انگریزوں نے مولانا کو اس خدمت کے صلہ میں نَو گاؤں دیئے لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تمہاری خوشنودی یا خدمت کے لئے یہ کام نہیں کیا تھا، یہ میرا اجتہاد تھا۔

روانگی بدستور جاری ہوگئی - اسی زمانہ میں مقام فہر میں مولانا عبدالحی صاحبؒ کی وفات ہوئی -

شیخ الاسلام کی وفات سے مسلمانوں کو عام اور سید صاحبؒ کو خاص صدمہ ہوا -

سلیمان شاہ بادشاہ کاشغر نے کچھ تحائف بھیجے اور بادشاہ مصر کی طرح ایک سیدہ صاحبزادی بھیجی، جن سے سید صاحبؒ نے نکاح کیا

جنگ اتمان زئی سرداران پشاور اب کھلے ہوئے دشمن تھے، اب انکو میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے میں بھی باک نہ تھا، سکھوں کو ان سے بڑی قیمتی امداد حاصل تھی، بلکہ وہ ان کی وجہ سے بہت کچھ سبکدوش ہوگئے تھے یار محمد خاں وغیرہ نے چار ہزار درانیوں کی فوج سید صاحبؒ کے مقابلہ کے لئے دریائے سندھ کے پار آتمان زئی میں اکٹھا کردی، مجاہدین مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ شہید کی حُسن تدبیر اور جرات سے دشمن کے توپوں پر قبضہ ہوگیا اور مخالف کے قدم اکھڑ گئے، دوسرے روز تمام دن لڑائی ہوئی مگر مجاہدین کو کوئی نقصان نہیں پہونچا، برخلاف اس کے مخالف کو بڑا نقصان ہوا، اس کے بعد دو ایک مقابلے اور ہوئے جس میں مجاہدین کو کامیابی ہوئی -

اس جنگ میں راجہ رام ایک ہندو راجپوت بھی لشکر اسلام میں تھا، اور مجاہدین کی طرف سے درانیوں کا مقابلہ کررہا تھا - اسی زمانہ میں سید صاحب نے

میاں نظام الدین صاحب چشتی کے ہمراہ نو آدمی امیر بخارا کے پاس خط اور تحائف کے ساتھ بھیجے۔

فرانسیسی جنرل کا حملہ، مجاہدین کی بیعت علی الموت اور دشمن کی پسپائی

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک جنرل ونیٹورا تھا، سردار خادی خان کچھ تحائف لے کر اس کے پاس حاضر ہوا، سمہ کے خوانین کی شکایت کی اور دریائے سندھ کو عبور کرکے اس ملک میں جس میں مجاہدین کا مرکز تھا حملہ کی دعوت دی جنرل نے منظور کر لی اور دس پندرہ ہزار فوج اور توپوں کے ساتھ چڑھائی کر دی مجاہدین کی تعداد مع قندھاریوں کے اس وقت نو سو تھی، سید صاحب نے دو پہاڑیوں کے بیچ میں جہاں سے پنجاب میں آنے کا راستہ تھا ایک دیوار بقدر قد آدم تیار کرا کے اس میں مورچے اور برج بنوائے اور مدینہ منورہ کی خندق کی طرح اس دیوار کے بنانے میں آپ مجاہدین کے ساتھ شریک رہے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے آیت بیعت الرضوان پڑھ کر اسکا بیان فرمایا اور جان نثاری کی ترغیب دی، اسی وقت تمام آدمیوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی کہ جب تک جان میں جان ہے، مقابلہ سے منہ نہ پھیریں گے۔ بیعت کے بعد سید صاحبؒ نے سر برہنہ ہو کر بڑی گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بیچارگی اور کمزوری عرض کی اور استقامت و نصرت کی دعا کی، ہر شخص دوستوں سے اپنی تقصیریں معاف کرا کر مرنے پر تیار ہو گیا، سید صاحب نے

بھی عمدہ جنگی لباس پہنا اور اسلحہ لگائے، آپ کے لشکر کے تین نشان تھے، پہلے نشان کا نام "صبغۃ اللہ" تھا، اس پر زرد و سفید ریشم سے ومن یرّغب عن ملّۃ ابراھیم تا آخر پارہ خوشخط حرفوں سے لکھا ہوا تھا، دوسرے پر رکوع اخیر سورہ بقر تا آخر سورہ لکھا ہوا تھا اور یہ نشان ابراہیم کے پاس رہتا تھا، تیسرا نشان نصر من اللہ تھا، اس پر سورہ صف کا آخر رکوع لکھا ہوا تھا اور وہ محمد نامی ایک عرب کے پاس رہتا تھا، جب وینٹورا کا لشکر پنجتار کے محاذی پہاڑ پر پہنچا، اسوقت جنرل نے دوربین لگا کر لشکر اسلام کا جائزہ لیا، اس کے دلمیں منجانب اللہ کچھ ایسی ہیبت بیٹھی کہ اسی وقت خادیخان سے کہا کہ تم نے ہم کو بڑا دھوکا دیا، تم نے ہم سے بیان کیا تھا کہ پنجتار میں تھوڑے آدمی ہیں، دیکھو سامنے کا پورا میدان سواروں، پیادوں اور نشانوں سے بھرا ہوا ہے یہ کہاں سے آگئے، لیکن مہاراجہ کے خوف سے طوعاً وکرہاً فوج لیکر پہاڑ سے اترا اور نئی دیوار کے قریب آکر اس کو گرانے کا حکم دیا، مرزا احمد بیگ نے جو اس کی حفاظت پر متعین تھے، پہاڑ پر چڑھ کر لشکر اسلام کو حملہ کی اطلاع دی، سید صاحب نے سواروں کو آگے بڑھایا اور مرزا حسین بیگ گولہ انداز اور افسر شاہین کو حکم دیا کہ شاہین چلاؤ، دیوار پر چڑھنے والے چند سکھ گولوں سے مرے۔ لشکر اسلام نے وقار و انتظام کے ساتھ بڑھنا شروع کیا، ونٹورا نے یورش اور جوش دیکھ کر پسپا ہونا شروع کیا، غازیوں نے درہ کی انتہا تک اس کا

تعاقب کیا، ونیٹورا دریائے سندھ کو عبور کر کے لاہور چلا گیا۔

منافقین کی سرکوبی اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا، مخالفین صرف اپنی شرارتوں اور مخالفتوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ سکھوں سے سازشیں کرتے تھے ان کو مسلمانوں پر چڑھا لاتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ انکی سرکوبی کیجائے تاکہ ایک طرف سے اطمینان ہو، چنانچہ ۱۰ ر صفر ۱۲۴۵ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی قیادت میں ایک بہت تھوڑی سی جمعیت نے اپنی حُسن تدبیر اور دلیری سے قلعۂ ہنڈ پر قبضہ کر لیا اور خادیخان مارا گیا، خادیخاں کے بھائی امیر خاں نے یار محمد خاں سے مدد چاہی، یار محمد خاں نے مدد کی، لیکن ۱۵، ربیع الاول ۱۲۴۵ھ کو وہ بھی مقام زیدہ میں بڑی جمعیت کیساتھ مجاہدین کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے امیر خاں کا بھی انتقال ہو گیا، اب سکھوں کے علاوہ صرف سلطان محمد خاں برادر یار محمد خاں مجاہدین کا حریف رہ گیا تھا، بھائی کے قتل کے بعد سلطان محمد خاں نے انتقام لینے پر کمر باندھی اس کے پاس لیلیٰ نام ایک نہایت نفیس گھوڑی تھی جس کے لئے رنجیت سنگھ مجنون ہو رہا تھا اور برسوں سے اس کی فرمائش کر رہا تھا، مگر سلطان محمد خاں دینے پر راضی نہیں ہوتا تھا، اس مرتبہ اس نے از خود وہ گھوڑی اور مروارید رنجیت سنگھ کے نذر کر دیئے اور مجاہدین کے مقابلہ میں مدد مانگی۔

یار محمد خاں کے قتل کے بعد تمام اہل پشاور نے سید صاحبؒ کو پشاور

تشریف لانے کی دعوت دی، سید صاحب نے سلطان محمد خاں کے پاس ایک اعلام نامہ شرعی بھیجا

سلطان محمد خاں نے والدہ کے طعنہ سے مجبور ہو کر قلعہ ہنڈ پر حملہ کر دیا، قلعہ میں اس وقت صرف پچاس ساٹھ غازی تھے وہ محصور ہو گئے، سلطان محمد خاں کی فوج کا افسر کیول نام ایک انگریز تھا، ایک ہفتہ کے شدید محاصرہ کے بعد حملہ آور نے پیغام بھیجا کہ اگر غازی خالی ہاتھ قلعہ سے باہر جانا چاہیں تو کوئی مزاحمت نہ کیجائے گی، اس عہد و پیمان کے بعد غازی قلعہ سے باہر نکل آئے ان کے نکلتے ہی سلطان محمد خاں نے ان کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ بھائی کی قبر پر تم سب کو ذبح کر دوں گا، اور ان کو ہشت نگر کے ایک مکان میں بند کر دیا لیکن وہ رات کو نقب لگا کر نکل گئے اور صحیح سلامت اپنے لشکر میں پہونچ گئے۔

مرکز مجاہدین کی تبدیلی

اس وقت سید صاحب اور ان کے انصار کی حالت اس ملک میں بالکل وہی تھی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی عراق میں، چند مخلصین کے علاوہ کوئی شخص قابل اعتماد نہ تھا، جس پر اعتماد کیا جاتا تھا وہ دغا دیتا تھا، اس حالت میں ان سے مدد تو درکنار وہ سب سے بڑے سد راہ تھے اس لئے سید صاحب کی تجویز ہوئی کہ بجائے سرحد کے کشمیر کو اپنا مرکز بنایا جائے،

چنانچہ مولانا اسمٰعیل صاحب کو اس مقصد کے لئے کشمیر بھیجا لیکن پائندہ خان
انب دعشرہ کے حاکم نے جس کے علاقہ میں سے راستہ جاتا تھا، سخت مزاحمت
کی، سید صاحب نے مولانا کو اس کی سرکوبی کا حکم دیا اور قلعہ انب فتح ہو گیا،
پائندہ خان فرار ہو گیا، ملک میں نظام شرعی جاری کر دیا گیا، اور مجاہدین کا مرکز
اور دفتر منتقل ہو کر انب میں آ گیا، سکھوں سے ایک جنگ میں مولوی محمد حسن رامپوری اور
سید احمد علی صاحب (سید صاحب کے بھانجے) شہید ہو گئے، سید احمد علی صاحب
کی شہادت کا حال تفصیل سے جب راوی نے سید صاحب کو سنایا اور ان کے
زخم اور مردانگی واستقامت کا حال بیان کیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو
جاری ہو گئے۔

سفارت گفت و شنید انھیں دنوں میں سید صاحب کی خدمت میں رنجیت سنگھ
کی طرف سے انب میں ایک سفارت آئی جس میں سردار وزیر سنگھ جمعدار خسرہ پورہ
اور حکیم عزیز الدین صاحب تھے، انھوں نے مہاراجہ کا یہ پیغام پہونچایا کہ آپ
دریائے سندھ کے اس طرف کا علاقہ اپنے قبضہ میں رکھیں اور اسمیں آزادی
سے احکام شریعت جاری کریں اور اس کو مہاراجہ کی طرف سے انعام سمجھیں
لیکن دریائے سندھ کے اس جانب کا ارادہ نہ کریں، سید صاحب فقیر ہیں
اور میں امیر ہوں، امیروں کا فرض فقیروں کی خدمت کرنا ہے، اور فقیروں کا
کام امیروں کی دعا گوئی ہے، اگر سید صاحب اس سے زیادہ ملک گیری کا قصد کریں گے

تو دنیا داروں کی طرح حریص سمجھے جائیں گے، ہم دونوں کے لئے بہتر یہی ہی کہ اپنے اپنے حصہ پر قانع رہیں،

سید صاحب کی زیارت اور مجاہدین کی صحبت مواعظ سے سردار وزیر سنگھ مسلمان ہو گئے، مگر سید صاحب نے ان کو اجازت دی کہ وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھ کر اسلام کی خیر خواہی کرتے رہیں، راجہ شیر سنگھ اور جنرل ونٹورا بارہ ہزار لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے پر جواب کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اگر انکار ہو تو مناسب کارروائی کی جائے۔

سید صاحب نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور حاجی بہادر شاہ خاں کو آٹھ آدمیوں کے ساتھ سفارت کے لئے دربار لاہور بھیجا، یہ سفارت اسلام پہلے ونٹورا کے لشکر میں گئی اور راجہ شیر سنگھ اور جنرل ونٹورا سے گفتگو کی، مولوی خیر الدین صاحب نے ونٹورا سے ایسی آزادی بے تکلفی اور شان سے باتیں کیں جیسے حضرت سعد بن وقاص فاتح عراق کی سفارتوں نے یزدگرد اور رستم کے دربار میں گفتگو کی تھی، بہت دیر تک علمی اور دینی گفتگو رہی، سید صاحب کا تذکرہ رہا، جنرل کی کوشش اخیر وقت تک یہ رہی کہ سید صاحب کوئی انگوٹھا تحفہ میں دیں تاکہ اس زمانہ کے دستور اور اصطلاح کے مطابق باجگزار سمجھے جائیں اور حکومت لاہور کو اس پریشانی سے فرصت ہو اور ونٹورا کی کارگزاری ظاہر ہو لیکن مولوی خیر الدین صاحب نے مایوس کن جواب دیا اور سفارت واپس آئی،

اور ونیٹورا کا پنجتار پر حملہ کرنے کا ارادہ ہوا جس کی اطلاع سردار وزیر سنگھ نومسلم کے ذریعہ سے ہوگئی۔

لیکن حملہ آور لشکر پر اس افواہ سے کہ آج رات کو مجاہدین اس لشکر پر شبخون ماریں گے، کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ رات بھر کسی کو نیند نہیں آئی، ہر سوار اپنے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں پکڑے رہا، جھرنوں اور نالوں میں سے پانی گرنے کی آواز سے لشکر میں انتشار پیدا ہو جاتا تھا، ہر آہٹ اور کھٹکے پر غازیوں کا کھٹکا ہوتا تھا، اور شور و غل مچ جاتا تھا، لشکر کی یہ حالت دیکھ کر ونیٹورا کے حکم سے افسروں نے لشکر کو تسلی دی، مگر صبح کے قریب سارے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی، لشکر نے دریائے سندھ کو عبور کیا، اور اس کا پُل بھی توڑ ڈالا کہ غازی اس راستہ سے نہ آسکیں،

غیر شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کا نکاح

سید صاحبؒ ان جنگی مہموں اور صبح و شام کی جنگی مصروفیتوں میں بھی جن کی وجہ سے کھانے پینے کی فرصت نہ تھی اور راتوں کو نیند اور دن کا آرام حرام ہو رہا تھا ایک منٹ کے لئے اصلاح اور احکام شریعت کے اجراء سے غافل نہ تھے اسلئے کہ یہی سب سے بڑا مقصد تھا اور اسی کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا ہندوستان کے عام خاندانوں کی طرح افغانستان اور سرحد میں عام رواج تھا کہ بیواؤں کے علاوہ کہ ان کا نکاح ثانی تو حرام مطلق تھا خود ساختہ شرائط اور رسوم کی

وجہ سے شادی کو ایک مصیبت بنا رکھا تھا، اس کی وجہ سے لڑکیاں نکاح کے بغیر اور نکاح کے بعد گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جاتی تھیں، یا عمر طبعی نکل جاتی تھی یا مجبور ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو جاتی تھیں، سید صاحبؒ نے نکاح بیوگان کا حکم شرعی بیان کیا اور اس رسم بد کے شرعی و عقلی مفاسد بیان کیے، اس سے خاصا نفع ہوا، لیکن بہت سے لوگوں اور خاندانوں اور امراء پر یہ سخت شاق ہوا، اور ان کی مخالفت کے اسباب میں سے ایک یہ بھی بڑا سبب تھا۔

درانیوں کی آخری جنگ درانیوں نے بارہ ہزار لشکر اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ مجاہدین کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کی، ہر درانی جوش و غضب میں ڈوبا ہوا تھا، تین ساڑھے تین ہزار مجاہدین نے ان کا مقابلہ کیا اور اپنی پھرتی اور دلیری سے توپوں پر قبضہ کر کے ان کو سخت ہزیمت دی، درانیوں کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، مجاہدین کے صرف بیس آدمی شہید ہوئے، اس سے درانیوں کی قوت ٹوٹ گئی۔

فتح پشاور اس کے بعد سید صاحبؒ نے بغیر کسی مزاحمت و دقت کے پشاور فتح کر لیا، اہل شہر نے پُرجوش خیر مقدم کیا، اور مبارک باد دی، سید صاحب نے شہر میں داخل ہوتے ہی امن کی منادی کر دی اور ممانعت کر دی کہ مجاہدین میں سے کوئی شخص کوئی چیز بلا قیمت نہ لے یا کسی قسم کا

جبر و تعدی نہ کرے، شہر کی دوکانیں کھل گئیں، کسبیاں اور فاحشہ عورتیں اپنے گھروں میں روپوش ہوگئیں، شراب کی بھٹیاں اور مسکرات کی دوکانیں بند ہوگئیں، شریعت کے احکام جاری ہوگئے، اور تارکین صلوٰۃ پر تعزیر مقرر ہوگئی سید صاحبؒ کے نام کا سکہ بھی جاری ہوگیا،

سلطان محمد خاں نے ارباب فیض اللہ خاں ہمند کو آپ کی خدمت میں بھیجکر اپنی تقصیر و غلطیوں کی معافی مانگی اور آئندہ کے لئے توبہ کی اور درخواست کی کہ پشاور انہیں سپرد کر دیا جائے، میں اس میں شرعی احکام کے مطابق آپکی نیابت کروں گا، آپ نے فرمایا کہ ہمیں ان سے کوئی دشمنی نہ تھی اور نہ لڑنے کی ضرورت تھی، ہم تو اللہ کے کام کے لئے اس ملک میں آئے ہیں، سرداران پشاور خواہ مخواہ ہم سے اُلجھے اور پیچھے پڑ گئے، اسی میں سردار یار محمد خاں کی جان گئی، سلطان محمد خاں نے کفار کی مدد کی اور مجاہدین سے برسرپیکار ہوئے اللہ نے اپنے عاجز بندوں کی مدد کی اور یہ دن دکھایا

سلطان محمد خاں نے بار بار بڑی عاجزی اور اصرار سے اس کی درخواست کی اور اللہ کا واسطہ دلایا، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میں توبہ کا احترام کرتا ہوں اور اللہ کے بھروسہ پر اللہ کا یہ ملک سپرد کرتا ہوں، لوگوں کو اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ میں سلطنت و ریاست کا طالب نہیں ورنہ کوئی فاتح یہ نہ کرتا۔ تمام اہل الرائے اور لشکر مجاہدین اور خود سید صاحب کی مرضی اسکے خلاف تھی

سید صاحبؒ نے بہت دیر تک سلطان محمد خاں کو نصیحتیں کیں اور اجرا احکام شرعی کے فوائد واہمیت بتائی اور خدا کا خوف دلایا اور حکومت کی سند عطا فرما کر مولانا سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو قاضی شہر بنا کر اور دوسرے اشخاص کے ذمہ شرعی خدمات کر کے پنجتار واپس ہوئے۔

سردار پشاور کی غداری اور سید مظہر علی صاحبؒ اور تحصیلداران عشر کا قتل

چند مہینوں تک پشاور کا انتظام نظام شرعی کے مطابق ہوتا رہا، اور مقدمات دیوانی و فوجداری کا فیصلہ شرعی ہوتا رہا لیکن اس میں بہت سے لوگوں کا دنیاوی نقصان تھا اور وہ یہ ایثار زیادہ دنوں تک نہیں کر سکتے تھے اسکے علاوہ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ نئے اور پُرجوش عمال حکومت سے احکام حدود و شریعت کے اجرا میں کچھ عجلت اور بعض بے اعتدالیاں اور سیاسی غلطیاں ہوئیں، جن کا لحاظ انھوں نے اپنے نشۂ دینی اور نیک نیتی میں نہیں کیا، انھوں نے بغیر ماحول اور قوم کی طبائع کا خیال کئے ہوئے شریعت کے احکام جاری کرنے چاہے، اور اس میں "تدریج" "تیسیر" اور تسامح سے کام نہیں لیا، مگر اس گناہ کی سزا جو اہل پشاور نے دی وہ اس گناہ سے کہیں بڑھی ہوئی تھی، اور اس میں خود انھوں نے اس گناہ کا ارتکاب کیا جو شریعت اسلامی اور تاریخ اسلام معاف نہیں کر سکتی اور جس کی سزا خود ان کو بہت بھگتنی پڑی۔

سب سے پہلے سلطان محمد خاں نے سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی اور اپنے محسن

ارباب فیض اللہ خاں کو (جنھوں نے پشاور کی حکومت کیلئے سید صاحبؒ سے سلطان محمد خاں کی سفارش کی تھی)، قتل کیا، اور اس کے بعد خفیہ سازش کر کے رات کو تمام تحصیلداران عشر کو قتل کرا دیا، کوئی عشاء کی نماز میں، کوئی آدھی رات کو کوئی کسی گانوٗں میں عین نماز فجر میں قیام و رکوع و سجود کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔[۱]

یہ مظلوم علم و عمل اور خدا ترسی، اتقاء، اور اتباع شریعت میں سارے ہندوستان کا انتخاب تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان میں زمین کا نمک تھے، اس واقعہ کربلا کی خبر جب لشکر مجاہدین میں پہونچی تو پانوٗں تلے کی زمین نکل گئی اور مجاہدین ہاتھ مل کر رہ گئے، سید صاحب کو سخت صدمہ ہوا، کثیر التعداد مخلصین کی شہادت، پشاور کا قبضہ سے نکل جانا، سرداران قوم کی غداری ایسے حوادث تھے جنھوں نے آپ کا دل توڑ دیا، اور آپ کو ایک مرتبہ پھر اس پر غور کرنے پر مجبور کر دیا کہ تعمیر و تخریب کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا، ابتداء سے لے کر اس وقت تک کوئی واقعہ اسقدر ہمت شکن اور روح فرسا نہیں پیش آیا تھا، جسقدر یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کے بعد آپ کے صبر و تحمل اور حسن ظن کی حد ہو گئی۔

اس کے بعد سید صاحبؒ نے یہ طے کر لیا کہ یہاں رہ کر کام کرنا کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے، اس کام کے لئے دوسری جگہ تلاش کرنی چاہئے،

---

(۱) سوانح احمدی

مرکز کی تبدیلی اور ہجرت

سید صاحبؒ نے کئی وجوہ سے سندھ کو اپنا مرکز بنانا چاہا اور ہجرت کی تیاری کی، آپ نے لوگوں کو جمع کیا، انکی خدمات کا اعتراف اور ان کا شکریہ ادا کیا اور نہایت پر اثر طریقہ پر اپنا ارادہ بیان کیا اور ان کو رخصتی کلمات نصیحت فرمائے، لوگ زار و قطار رو رہے تھے، سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو چھوڑ نہیں سکتے، ہماری خدمت و رفاقت قبول فرمائیں سید صاحب نے چند ضروری شرائط کے ساتھ منتخب لوگوں کو رفاقت کی اجازت دی اور ۱۲۴۶ھ ماہ رجب میں آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا، یہ منظر نہایت حسرتناک و دلخراش تھا۔

اس لشکر کے ساتھ وہاں کی امن و عافیت اور سلامتی و برکت بھی جدا ہوگئی، ان کے ہٹتے ہی سکھوں کا لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اتنی خوں ریزی و آتشزنی کی جو کبھی نہ کی تھی،

اہل عبرت نے اس کو آسمانی تعزیر و انتقام سمجھا،

راستہ میں سکھوں سے چند معرکے پیش آئے، خدا کو منظور تھا کہ شریعت و جسد اسلامی اور مسلمانوں کی قسمت و عزت کا یہ خزانہ بالاکوٹ میں دفن ہو۔

سید صاحبؒ کا آخری خط بالاکوٹ سے

حسن اتفاق سے ہم کو سید صاحب کا ایک آخری خط مل گیا ہے جو آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیر الدولہ مرحوم کو ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ یعنی شہادت سے صرف

گیارہ روز پہلے لکھا تھا، اس کے ایک حصہ کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے

"باقی حال یہ ہے کہ اہل سمہ چونکہ بدبخت ازلی تھے، انھوں نے جہاد کے بارہ میں مجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کی بلکہ کافروں کے اغوا سے بعض مجاہدین ابرار کو جو بعض ضرورتوں سے اپنے لشکر سے نکل کر گاؤں میں متفرق ہو گئے تھے اور منتشر تھے بیخبری شہید کردیا، اگرچہ اصل لشکران کے گزند سے محفوظ اور خدمت دین کے لئے مستعد خصوصًا ان منافقین کو زیروزبر کرنے اور ان سرکشوں سے انتقام لینے کا آرزومند تھا، لیکن چونکہ وہاں ٹھہرنے سے اصل مقصود یہی تھا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مجاہدین کی رفاقت اختیار کرکے کفار کا مقابلہ کرے اور اس چیز کی اب ان سے بالکل توقع نہیں رہی، اس لئے وہاں سے ہجرت کرکے پکھلی کے پہاڑوں میں آگیا ہوں، ان پہاڑیوں کے رہنے والے حُسن اخلاق سے پیش آئے اور جہاد کے بارہ میں انھوں نے پختہ وعدے کئے اور اپنے وطن میں انھوں نے رہنے کے لئے جگہ دی، چنانچہ فی الحال بالاکوٹ کے قصبہ میں کہ اس کے دروں میں سے ایک درہ میں واقع ہے، جمیعت خاطر کیساتھ ٹھہرا ہوا ہوں اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلہ کے لئے تین چار کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے، لیکن چونکہ مقام مذکور نہایت محفوظ ہے، لشکر مخالف خدا کے فضل سے وہاں تک نہیں پہونچ سکتا۔

ہاں اگر مجاہدین خود پیش قدمی کریں اور اُن سے نکل کر لڑیں تو جنگ ہو سکتی ہے، مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کیجائے۔ بارگاہ واہب العطیات سے امید یہی ہے کہ فتح و نصرت کے دروازے کھول دے گا، اگر اللہ کے حکم سے تائید ربانی شامل حال رہی اور یہ جنگ کامیاب رہی تو انشاء اللہ دریائے جہلم و ملک کشمیر تک مجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا، دن رات دین کی ترقی اور لشکر مجاہدین کی کامرانی کے لئے دعا کرتے رہیں۔ والسلام"

مورخہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ

مشہد بالاکوٹ
۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ

راجہ شیر سنگھ نے سب طرف سے اپنی فوجیں اور توپیں ہٹا کر بالاکوٹ میں جمع کر دیں، اور بالاکوٹ سے دو کوس پر اپنا لشکر گاہ بنایا، بالاکوٹ جانے کے دو راستے تھے، ایک پہاڑی راستہ جو سابق بادشاہوں کا بنایا ہوا تھا لیکن اس پر اسقدر درخت اور گھاس اگ آئی تھی کہ سوائے شہر کے خاص خاص واقفوں کے کسی کو معلوم نہ تھا۔ دوسرا راستہ ایک چھوٹے سے پل پر سے ہو کر نا ہو رجاتا تھا، سید صاحب نے دونوں ناکوں پر محافظ بٹھا دئے، جن کی تعداد ضرورت سے کم تھی، مسلمانوں کی بدنصیبی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور اس کا سب سے زیادہ اور آخری درجہ (اور افسوس ہے کہ انھیں کے ہاتھوں) پیش آنے والا تھا، شیر سنگھ

بالاکوٹ کی تسخیر کو ناممکن سمجھ کر واپس جانے والا تھا کہ محافظین میں سے کسی شخص نے اس کو کوہستانی راستہ کا مفصل حال بتادیا[1] اور اس کے آدمی کو ساتھ لاکر اچھی طرح سے وہ راستہ دکھادیا، راجہ نے ایک دن پچھلی رات سے تیاری کرکے دفعۃً اس راستہ کے محافظ دستہ پر حملہ کرکے ناکہ پر قبضہ کرلیا اور سید صاحب کو اطلاع ہوتے ہوتے تمام لشکر پہاڑ پر مور و ملخ کی طرح چھا گیا۔

اس وقت مجاہدین نے اپنی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی، خوشی سے ہر ایک کا رنگ چمک رہا تھا، اور خون جوش پر تھا، سب نے اپنے بھائیوں سے اپنا کہا سنا معاف کروایا، سید صاحب نے ایسی تیاری کی جیسے کہیں جانا ہو، راوی کہتا ہے کہ "آپ اسوقت ملکی صفات میں تھے، آپ کا چہرہ ایسا دمک رہا تھا کہ کسی کی نظر اس پر نہیں ٹھہرتی تھی"۔

قائدین نے لشکر کو ترتیب دی، مجاہدین اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر لڑے شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی حالت ہی دوسری تھی، برسوں کے ارمان نکلنے کا وقت آیا تھا، آپنے اپنی مردانگی، خارق عادت، شجاعت اور حرارت ایمانی کے آخری جوہر دکھائے، اور آخر اپنا سر دے کر وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کو اسوقت سے بوجھ معلوم ہو رہا تھا، جب سے کہ آپ نے جہاد و شہادت کے فضائل پڑھے تھے اور اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔

---

(۱) سوانح احمدی

اسوقت کسی کو اپنے سر پیر کا ہوش نہ تھا، کربلا کی گھڑی نازل تھی، اسی حالت میں لوگوں نے دیکھا کہ سید صاحبؒ نہیں ہیں۔

اس معرکہ میں وہ لوگ شہید ہوئے جو ہر حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کیلئے بہت خیر و برکت تھے، انکی شہادت خواہ ان کے لئے کتنا ہی ربح عظیم ہو۔ لیکن اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خسارہ تھا، تقدس و تقوےٰ اور سنت و شریعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور جو ساری دنیا کو معطر کر سکتا تھا، بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا، لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اس تاریخ کو مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ غروب ہو گیا، مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی سیکڑوں برس کے لئے ایک خواب بے تعبیر ہو گئی، شرع و دین کا جلال اور اس کا تخت و تاج لُٹ گیا اور ہندوستان کی آزادی صدیوں کے لئے پچھڑ گئی، بالاکوٹ کی زمین چند مذہبی دیوانوں ہی کا مقتل نہیں بلکہ بہت سے سیاسی ہوشمندوں کی بھی عبرت گاہ ہے اور سارے ہندوستان کے یکساں احترام کی مستحق ہے آج بھی وہاں کی وادی ہندوستان کو پیغام سُناتی ہے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

جنگ کے بعد میدان کی حالت نہایت پر اثر تھی، سارا میدان غریب الوطن

شہدار کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا، سکھوں نے (مشہور روایت کے مطابق) حضرت سید صاحبؒ اور جناب شاہ صاحبؒ کے جسد مبارک کو شناخت کراکر نہایت احترام سے اسلامی طریقہ پر دفن کرا دیا"(۱)

بعد میں جب اہل قریہ آئے تو انھوں نے دوسری لاشوں کو بھی سپرد خاک کر دیا،

بقیۃ السیف پہاڑوں اور وادیوں میں منتشر ہو گئے ان میں سے کچھ نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک کی دعوت و درخواست پر مع سید صاحبؒ کے اہلبیت کے ٹونک چلے گئے اور بقیہ زندگی عبادت وخدمت وخلق واشاعت سنت میں گزار دی، نواب جنت مکان نے انکی قدر دانی وتعظیم واکرام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، اور جو ایک فدائی پیر بھائی، ایک مومن اور ایک بلند حوصلہ رئیس کر سکتا ہے، آپنے ان کے ساتھ میں کیا۔

دوسرے اصحاب ستھانہ چلے گئے اور انھوں نے وہاں اپنا فوجی مرکز اور اور شرعی نظام قائم کر لیا اور جن اصول پر ان کے بزرگوں نے بالاکوٹ میں جان دی تھی انھیں اصول پر وہ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا" اس جماعت کے کارناموں اور اس کے دینیؒ

---

(۱) سوانح احمدی

سیاسی اثرات کے بیان کے لئے ایک دوسری مستقل تاریخ اور ضخیم دفتر درکار ہے۔ یہ ہندوستان کی اسلامی دینی وسیاسی بیداری کی تاریخ کا سب سے پہلا اور سب سے اہم باب ہے، اس کے بغیر ہندوستان کی آزادی و بیداری کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس کی سیاسی اہمیت اور اس کے متعلق غیروں کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "مسلمانانِ ہند" مطالعہ کرنی چاہئے، جو اگرچہ نہایت مبالغہ آمیز اور کہیں کہیں گمراہ کن ہے لیکن اس سے تحریک کی سیاسی اہمیت معلوم ہوتی ہے، ڈاکٹر اسٹارڈ کے الفاظ ہیں:۔

"شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز سید احمد نے پنجابی مسلمانوں کو اُبھار کر حقیقتاً ایک مذہبی سلطنت قائم کرلی، مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی فتوحات کا امکان جاتا رہا، اس سلطنت کو سکھوں نے سنہ ۱۸۳۰ء میں برباد کردیا، لیکن جب انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تب بھی وہابی عقائد کی سلگتی ہوئی چنگاریوں نے بہت کچھ پریشان کیا یہ خیالات عرصہ تک باقی رہے اور اسباب غدر میں مد ہوئے اور انہیں عقائد نے افغانستان اور شمالی مغربی سرحد کے وحشی قبائل کو ہمیشہ کیلئے مذہبی تعصب میں رنگ دیا۔"

(جدید دنیائے اسلام مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ)

اس جماعت کی چہل سالہ کارگزاری اس باب کی دوسری فصل اور اس

کتاب کا نہایت اہم حصہ ہے جو مسلمانوں کی بے نظیر تنظیم کی روداد اور مجاہدانہ کارناموں کی ایک مسلسل تاریخ ہے[1]۔ اس کے لئے کتاب کا چوتھا باب ملاحظہ ہو۔

شہادت یا غیبت آج سے چالیس پچاس سال پہلے سید صاحبؒ کے معتقدین و منتسبین میں اس کا بڑا چرچا تھا اور یہ نہایت اہم اور عام سوال تھا کہ سید صاحبؒ کی شہادت ہوئی؟ یا آپ بمصلحت روپوش ہو گئے ہیں اور ابھی بقید حیات ہیں؟ ایک بڑا گروہ جن میں سرحد کے مقیم اور اہل صادقپور اور ان کے متوسلین تھے، سید صاحبؒ کے ظہور کا منتظر اور آپ کے لئے چشم براہ تھا، تذکروں میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے سید صاحبؒ کو کسی مقام پر دیکھا اور پہچانا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خود سید صاحبؒ نے بعض کلمات ایسے فرمائے تھے جن سے اس خیال کو تقویت ہوتی تھی، مثلاً خاندان میں یہ روایت مشہور ہے اور وقائع احمدی میں بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنی ہمشیرہ سے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ سید احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی، لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، سرحد و افغانستان کا غدر نہیں جائے گا، میرا کام ختم نہیں ہو گا (او کما قال)

مولوی یحییٰ علی صاحب عظیم آبادی پھانسی گھر میں اکثر نہایت درد سے

---

(۱) اس موضوع پر مولانا سید طفیل احمد صاحب (علیگ) کی فاضلانہ کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

دردؔ کی یہ رباعی سید صاحبؒ کے اشتیاق میں پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام دردؔ کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزرے

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (مصنف سوانح احمدی و تواریخ عجیبہ) جو سید صاحب کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقف حال تھے، والد مرحوم مولانا عبدالحی صاحبؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

میں بتوسل خاندان پٹنہ کے جناب سیدنا کے حضور میں انتساب بیعت رکھتا ہوں، مگر براہ راست بھی مجھ کو ایک مرتبہ پھانسی گھر میں جس کا ذکر صفحہ ۲۶ کے آخری پارہ (تواریخ عجیبہ) میں درج ہے اور ایک مرتبہ بروقت رہائی ۱۳۰۰ھ میں پیام وسلام پہونچنے کا فخر حاصل ہوا ہے اور مجھ کو حضرت مرشدنا کی حیات وظہور کا ایسا یقین ہے جیسے اپنی موت کا، مولوی حیدر علی صاحب اور ان کے فرزند کو ۱۳۰۲ھ میں زیارت کا فخر حاصل ہوا، مولوی حیدر علی صاحب تو بعد حصول قدمبوسی چند ماہ بعد انتقال کر گئے اور ان کے فرزند زندہ موجود ہیں"۔

یہ ۶ر فروری ۱۸۹۲ء کا خط ہے ارمغان احباب میں والد مرحوم نے بسند صحیح(۱)

(۱) عالمؒ مولانا محمود حسن صاحب اور حافظ احمد صاحب و مولوی حبیب الرحمن صاحب سے اور وہ مولانا رشید احمد صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سید صاحبؒ سے دس باتیں سنی تھیں، جنمیں سے نو پوری ہو چکیں ایک باقی ہے، یعنی آپ کی غیبوبت و ظہور۔

والد مرحوم نے حضرات دیوبند کے استفسار پر اپنی یہ رائے ظاہر کی جس سے ان حضرات نے بھی اتفاق کیا کہ "اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سید صاحب نے اس قسم کی پیشین گوئیاں بیان فرمائی ہیں لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے"۔ (ارمغان احباب)

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری، سوانح احمدی میں جو اس خط کے بعد کی تصنیف ہے لکھتے ہیں:-

"ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اس واقعہ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سید صاحبؒ اور ان کے رفیقوں کو دیکھا، اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیبوبت میں روز اول سے اختلاف ہے مگر اب بسبب بُعد زمانہ کے جو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو گئے، خیال غیبوبت خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے، سید صاحبؒ کی چھوٹی بیوی صاحبہ جن سے قبل از معرکۂ بالاکوٹ سید صاحبؒ نے اپنی غیبوبت کی پیشین گوئی کی تھی اور سید صاحبؒ کے اکثر اقرباء اور اہل قافلہ آپ کی غیبوبت کے قائل تھے مگر پنجاب اور ہندستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں"۔

اب تو یہ مسئلہ اختلافی ہو ہی نہیں سکتا، اسوقت بھی ظاہر یہی تھا کہ حضرتؒ کی شہادت

ہوگئی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات کی بنا پر، یا گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے کے لئے، یا بعض حلقوں میں جوشِ عقیدت میں کچھ دنوں تک یہ خیال قائم رہا، مگر بُعدِ زمانہ سے کمزور پڑتا گیا، مولوی محمد جعفر صاحب جیسے عاشقِ صادق جنکو اپنی موت کی طرح سید صاحبؒ کی حیات کا یقین تھا، اپنی آخری تصنیف میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "بسبب بُعدِ زمانہ کے یہ خیال خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے اور پنجاب و ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں"

باب سُوم (۳)

تجدید - امامت - تزکیہ

تجدید کتب سنن کی حدیث ہے ان اللہ یبعث علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھذہ الامۃ امر دینھا، اللہ تعالیٰ ہر سو برس کے اوپر ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس امت کے لئے اس کا دین نیا اور تازہ کردے،

"تجدید دین" اسلام میں بہت بلند مقام اور مخصوص رتبہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لئے تجدید دین کا کام اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آپ کی امت کے چند اولوالعزم افراد سے لیگا جنکی کوششوں اور مسیحا نفسی سے دین میں جان پڑے گی اور اہل دین میں نئی زندگی پیدا ہوگی بہت سے لوگوں نے جو اس مقام سے واقف نہیں، محض کثرت تصنیف یا تبحر علمی کو کافی سمجھا اور مجددین امت کی فہرست ترتیب دی جس پر بحث کرنا اس وقت ہمارے دائرہ سے خارج ہے، علماء و مبصرین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت سید احمد صاحبؒ تیرھویں صدی کے مجدد تھے اور اگر تجدید دین کوئی چیز ہے تو آپ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا،

مولانا شبلی مرحوم نے امام ابن تیمیہؒ کے تذکرہ میں مجدد کیلئے تین ضروری شرطیں قرار دی ہیں۔

(۱) مذہب یا علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کرے۔

(۲) جو خیال اس کے دل میں آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہاد ہو۔

(۳) جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو(۱)

ہمارے علم میں کم سے کم ہندوستان میں ان آخری صدیوں میں اس کا پورا مصداق سید احمد صاحبؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

تیسری شرط یعنی جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو اور سرفروشی کی ہو۔ اس کی تفصیل اس کتاب کا پہلا اور دوسرا باب ہے، سرفروشی کا تصور سید صاحبؒ کے نام کے ساتھ آتا ہے اور مجاہد پر اس نام کی دلالت تقریباً دلالت التزامی وعرفی ہوگئی ہے، مذہب میں آپ نے متعدد مفید انقلابات پیدا کئے۔

پہلا انقلاب تو عام دینداری اور تشرع ہے جو پہلی حالت کی نسبت سے انقلاب عظیم ہے اور اس میں آپ کا شمار مخصوص ترین مشائخ (مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) اور مصلحین اسلام کے گروہ میں ہے، آپ کے وجود نے اسلام کے حق میں باران رحمت اور باد بہاری کا کام کیا، آپ سے اسلام کے

(۱) مقالات شبلی

خزاں رسیدہ چمن میں بہار آئی، دینداری و تشرّع کی ہوا چل گئی، آپ کے ہاتھوں پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا، فساق و فجار، ابرار و اخیار ہو گئے، ہزارہا غافل و کم ہمت شیخ وقت اور سالک طریق بن گئے، جدھر سے آپ گزرے عمل کا شوق، عبادت الٰہی کا ذوق، اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہو گیا طاعات آسان ہو گئیں، معاصی سے نفرت ہو گئی خشیت الٰہی پیدا ہو گئی، جہاں آپ ٹھہرے شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں، میخانوں میں خاک اُڑنے لگی مسجدیں آباد ہو گئیں، جب آپ سفر حج کے لئے مکان سے چلے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ

"مجھ کو عنایت الٰہی سے امید قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت میں، فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ پکّے موحد اور متقی ہوں گے"۔

آپ کا سفر حج (باب اول) پڑھنے والے جانتے ہیں کہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہوئی، آپ کے خلفاء و رفقاء و منتسبین سے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر جو کچھ دینی و روحانی فیض پہونچا وہ آپ ہی کے نامۂ تجدید میں داخل ہے۔

مولوی عبد الاحد صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت سید احمد صاحبؒ قدس سرہٗ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی

اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں (سوانح احمدی)

صرف مولوی کرامت علی صاحب جون پوری کی کوششوں سے جو آپ کے مشہور خلیفہ تھے، بنگال میں لاکھوں آدمی مشرف باسلام ہوئے۔

دوسرا انقلاب شرک و بدعت کا استیصال اور توحید و سنت کی اشاعت ہے۔ اس میں حضرت مجدد صاحبؒ کے بعد آپ کا کوئی نظیر نہیں، آپ سے شرک و بدعت کی اس قدر بیخکنی ہوئی کہ اگر کوئی حکومت بزور شمشیر کرتی تو اس سے زائد استیصال ممکن نہ تھا، آپ توحید و سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے، آپ کے متبعین و منتسبین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں اور اس میں وہ صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے، شرک و بدعت کے نام سے بھاگتے تھے، اور توحید و سنت پر جان دیتے تھے، گناہ ان سے ہو سکتا تھا، مگر شرک ان سے نہیں ہو سکتا تھا، بدعت سے کوسوں دور تھے، بچے اور عورتیں بھی اس رنگ میں کامل تھیں، اور بہت سے راسخین سے زیادہ راسخ۔

مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں

"مجھ کو حضرت سید احمد صاحبؒ کے ساتھ محبت و عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے

میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بڑھ کر ہیں، باقی خدا جانے کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے، میں اپنے قلب کا مختار نہیں ہوں، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر میں کہتا ہوں، اللہ تو ہی جانے میں مجبور ہوں، شاہ صاحبؒ کے پہلے بھی اس خاندان میں اتباع سنت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجہ کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں۔ لیکن اب خدا جانے کیا بات ہوگئی ہے جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا اسیں وہی رنگ آ گیا"(۱)

"سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر بیعت لیتے تھے اور بس سید صاحب اتباع سنت کے لئے ازحد تاکید فرمایا کرتے تھے، اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا مولانا نے فرمایا کہ حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں ابھی ہاتھ چھوڑ دوں گا"(۲)

ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں:۔

"سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہے کہ سید صاحب کے

---

(۱) ارمغان احباب (سفرنامہ) مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم۔ (۲) تذکرۃ الرشید

مریدوں میں ان کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ پھر کسی طرح اسمیں تغیر نہیں آتا تھا، بلا کی تاثیر تھی ایک مرتبہ جس نے ان کی صحبت اختیار کر لی وہ پھر انہیں کا دم بھرنے لگتا تھا، مرد تو مرد عورتیں جنھوں نے سوائے ایک بار کے کبھی انکی زیارت نہیں کی وہ ایسی پختہ ہو جاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں، میری والدہ سید صاحب کی مرید تھیں لیکن اس طور پر کہ نانوتہ جب سید صاحب تشریف لے گئے اور عورتوں نے مرید ہونا چاہا، تو ایک مکان میں وہ سب جمع کر دی گئیں، سید صاحب تشریف لائے اور دروازہ سے پگڑی پھینک دی گئی، سبھوں نے اس کو تھام لیا اور توبہ کر لی، ان عورتوں پر اچھی طرح وعظ و پند کا بھی اثر نہیں پڑ سکا لیکن باوجود اس کے میری والدہ عقائد صحیحہ پر ایسی پختہ تھیں کہ ان پر کسی کا جادو نہیں چل سکا، پیرزادوں میں ان کی شادی ہوئی اور گنگوہ کے پیرزادے نہایت سخت وہ سب ایک طرف بلکہ والد ایک طرف اور وہ ایک طرف لیکن اگر اثر پڑا ہے تو انہیں کا دوسروں پر پڑا ہے ان پر کسی کا نہیں پڑا

سید صاحبؒ نے اپنے حلقہ اثر میں رسوم شرک و بدعت کا بخوبی قلع قمع فرمادیا اور اچھی طرح سے اصلاح رسوم کی، بعض برادریوں میں ان رسوم غیر شرعیہ پر سزائیں اور تعزیرات مقرر ہوگئیں، سیکڑوں خاندانوں میں ان جاہلانہ رسوم و عادات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا، سیکڑوں امام باڑے ٹوٹ گئے، بیسیوں

مقامات شیعیت و بدعت تفضیل سے پاک ہو گئے(۱)

آپ نے اسلام کے عقائد صحیحہ کی تبلیغ اور توحید و سنت کی عالمگیر اشاعت فرمائی ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوٹا جہاں آپ کا فیض نہ پہونچا ہو، دھلی اور کلکتہ کے درمیان سیکڑوں مقامات پر آپ نے خود دورہ فرمایا، مولانا عبدالحی صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب کے مواعظ ہوئے اور اللہ کی حجت تمام ہو گئی، سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا، حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا سید محمد علی صاحبؒ رامپوری و مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو بھیجا جنھوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاح عقائد و اعمال و رسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا، ہزاروں بندگان خدا اور سیکڑوں امراء و رؤسا، و اہل علم و فضل مستفید ہوئے اور توحید و سنت کا عام چرچا ہو گیا، پورب میں آپ کے خلفاء مولانا کرامت علی صاحب و مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیئے اور بڑی کامیابی حاصل کی، ہزاروں جانوروں کو انسان بنا دیا، آج بھی آپ کے اثرات ان اطراف میں موجود ہیں۔

نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحبؒ نے روشنی پھیلائی، افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ صاحب قندھاری سے اصلاح ہوئی جن کے خلیفہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی سے پنجاب میں بڑی

---

(۱) امیر الروایات

ہدایت و روشنی پھیلی،

ملک تبت بھی آپ نے تبتیوں کا ایک وفد تبلیغ و ہدایت کیلئے بھیجا، اور مسلمانوں کی اصلاح ان کے سپرد کی، اول ان کی سخت مخالفت ہوئی، پھر ان کو بہت کامیابی و ترقی ہوئی، ہزاروں آدمی ان کے حلقہ بگوش ہو گئے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لئے چین بھیجے۔(۱)

جاوہ، بلغار، مراکش وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء پہونچے، اور مشرق اقصیٰ سے مغرب اقصیٰ تک آپ کی مملکت تجدید کے حدود پہونچ گئے

تیسرا انقلاب یہ ہے کہ بعض ایسے اسلامی احکام جو اس وقت معاشرت و رواج کے زور سے قطعاً منسوخ ہو گئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں تھی، آپ کی ہمت و کوشش سے دوبارہ رائج و مقبول ہوئے، بیوہ کا نکاح ثانی، شرفاء وقت کی شریعت میں کفر و ارتداد سے بڑھ کر تھا، جس کی سزا اکثر قتل اور ادنیٰ سزا مقاطعہ و اخراج تھی، بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھنچ گئی ہیں، کشت و خون کی نوبت آگئی ہے، بارہا گھر بار چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس "جرم" کا مرتکب کبھی منھ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے

(۱) وفد کو روانہ کرنیکا حال باب اول میں گزر چکا ہے، میاں دین محمد سید صاحب کے خادم فرماتے ہیں کہ سرحد سے سید صاحب کے پاس ایک مرتبہ میں ہندستان آیا تو دو مرتبہ انھیں لوگوں میں کے چند آدمیوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اپنی کامیابی کی روداد سنائی اور کہا کہ اب ہم نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لئے چین بھیجے ہیں۔

سید صاحب نے مسلسل اس پر وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروازہ کھول دیا، پھر آپ کے متبعین نے آپ کی تقلید کی، اور رسم جاری ہوگئی، شاہ اسمٰعیل صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور سید صاحب دونوں بزرگوں کے خدام میں سے ہیں، کیا وجہ ہے کہ آپ دونوں حضرات کو چھوڑ کر سید صاحبؒ پر ایسے فریفتہ ہیں، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا، کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلیں، لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دیکر انکا نکاح کروادیا، اس سے تم سمجھ لو کہ میں سید صاحبؒ پر اتنا کیوں فریفتہ ہوں"(۱)۔

اسی طرح حج، علماء کی تاویلوں اور "دانش فقہی" عذر کی وجہ سے کہ راستہ میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور "من استطاع الیہ سبیلا" کے منافی ہے اسلئے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمان خداوندی ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو) کی مخالفت ہے۔ کچھ وقت کے لئے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہوگیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگیا تھا، مجدد کے لئے اس کا انتظام کرنا اور احیاء سنت نہیں بلکہ احیاء

---

(۱) ارواح ثلثہ

فرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ آپ نے اسکی دعوت دی، مولانا عبدالحی صاحبؒ و مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے اس کی فرضیت کا فتوےٰ دیا، اور منکرین کے دلائل رد کئے، جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا، لوگوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے دریافت کیا، شاہ صاحب نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کی بیحد مدح فرمائی، ۱۲۳۶ھ میں آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ بڑے اعلان اور شان وشوکت کے ساتھ حج کیا، آپ کا یہ سفر حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اسکی فرضیت کا اعلان تھا، جدھر سے آپ جاتے تھے، سیکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہوتے جاتے تھے، اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہوگیا اور ہمیشہ کیلئے اس کا دروازہ کھل گیا۔

اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں انقلاب عظیم برپا کردیا، بیسیوں آداب واسلامی عادات معاشرت میں داخل ہوگئے اور ایک نئی نسل پیدا ہوگئی، جو اپنے اخلاق معاملات اور روزانہ زندگی میں تیرھویں یا چودھویں صدی کی نہیں بلکہ قرنِ اول کی معلوم ہوتی ہے۔

سب سے بڑا مہتم بالشان اور انقلاب انگیز انقلاب جہاد کا احیاء ہے جو اس دور میں باوجود انتہائی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے بالکل فراموش ہوچکا تھا، وعظ ودرس وعمل کسی جگہ بھی اس کا وجود نہ تھا، مدارس میں بقول حضرت اسمٰعیل صاحبؒ شہید مسائل حیض ونفاس کے برابر بھی اس کی طرف توجہ اور

اسکی اہمیت نہیں رہی تھی، مسلمان وغیر مسلم بھول چکے تھے کہ اسلام میں جہاد کا بھی حکم ہے، مسلمانوں کے قویٰ مضمحل ہو رہے تھے، حوصلے پست ہو چکے تھے، فاتح اور زندہ اقوام کی خصوصیات رخصت ہو رہی تھیں، حتیٰ کہ، ہتھیار لگانا تقدس و مشیخت کے خلاف سمجھا جانے لگا تھا اور انگشت نمائی ہوتی تھی[1]۔ مسلمان کفر کا غلبہ اور اپنی مظلومی برداشت کرنے کے عادی ہوتے جارہے تھے جو نہایت مضر تھا، ہندوستان کے اس نازک ترین اور پر آشوب دور کا مقابلہ کرنے سے مسلمان غافل تھے، سید صاحبؒ نے اس زمانہ میں جہاد کا نام لیا، علانیہ اسکی تعلیم اور تبلیغ کی، منبروں پر بیان کیا، سارے ملک اور بیرون ملک میں اپنے داعی اور مبلغ بھیجے، سیکڑوں آتشیں خطوط لکھے جن کا ایک ایک فقرہ شمشیر و سنان کا کام کرتا ہے، اہل ایمان کو غیرت دلائی، علماء کو ان کا فریضہ یاد دلایا، عوام وخواص کے دلوں پر اس کی دینی عظمت و تقدس کا نقش بٹھایا، علماء و مشائخ و شرفاء کو اس میں شریک کر کے لوگوں کی جھجھک دور کی اور خود اس میں فنا ہو کر مشائخ و بزرگان امت کے لئے اُسوہ چھوڑا، پھر جہاد کر کے سارے ہندوستان میں سر فروشی اور جانبازی کی روح پھونک دی اور ایک ایسی قوم پیدا کر دی جس کے سروں میں قرن اول کا نشہ اور دلوں میں صحابہؓ کا سا ولولہ تھا جو کسی طاغوت و فرعون کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ آج بھی مسلمانوں میں جب

---

(۱) باب اول عسکری تربیت و مشاغل ملاحظہ ہو

طبقہ میں دین کے رنگ میں آزادی کی تڑپ ہے وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ سید صاحبؒ ہی کا فیض یافتہ ہے۔

آپ کی تجدید کا ایک نہایت قابل ذکر شعبہ تصوف کی تجدید ہے جس سے فن سلوک و طریقت میں ایک نہایت مبارک و مفید انقلاب رونما ہوا، اس اجمال کی تفصیل "تزکیہ" کے باب میں آئے گی۔

دوسری شرط یہ تھی کہ جو خیال اس کے دل میں آیا ہو وہ کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہاد ہو۔ جنھوں نے اس کتاب کا پہلا باب پڑھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ سید صاحب اس باب میں مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے اور براہ راست معلم ابراہیم کی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے، اگر ہم نفسیات اور ظاہری اسباب ہی سے بحث کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو حساس دل اور غور کرنیوالا دماغ اور دیکھنے والی آنکھ دی تھی، آپ نے قرآن مجید کثرت سے اور غور و تدبر سے پڑھا اور تربیت ذہنی اور ماحول کے حجابات اٹھا کر اس کے بعد مسلمانوں پر نظر ڈالی اور آپ کو یہ دیکھ کر تعجب اور رنج ہوا کہ مسلمان ایک عالم میں ہیں اور قرآن دوسرے عالم میں، آپ نے دین کی کس مپرسی، اس کی غربت، مسلمانوں کی کوتاہیاں دیکھیں، اور آپ کی طبیعت پر سخت اثر پڑا، آپ کی طبیعت اولوالعزم تھی اور ہمت کوہ شکن، آپ نے فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کی یہ حالت بدلیں گے، لیکن جس طرح پادریوں نے مذہبی و تبلیغی اغراض کے ماتحت انکی کوشش کی

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ کے عیسائی راہب بحیرہ کا شاگرد و فیض یافتہ ثابت کریں اسی طرح دانایان فرنگ نے اپنے سیاسی اغراض سے اس پر زور دیا کہ جن کو ہندوستان کا مجدد کہا جاتا ہے درحقیقت بانی وہابیت (شیخ عبدالوہاب النجدی) کے مرید اور ان کے شاگرد رشید تھے ۱۸۲۲ء میں آپ حج کو گئے، وہاں وہابی مبلغین سے تبادلۂ خیال ہوا، اور آپ ان کے بالکل ہم عقیدہ و ہمخیال ہو کر اور ہندوستان کے لئے وہابیت کا تحفہ لے کر آئے، سر ولیم ہنٹر اور دوسرے انگریز مؤرخین اس بارہ میں متفق اللسان ہیں، یہی اسٹاڈرڈ امریکی کا خیال ہے (۱)

ہم کو سب سے پہلے وہ سیاسی غرض سمجھنا چاہئے جس کیلئے انھوں نے یہ غلط بیانی کی ہے، ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی انگریزوں کو اس کا یقین ہو گیا تھا، کہ اگرچہ سید احمد صاحبؒ کی جماعت کا رُخ اسوقت سکھوں کی طرف ہے لیکن اگر ان کو قوت اور ہندوستان کے دوسرے مسلمانوں کا تعاون حاصل ہو گیا تو تو یہ نچلے نہ بیٹھیں گے اور کسی وقت ان سے نئی حکومت کو اندیشہ ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد تو سر ولیم ہنٹر وغیرہ نے اس کا یقین دلا دیا کہ یہ جنگ سراسر انکے مذہبی جوش اور شوق جہاد کا نتیجہ ہے اور اس کے ذمہ دار یہی ہیں اور ان کا وجود انگریزی حکومت کے لئے مستقل خطرہ ہے، اس وجہ سے انگریز مدبرین نے سوچا کہ اس جماعت سے عام مسلمانوں کی ہمدردی کو زائل کر دیا جائے تاکہ

---

(۱) اسٹاڈرڈ نے یہی روایت شیخ سنوسیؒ کے متعلق بھی لکھی ہے۔

ان کا دائرہ وسیع نہ ہو سکے، اس کے لئے ان کو ایک بنا بنایا حربہ ہاتھ آگیا ترکوں نے اپنی اسی قسم کی سیاسی اغراض سے اور ان انگریز افسروں اور سپاہیوں نے جو اس مصری فوج میں تھے جو وہابیوں کی سرکوبی کے لئے حجاز بھیجی گئی تھی، اپنی قومی اغراض کی بنا پر دل کھول کر نجد کے وہابیوں کو مذہبی طور پر بدنام کیا تھا، تاکہ عالم اسلامی کی عام ہمدردی اور حمایت انکو حاصل نہ ہونے پائے، ہندوستان میں ان کی شہرت اسوجہ سے بری تھی ہی اور ان کے عقائد و خیالات کے متعلق سیکڑوں قسم کے اقوال و حکایات مشہور تھے، انگریزوں نے اس حربہ کو اس جماعت کے خلاف استعمال کیا، ان کو صرف اتنا کرنا تھا کہ اس جماعت کا رشتہ نجد کے بدنام و رسوا وہابیوں سے ملا دیا جائے تو جو نفرت و اشتعال ان کے خلاف مسلمانوں میں موجود ہے اس طرف متوجہ ہو جائے گا اور انگریز سبکدوش ہو جائیں گے، چنانچہ اس مقصد کے لئے معاوضہ پر ان کو ہندوستان کے بعض علما مل گئے، جنھوں نے اپنی زندگی قلم کی سیاہی اور زبان کی گویائی اس کے لئے وقف کر دی اور "حسبۃً للہ" اس کام کو پورے انہماک اور تنظیم سے انجام دیا! اسکے بعد بھی برابر یہ پروپیگنڈا جاری رہا، اور اس میں حکومت کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

اس سیاسی مقصد کے علاوہ دو چیزیں اور بھی اسمیں شامل ہوگئیں ایک یہ کہ عام یورپین مؤرخین و مصنفین کا مذاق تاریخ و تحقیق اور سرعت، یہی ہے کہ

ہر چیز کا سراڈھونڈا جائے اور کڑی سے کڑی ملا دیجائے خواہ مضحکہ خیز حد تک پہونچ جائے دوسرے یورپ کے دماغوں پر عام طور سے وہابی تحریک کا اسقدر اثر ہے کہ اسلامی مشرق کی بیداری وآزادی کی تمام تحریکات بلکہ ہر نئی تحریک کو اس کا نتیجہ اور اثر بتاتے ہیں، ان کے نزدیک ایران کی بہائیت، افریقہ کی سنوسیت سید جمال الدین کی تحریک اتحاد عالم اسلامی، ہندوستان میں سید احمد صاحبؒ کی تحریک سب آتش نجد کی اڑی ہوئی چنگاریاں یا اسی خرمن کے اڑے ہوئے دانے ہیں جو دنیائے اسلام کی مختلف زمینوں میں پڑ گئے"(۱)۔

خالص تاریخی حیثیت سے اس میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱) اول تو جن لوگوں نے اس کتاب کا پہلا باب پڑھا ہے وہ بداہتہً جانتے ہیں کہ حج سے پہلے ہی سید صاحبؒ نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا جہاد کے علاوہ جتنا کام بھی سید صاحبؒ نے کیا جس میں آپ کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کا متبع و مقلد کہا جاتا ہے وہ تمام تر حج سے پہلے کا ہے اور اس زمانہ کا ہے جس کے متعلق مخالفین کا بھی دعویٰ نہیں ہے کہ آپ اس میں کسی خارجی تحریک سے متاثر ہوئے تھے، آپ کے تمام فطری جو ہر اسوقت تک ظاہر ہو چکے تھے، اصلاح عقائد و اعمال کا عظیم الشان کام آپ انجام دے چکے تھے نیز جہاد کی تیاری حج سے پہلے آپ مکمل کر چکے تھے اور اُس کی لگن تو آپ کے دل میں اسوقت سے

---

(۱) ملاحظہ ہو "جدید دنیائے اسلام" از ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ۔

لگی تھی جب کہ شائد وہابیوں کو ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہ تھا بلکہ غالباً انھوں نے کوئی جنگی اقدام بھی نہیں کیا تھا۔

(۲) دوسرے سید صاحب نے حرمین سے وہابیوں کے اخراج کے ٹھیک دس سال کے بعد یعنی ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء میں حج کیا ہے اور وہابی ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۲ء میں حجاز سے کلیتۃً بیدخل کردئے گئے تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جس کے متعلق انگریز مؤرخین بلکہ خود ڈاکٹر ہنٹر کے یہ الفاظ ہیں کہ ۱۸۱۳ء سے ۱۸۳۰ء تک کوئی وہابی مکہ کی سڑکوں پر اپنی جان کے خطرہ کے بغیر نہیں چل سکتا تھا، پھر یہ کس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہاں اس قسم کی سازش ہوئی۔[1]

(۳) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور سید احمد صاحبؒ کی تحریک و تعلیم میں بعض اصولی اختلافات ہیں جن کو دونوں تحریکوں کے واقف بخوبی جانتے ہیں،

(۴) یہ محض قیاس یا دعویٰ ہے جس کی کوئی تاریخی دلیل یا ثبوت نہیں نہ کوئی نقل ہے، یہ بات اتنی ہی ناقابل اعتبار و التفات، ہے جتنا ایک مصنف کا یہ قول کہ سید صاحب سفر حج میں قسطنطنیہ بھی تشریف لیگئے تھے[2]۔ ہم اس کو قابل توجہ بھی نہ سمجھتے مگر محض اس لئے کہ یہ ایک غلط واقعہ ہے اور اس سے غلط فہمی پھیل چکی ہے، اسقدر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

---

(۱) الحرکۃ الوہابیہ "الضیاء" (ندوۃ العلماء) لکھنؤ

(۲) تاریخ پنجاب از جج محمد لطیف

امامت

حجۃ الاسلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے حقیقت و اقسام امامت میں منصب امامت کے نام سے ایک بینظیر رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو تمام تر وجد انگیز نکات و معارف سے لبریز ہے اور جو اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں (ہمارے علم میں) بیمثال ہے، ہم اس موقع پر اس رسالہ کے چند مضامین نہایت اختصار و تلخیص کیساتھ لکھتے ہیں، جن کا تعلق ہمارے بحث سے ہے اور وہ تمہید کا کام دیں گے۔

امامت[1] نام ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت تامہ کا، اگر تمام کمالات انبیا میں مشابہت ہے تو وہ امامت کاملہ ہے، اگر کسی ایک کمال میں مشابہت تام ہے تو وہ اس کمال اور شعبہ کی امامت ہے مثلاً احکام شرعیہ کا علم

(۱) اس کتاب میں امامت اور امام کا لفظ متعدد جگہ آیا ہے اور اسکی شرعی اہمیت اور اس کے بعض مسائل احکام مختصراً گزر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں شیعوں کا عقیدہ بھی لکھ دیا جائے تاکہ اشتباہ نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ضروری ہے کہ رسولؐ کے بعد ہر زمانہ میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے تاکہ لوگ اس سے دین حاصل کریں اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول اللہ کا مثل ہوتا ہو امام کہتے ہیں اور یہاں تک کہ اس کو اپنی موت و زیست اور تحلیل حرام و تحریم حلال کا اختیار ہوتا ہے۔

دو طرح سے حاصل ہو سکتا ہے، بطریق تقلید و بطریق تحقیق، انبیاءؑ کا علم تقلید کی راہ سے قطعاً نہ تھا بلکہ بطریق تحقیق تھا، تحقیق کے بھی دو ذریعے ہیں، اجتہاد (بشرطیکہ اہل عقل کے نزدیک مقبول ہو) الہام (بشرطیکہ مداخلت نفسانی سے محفوظ ہو)، تو علم احکام میں انبیاءؑ سے مشابہ، یا تو مجتہدین مقبولین ہوں گے، یا ملہمین محفوظین، اور چونکہ کشف و الہام سے احکام کا استناد اوائل اُمت میں معروف نہ تھا، اس لئے اس فن میں انبیاءؑ سے مشابہ مجتہدین مقبولین ہیں کہ انکو ائمہ فن شمار کرنا چاہیئے، جیسے ائمہ اربعہ کہ اس فن میں مشابہت تام اور قبولیت انھیں کی قسمت میں تھی، اس لئے جمہور اہل اسلام خاص و عام میں امام کے لقب سے مشہور رہیں۔

اسی طرح عقائد میں انبیاءؑ کے علم میں تقلید کو دخل نہیں، ان کا طریقہ اس فن میں یا استدلال ہے، یا الہام، طریقۂ استدلال ظاہر ہے اور طریقۂ الہام مخفی، اس لئے اہل استدلال کو اس فن میں آنحضرتؐ سے مشابہت ظاہرہ ہے اسی لئے متکلمین اسلام میں سے قوی استدلال والوں کو امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، جیسے غزالی و رازی،

اسی طرح سیاست ایمانی (اسکی تشریح آگے آئیگی)، کے قائم و جاری کرنے میں دو طریقے ہو سکتے ہیں، کسی کا تابع ہو کر کرنا، جیسے خلفاء کے مددگار و نائب کرتے ہیں یا خود پیشوا و متبوع ہو کر جیسے خود خلیفہ کرتے ہیں، انبیاءؑ کی سیاست

دوسرے طریقہ پر تھی، اس لئے خلیفۂ اسلام نبیؐ سے مشابہ ہے اور اسی لئے اس کو امام کہتے ہیں۔

نماز کی ادائی کی دو صورتیں ہیں، تنہا یا بجماعت، جماعت کی صورت میں نماز پڑھنے والا یا مقتدی ہوگا یا مقتدا ہے، انبیاء علیہم السلام ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ مقتدا ہوتے تھے، اس لئے نماز پڑھنے والوں کا مقتدا انبیاء سے مشابہ ہے اور امام (صلوٰۃ) کہلاتا ہے، اب ہم کو انبیاء علیہم السلام کے کمالات جاننے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر ہم امامت کو جو انبیاءؑ کی نیابت اور ظل رسالت ہی نہیں سمجھ سکتے، یوں تو انبیاء علیہم السلام کے کمالات بیحد و بے شمار ہیں اور ان کا احاطہ کرنا ہم جیسے ان کے معمولی امتیوں کا کام نہیں، لیکن جن کمالات کا امامت میں زیادہ دخل ہے اس کے پانچ شعبہ کئے جاسکتے ہیں۔ وجاہت، ولایت، بعثت، ہدایت، سیاست۔

وجاہت کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات علیہم السلام کو تمام افراد انسان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے یہاں امتیاز حاصل ہے، اللہ کے منظور، مقبول و محبوب ہیں مناصب عالیہ کی تفویض کے لائق اور عظیم الشان مہمات کے سرانجام میں فائق ہیں، ان کی توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے، ان کی دعا مستجاب، انکا محب اللہ کا محبوب، ان کا دشمن اللہ کا مبغوض، انکی محبت رفع درجات کی باعث، ان کا وسیلہ وسیلۂ نجات، انکی لڑی میں پرو جانا اللہ کی عطیات کا سبب،

ان کے اتباع میں انہماک دافع بلیات ہے، غیب کے فیض کا منبع اور اسرار کے مخزن ہیں، ان کی نیاز مندی کی تھوڑی کوشش بہت مشکور اور ان کے تتبع کے بدترین گناہ مغفور ہیں، ان سے جو بیگانہ ہو، اس کی ریاضات شاقہ کوہ کندن و کاہ برآوردن اور ان کے متوسل کے سہل کام بہت مبارک کامیاب ہیں تقرب الی اللہ ان کے وسیلہ سے ایسی شاہراہ ہے جس کا طے کرنا راہ نوردان طاعات کے لئے نہایت آسان ہے اور بغیر ان کے وسیلہ کے محض آوارگی اور بے سروسامان ہرزہ گردی ہے اور اسطرح سے منصب وجاہت کے تین شعبے ہوئے۔

اللہ کے یہاں محبوبیت، ملائکہ مقربین میں عزت، عباد صالحین کیلئے وساطت فیض یا سیادت، یہ منصب انبیاء اللہ کے لئے ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے۔

اذ قالت الملئکۃ یٰمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین۔ (آل عمران)	جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے، مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں۔

اور حضرت موسیٰ کے لئے فرماتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتکونوا کالذین	اے ایمان والو تم مت ہوان جیسے جنھوں نے

اذوا موسیٰ فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا ۔ (احزاب)	ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب دکھلا دیا، اس کو اللہ نے ان کے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا،

اس وجاہت کی بھی دو قسمیں ہیں، اجتبائی، اکتسابی۔ وجاہت اجتبائی وہ ہے جس کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

واصطنعتک لنفسی (طٰہٰ)	اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے
واجتبیناھم وھدینٰھم الی صراط مستقیم (انعام)	اور ان کو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ پر چلایا۔
والقیت علیک محبۃ منی و	اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے
لتصنع علیٰ عینی ۔ (طٰہٰ)	اور تاکہ تو پرورش پائے میری آنکھ کے سامنے۔

اور حدیث قدسی ہے

اولئک غرست کرامتھم بیدی	ان کی عزت کا پودا میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا۔

وجاہت اکتسابی کو اس حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے۔

لایزال عبدی یتقرب بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی	میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی نگاہ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے

یمشی بہا ولئن سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ	اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو اس کو دوں گا۔ اگر مجھ سے پناہ چاہے تو پناہ دوں گا۔

ولایت کی حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معاملات روحانی اور کمالات انسانی میں عوام الناس کے مقابلہ میں خاص امتیاز ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خطاب کے قابل اور اس کی کتاب کے حامل اشارات غیبی کے مامور اور بشارات یقینی سے مسرور، بستان تکریم کے پروردہ اور دبستان تعلیم کے تربیت یافتہ مجالس تعظیم میں سربلند اور مدارس تفہیم کے دانشمند اسرار احکام کے مخزن اور انوار الہام کے مورد، بوارق ملکوت کے نور سے منور، اور خوارق ناسوت کے ظہور سے مؤید، ایقان و حکمت کے نور سے معمور اور تقویٰ و خوف الٰہی میں چور، محبت و موالات کے کمال سے متصف، اور لذت مناجات سے آشنا اور اس کے عاشق، حب فی اللہ کے مقام میں راسخ القدم اور بغض فی اللہ کے معرکہ میں صاحب عَلَم، خشیت و تواضع کے میدان میں نہایت ہوشیار، اور آداب خشوع میں نہایت تجربہ کار، شدت خوف و رجا میں سیماب، اور قوت محو و فنا میں مثل شبنم در آفتاب، تعظیم الٰہی میں نہایت مؤدب، اور معاملۂ رضا و تسلیم میں نہایت مہذب تبتل و تجرید میں چست چالاک، اور توکل و تفرید میں مطہر و پاک، قطع علائق نفسانی میں بیباک، اور

قلع وساوس شیطانی میں سفاک ہوتے ہیں، طہارت فطرت انکی فطرت، اور عبادت رب العزت ان کا شغل، اللہ کی محبت کی آگ ان کے دل میں لگی ہوئی ہے اور غیر حق کو جلا چکی ہوتی ہے، زہد وقناعت میں بے بدل، اور صبر و استقامت میں ضرب المثل حل مشکلات میں فہم ممتاز اور سر انجام مہمات میں ہمت بلند پرواز رکھتے ہیں۔ مخزن عقل وعلم و معدن عفو وحلم، مجمع خلت و وفا، و منبع عفت وحیا، تمام مخلوق پر رحیم اور تعلقات کے لحاظ میں کریم، ہر بیگانہ کے یگانہ اور "ہمائے ہر خانہ" ہوتے ہیں، ہر بھاگنے والے کے پیچھے دوڑتے ہیں، اور ہر ستانے والے کیلئے سرگرداں رہتے ہیں، سخاوت کے ابر نیساں اور سماحت کے بہار گلستاں، بیشۂ شجاعت کے شیر اور میدان شہامت میں دلیر، راست باز، سیر چشم، دشمن نواز، مکارم اخلاق میں یگانہ آفاق، طالبین حق کے لئے عاشق ومشتاق،

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرتبہ ولایت کے تین شعبے ہیں اول معاملات صادقہ مثل الہام وتعلیم وتفہیم غیبی وحکمت، دوم مقامات کاملہ، مثل محبت خشیت، توکل ورضا، تسلیم صبر استقامت، زہد، قناعت، تفرید، تجرید، سوم اخلاق فاضلہ مثل علو ہمت، وفور شفقت، حلم وحیا، محبت و وفا، صدق وصفا، سخاوت وشجاعت وغیرہ، ان اوصاف کیساتھ ذوات اوصاف اور بکلی ہیں، عبودیت وعصمت جو نسبتاً مخصوص ومحفوظ ہیں۔

عبودیت کا مطلب یہ ہے کہ باوجود ان کمالات کے نقصان ذاتی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا ہے ان کمالات کو لباس مستعار کی طرح سمجھتے ہیں، ہمیشہ ادب کی راہ چلتے ہیں اور بندگی کی حد سے باہر نہیں ہوتے، ناز و تبختر اُنکے کبھی خیال میں بھی نہیں آتا، سکر و شطح سے بیزار اور شورش و مستی سے دست بردار رہتے ہیں، خاک کی طرح خاموش رہتے ہیں، نہ کہ آگ کی طرح پر جوش، مقام تجرید و تفرید میں اللہ کے بندوں سے متنفر نہیں ہوتے اور ذوی الحقوق کے حقوق تلف نہیں کرتے، لذت مناجات کے شوق میں گم گشتگان بادیۂ ضلالت سے دامن نہیں کھینچتے بلکہ انکی ہدایت کے لئے اوقات مناجات میں خلل پڑ جانے کو روا رکھتے ہیں، حسن خلق کے موقع پر دین میں مداہنت اور احکام الٰہی میں مساہلت سخاوت کے موقع پر اسراف، شجاعت و شہامت کے موقع پر جوش و غضب روا نہیں رکھتے، بس گویا کہ ان کے افعال و اقوال ان کے اخلاق کاملہ کے اقتضاء سے صادر نہیں ہوتے، بلکہ محض اللہ کی اطاعت کے لئے ان کے کمالات اگرچہ تسبیح کے دانوں کی طرح بظاہر بیشمار ہیں، لیکن حقیقت میں وہ سب رشتۂ عبودیت میں پروئے ہوئے ہیں۔

اور عصمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے ان کے تمام اقوال و افعال عبادات و عادات، معاملات و مقامات اخلاق و احوال کو مداخلت نفس و شیطان و خطأ و نسیان سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے اور ان پر

اپنے ملکہ حافظین مقرر کر دیتا ہے کہ غبار بشریت سے ان کا دامن پاک رکھیں اور نفس بہیمی اپنے بعض کمونات کو نہ اُبھارے، اگر کبھی کوئی چیز اللہ کی رضامندی کے قانون سے خارج ہوجاتی ہے، حافظ حقیقی ان کو آگاہ کر دیتا ہے اور عصمت غیبیہ طوعاً وکرہاً ان کو کشاں کشاں راہ راست پر لے آتی ہے۔

بعثت کی حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خواص وعوام تک اللہ کے احکام پہونچا دینے پر مامور ہوتے ہیں، لیکن بعثت کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک حقیقت باطنی، ظاہری صورت تو یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام کے ذریعہ سے اللہ کے احکام پہونچانیکا حکم ان کو ملے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مبعوث الیہم کے حق میں رحمت فراواں اور شفقت بے پایاں ڈال دیجائے، جس طرح سے اولاد کیلئے والدین کے دلوں میں محبت وشفقت پیدا کر دیجاتی ہے کہ اولاد کی گستاخی یا آوارگی سے والدین کو سخت پیچ وتاب اور دلوں میں اضطراب پیدا ہوتا ہے کہ تلف جان ومال کو انکی تادیب وتعلیم کے لئے گوارا کر لیتے ہیں اور ہر ممکن جد وجہد کرتے ہیں، ان کے آرام کو بالکل اپنا آرام اور ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں، دل سے انکی بہبودی کے خواہاں اور فائدہ کے جویا ہوتے ہیں، ان کے پیچھے بے اختیار دوڑتے ہیں اور کشاں کشاں ان کی خدمت کرتے ہیں، خواہ بادشاہ وقت کی طرف سے اس خدمت پر وہ مقرر ہوں یا نہوں، بلکہ اگر مقرر بھی ہوں اور پوری کوشش

بھی کریں اور پھر تقدیر الٰہی سے انکی تادیب و تعلیم کا اثر ظاہر نہ ہو، تو اگرچہ وہ اپنا حق ادا کر چکے ہوتے ہیں اور اپنا فرض انجام دے چکے ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہوتے ہیں کہ بادشاہ اس پر کوئی عتاب یا ملامت نہیں کرے گا بلکہ ان کی حسن خدمت پر تحسین و آفرین فرمائیگا، لیکن وہ پھر بھی ضرور ملول و شکستہ خاطر ہوتے ہیں، یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ اپنی قوم کی گمراہی سے انکو بے انتہا رنج و کلفت ہوتی ہے اور باوجود اللہ کے یہ فرمانے کے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین اور انما انت منذر، لست علیھم بمصیطر، لیکن ان کی زجر اور سعی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بعض اہل کشف و علم نور وہبی یا استدلال کسبی سے بعض اقوال و اعمال یا بعض رسوم و عادات الجہ کے حسن و قبح سے واقف ہوتے ہیں اور بنا بر شفقت و رحمت لوگوں کو متنبہ بھی کرتے ہیں، ترغیب و ترہیب بھی فرماتے ہیں لیکن صرف اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منصب بعثت کو پہونچ گئے، یہ صرف اسوقت ہو سکتا ہے جب ان کو یہ خدمت سپرد کیجائے، جیسے کہ لوگ کسی بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوں اور اس کی آفریں و نفریں سنتے رہیں اور اپنے دوستوں کو بھی بطریق خیر خواہی اس سے مطلع کر دیں کہ بادشاہ اس کو پسند کرتا ہے اس کو پسند نہیں کرتا، لیکن صرف اتنی بات سے اس کو محتسب نہیں کہیں گے، یہ لقب اسکو اسیوقت ملسکتا ہے جب اس کو باقاعدہ خدمت احتساب سپرد کیجائے۔

ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ انکی سیادت کا اثر ظاہر ہو، سیادت کے معنے وجاہت کے تحت میں یہ آچکے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان فیض غیبی کی وساطت کا نام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا فیض غیبی اس کے بندوں کو ان کے وساطت و ذریعہ سے پہونچتا ہے، اس فیض غیبی کے اثر کا ان کیواسطہ سے مقبولین میں پہونچنا ہدایت ہے۔

پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندگان خدا اقوال وافعال، عادات وعبادات، رسوم ومعاملات میں اس طرح مؤدب، اخلاق میں اسطرح مہذب، مقامات وارادات میں اسطرح صاحب استقامت علوم واعتقادات میں اسقدر راسخ ہو جائیں کہ دنیا میں ان کو معاش کا انتظام اور آخرت میں معاد کی بہبودی حاصل ہو اور معاملات مع اللہ کا دروازہ ان پر کھل جائے لیکن معاد ومعاملات مع اللہ کے جانب کی مراعات ان کو بالذات ملحوظ ہے اور انتظام معاش بالتبع، پس جو چیز معاد کے لئے مضر اور معاش کے لئے مفید ہوتی ہے وہ اس سے روکتے ہیں اور اس کے برعکس ہوتی ہے تو حکم دیتے ہیں جیسے ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما، انبیاء علیہم السلام تین فنون میں رہنمائی فرماتے ہیں۔ فن عقائد (اسی میں اکابر دین کے فضائل کا فن بھی داخل ہے)، اور اس کو لفظ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے احکام (اسی میں فضائل اعمال کا باب بھی

شامل ہے) اور اس کو اسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں، فن اخلاق (مقامات وارادات کا فن اسی کا شعبہ ہے) اور اس کو احسان کہتے ہیں اس لئے کہ یہی چیزیں معاد میں کام آنے والی ہیں، تصوف کے حقائق اور فلسفہ کے دقائق دقیقہ شناسوں کے اشارات اور چرب زبانوں کے کنایات سے ان کو کام نہیں اسمیں سادگی سے کام لیتے ہیں اور ان کی طلب کو بھی ایک طرح کی آوارگی سمجھتے ہیں، فن تاریخ وشعران کے نزدیک افسانہ ہیں، اگرچہ بطریق تمثیل کبھی ان سے کام لیتے ہیں، بہرحال ان کا حال تربیت روحانی میں بالکل ایسا ہی حال ہے جیسا طبیب کا معالجہ جسمانی میں کہ اس کے پیش نظر مریض کی اصلاح ہوتی ہے زائد و غیر متعلق گفتگو کو لغو سمجھتا ہے۔

انبیأ کی ہدایت پانچ طریقوں سے ہوتی ہے، نزول برکت، عقد ہمت فیض صحبت، خرق عادت، اظہار دعوت - نزول برکت کی صورت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وجود کو آفتاب عالمتاب کی طرح سمجھنا چاہئے کہ جب اس کی روشنی دنیا میں پھیلتی ہے تو رات کی تاریکی ضرور کافور ہو جاتی ہے جو چیز آفتاب کے سامنے بے حجاب آجاتی ہے اس کی تابش سے منور اور تمام مراتب ظلمت سے پاک ہو جاتی ہے اور جو چیز گھر کے اندر رہے اگرچہ اسکی اصل روشنی سے محروم ہے لیکن رات کی تاریکی اس سے دور رہے، اس لئے کہ نور لطیف تاریکی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور اسکو ظلمت کے دائرہ سے نکال دیتا ہے

ہاں اگر مکان بغیر دروازہ کے ہے تو بیشک تاریکی سے پُر ہوگا، یا موسم برسات کی طرح کہ جب وہ سر پر آجاتا ہے تو نباتات میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے، جب ابر ریزاں ان پر فیاضی کرتا ہے تو وہ گلہائے رنگارنگ کھلاتے ہیں، لیکن ہوا کی نفس رطوبت ہی سے ان کا حال متغیر ہو گیا تھا اور سبزی وتازگی کی لہر ان میں دوڑ گئی تھی، لیکن سخت پتھر سے پھول کانٹے کچھ نہیں اُگتے، اور خشک لکڑی میں کوئی پھول پتی نہیں ڈھونڈتا، اسی طرح جب یہ قدوسیان بشری لباس اس تیرہ دان خاکی میں نزول فرماتے ہیں تو اپنے ساتھ ایک برکت ضرور لاتے ہیں جو بنی آدم کے افراد کے قلوب میں جاگزیں ہو جاتی ہے، ہر سعادتمند کے دل میں خم وجود طلب حق کا جوش پیدا ہو جاتا ہے، ان کے قول پر ہر ہر واعظ کان دھرتا ہے اعمال شاقہ کا ولولہ اور رنج وتکلیف برداشت کرنیکا عزم پیدا ہو جاتا ہے اس زمانہ کے کتنے علماء ہوتے ہیں کہ اپنے علوم کو افسانہ کی طرح پڑھتے اور اپنی زبان پر افسوں کی طرح دُھراتے ہیں، دفعتہً انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں، علم کا مقصد سمجھ میں آجاتا ہے، عمل کو علم کا ضمیمہ اور اخلاص کو فہم کا نتیجہ سمجھنے لگتے ہیں، سخن آرائی سے بیزار اور انجمن پیرائی سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور کتنے زاہدان خلوت گزیں اور درویشان چلہ نشیں ہوتے ہیں کہ دفعتہً اپنے چھپے ہوئے شرور سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور نفس امّارہ کی اصلاح کی فکر ان کو دامنگیر ہو جاتی ہے۔ حب جاہ کو پس پشت اور رضائے الٰہی کو پیش نظر کر لیتے ہیں اور اس راہ میں

نام ونشان کی ساری کمائی لٹا دیتے ہیں، اسی طرح سے کتنے چرب زبان واعظ ہوتے ہیں کہ منبروں پر فریاد اور اپنی کوشش برباد کرتے رہتے ہیں کوئی انکے وعظ کو خیال میں بھی نہیں لاتا، لیکن جب ہر کس و ناکس کے دل میں طلب حق کا جوش ہوتا ہے تو ہر شخص ان کے کلام کو گوش ہوش سے سنتا ہے اور انکا ہر حکم ان کے دل میں تیر کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

بہر حال کلمۂ حق کا ہر دل میں اور ہر زبان پر جوش ہوتا ہے، ہر محفل میں یہی تذکرہ، گھر گھر اسی کا چرچا ہوتا ہے، البتہ شقی ازلی اس سے محروم رہتا ہے اسی انتشار برکت کو لفظ امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث میں آیا ہے، ان الامانة نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من الکتاب ثم علموا من السنة یعنی امانت (قبول حق کی استعداد وطلب) پہلے دلوں کی گہرائی میں پیدا ہوئی، پھر لوگوں کو کتاب وسنت کا علم حاصل ہوا، اور اسی کو خشیت کہا گیا ہے انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمٰن بالغیب اور فذکر ان نفعت الذکریٰ سیذکر من یخشیٰ۔

عقد ہمت کا ایک تو ظاہر مطلب ہے وہ یہ کہ ان حضرات سے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے دعا والتجا ظاہر ہوتی ہے عمومیت کیساتھ یا خصوصیت کیساتھ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اُمت کے لئے عمومیت یا خصوصیت کے ساتھ توجہ قلبی اور کمال رغبت دونوں جمع ہو جاتے ہیں جو نتیجہ میں اسی شفقت کا

جس کا تذکرہ ہو چکا ہے تو جس طرح ایک مشفق باپ اپنی اولاد کی اصلاح کی طرف ہمہ تن مشغول رہتا ہے اسیطرح ان حضرات کی تمام اشرار و اخیار کی اصلاح کیطرف توجہ رہتی ہے اور یہ دعائے حالی ہے جو ان کی ذات کا لازمہ بنجاتی ہے اور ان کا وجود سراسر دعائے مجسم بنجاتا ہے کبھی اس کے ساتھ دعائے مقالی بھی شامل ہو جاتی ہے اس دعائے روحانی سے ہدایت کے انتشار کے تین سبب ہیں، اول تو یہ کہ یہ ایک مخصوص مخلص و صادق کی دعا ہے جو یقیناً مقبول و مستجاب ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ قوی توجہ سے کائنات کی تکوین میں اثر پڑتا ہے، چنانچہ نظر لگنا، حسد دعا، اور افسوں کا اثر اسی قبیل سے ہے تو جب پست ہمتوں کی توجہ کے اثر کا یہ عالم ہے تو بلند ہمتوں کی توجہ کا کیا کہنا تیسرے یہ کہ ان بزرگوں کے دلوں سے توجہ قوی کا جوش میں آنا کوئی خواہش نفسانی یا وسوسہ شیطانی نہیں ہے بلکہ یہ خود ایک حکم ربانی اور الہام رحمانی ہے، کیونکہ انکی بعثت خود تشنگان زلال ہدایت کے لئے دریائے رحمت کی ایک موج ہے تو ان کے دل سے قوی توجہ کا جوش حقیقت میں رحیم مطلق کی رحمت کی توجہ ہے۔ خود اپنے بندوں کی طرف، چنانچہ خود فرماتا ہے

وما ارسلنٰک الّا رحمۃ للعالمین اور لقد منّ اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم،

فیض صحبت کا ایک ظاہر ہے اور ایک حقیقت، ظاہر تو یہ ہے کہ صحبت کے

فیض سے ہدایت دو طریقے سے حاصل ہوتی ہے ایک تو یہ کہ جب کوئی شخص کسی صحبت میں پہنچتا ہو اسکی باتیں اپنے کانوں سے سنتا ہے اس کے سامنے استفادہ کی نیت سے حاضر ہوتا ہے، عبادات و عادات، معاشرت و معاملات میں اس کے اوضاع و اطوار غور سے دیکھتا ہے تو یقیناً اسکی حقیقت سے واقف اور اس کا مزاج داں و نبض شناس ہو جاتا ہے اگر ہمنشین عقلمند ہوتا ہو تو اس کے معاملات میں اس کو ملکۂ اجتہاد حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ رب العالمین کے احکام پر استقامت اور اسمیں اسکی بلند ہمتی اور ادائے حقوق میں اپنے متبعین سے اس کی مسابقت دیکھتے دیکھتے اس کے دل میں بھی بلند ہمتی اور اطاعت آلہی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی نصیحت و تذکیر اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے جس طرح اس کے برعکس جو شخص دوسروں کو کہے اور خود نہ کرے تو سننے اور دیکھنے والے اس کی باتوں کو افسانہ و شاعری سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین، اللہ کے راستہ میں (تم خود) لڑو تم ہی صرف مجبور کئے جاتے ہو اور مومنین کو بھی آمادہ کرو۔

اور حقیقت یہ ہی کہ ان حضرات انبیاء کی روح گلشن ملکوت کا ایک گلدستہ اور آتش جبروت کا ایک تند شعلہ ہے جب گلدستہ بیچ محفل میں رکھا جائیگا اور لوگ اس کے چاروں طرف ہوں گے تو ضرور اسکی خوشبوی دلاویز

ہر ایک کے دماغ میں پہونچے گی اور اس کی روح کو فرحت و سرور پہونچائے گی ہاں جو مزکوم ہے وہ ادراک لذت سے محروم ہے، اسی طرح جب کسی محفل میں شمع روشن کیجائے گی تو اس کی روشنی ہر شخص کو پہونچے گی، اگر آئینہ ہے تو اس کی روشنی سے چمک جائیگا اور ایسا روشن ہو جائے گا کہ اس کا عکس دوسروں پر پڑے گا، ہاں جو بے بصر ہے وہ اسکی نور افشانی سے بیخبر ہے، اسی طرح ان کے ہم نشین لذت روحانی سے مسرور اور قوت ایمانی سے معمور ہوتے ہیں، جو انوار ہدایت ان کے دلوں سے چمکتے ہیں اس کا عکس ان کے ہم نشینوں پر پڑتا ہے، عظمت و کبریائی کی جو تجلیاں کوندتی ہیں، ان سے ان کے دل بھی لرزتے ہیں، تجرید و تفرید کی جو آگ ان کے قلوب میں روشن ہے وہ ان کے ہمنشینوں کے بشریت کے میل کو جلاتی ہے اور جس زلال رحمت کی بارش ان پر ہوتی ہے اس سے ان کے پاس بیٹھنے والوں کے نہال بھی نہال ہوتے ہیں، چنانچہ اسی تاثیر کو مختلف احادیث میں بیان کیا گیا ہے، حدیث ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، آپ ہم کو جنت و دوزخ یاد دلاتے ہیں تو جیسے ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں، جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، بیوی، بچوں جائدادوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر

رہو جس پر تم میرے پاس اور ذکر کے موقع پر ہوتے ہو تو تمہارے بستروں پر اور راستوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کریں، اسی طرح سے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ کئی بار فرمایا، یہاں تک کہ صحابۂ کرامؓ کے چہروں پر اس کا اثر ظاہر ہونے لگا، اسیطرح صحابہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسے (خاموش و مؤدب) بیٹھتے جیسے ہمارے سروں پر پرند بیٹھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے دفن کر رہے تھے اور ایمان ہمارے دلوں سے اُڑا جا رہا تھا(۱)۔ اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ رسولؐ تمام اُمت سے افضل ہیں اگرچہ ان میں بعض مرتبۂ اجتہاد و ولایت کاملہ نہیں رکھتے تھے اسیطرح سمجھنا چاہیئے کہ ہر صاحب کمال کے ہمنشین اس کے تمام متبعین سے افضل و اکمل ہیں۔

خرقِ عادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کی تصدیق کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے بعض ایسی چیزیں ظاہر فرماتا ہے جن کا ان حضرات سے صادر ہونا محال ہوتا ہے اگرچہ دوسرے سے محال نہ ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں کا ظہور اللہ کی عادت کے مطابق بعض اسباب و وسائل کی فراہمی پر موقوف ہوتا ہے جس کے پاس وہ سامان اور اسباب ہوں اس سے اس چیز کا ظہور خرق

(۱) یعنی وہ اثر مضمحل ہوتا محسوس ہو رہا تھا جو آپ کی صحبت و رویت کی برکت تھا۔

عادت نہیں اور جس کے پاس وہ سامان نہو اس سے خرق عادت ہے۔ مثلاً کاتب کا لکھنا خرق عادت نہیں، لیکن اَن پڑھ کا لکھنا خرق عادت ہے، ہتھیار سے مارنا خرق عادت نہیں لیکن محض توجہ اور دعا سے خرق عادت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر خرق عادت مطلق طاقت بشری سے خارج وبالا ہو، بلکہ محض اس شخص سے خرق عادت ہے جس کے پاس اسکا سامان واسباب نہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خرق عادت کا ظہور کیوں اور کس طرح ہوتا ہے سو اس کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ خوارق کا ظہور بالذات اسباب ہدایت میں نہیں ہے گو بعض سعید لوگوں کے حق میں سبب ہدایت ہو جائے بلکہ ان کا ظہور حجت ختم کرنے کے لئے مخالفین کو خاموش اور مجادلین کو لاجواب کرنے کے لئے اور شوخ چشم گستاخوں اور ضدی ہٹ دھرم لوگوں کی تخویف کیلئے ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے و ما نرسل بالآیات الا تخویفا، ہم نشانیاں (معجزات) صرف ڈرانے کے لئے ظاہر کرتے ہیں اسلئے کہ یہ معلوم ہے کہ ہدایت نام ہے اس نور کا جس کا رحمت الٰہی سے سعید ازلی کے قلب میں بارش کی طرح فیضان ہوتا ہے اور اس کو محبوب حقیقی ومعبود تحقیقی کی محبت واطاعت پر آمادہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس راستہ میں جان ومال کی بازی لگا دیتا ہے اور یہ بات خوارق کے دیکھنے سے بہت کم پیدا ہوتی ہے اسلئے کہ جو شخص مناظرہ ومجادلہ میں لاجواب ہوتا ہے اس کے دل میں محبت واخلاص کم پیدا ہوتا ہے، ہاں

حیران وسرگرداں وششدر رہو جاتا ہے، اس لئے خوارق کا ظہور کبھی کبھی کافی ہی ہر مرتبہ ہدایت کے لئے ضروری نہیں، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی شخص سے خوارق کا ظہور ہو اور حاضرین میں سے کوئی شخص ہدایت نہ پائے تو یہ اس کے منصب کیلئے نقص نہیں رہی یہ بات کہ ظاہر کس طرح ہوتی ہی سو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے عالم تکوین میں اپنے بندوں کی تصدیق کے لئے کچھ عجیب غریب تصرف فرماتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ خرق عادت کے صادر کی قدرت ان میں پیدا کر دے اور پھر ان کو اس کے اظہار کا حکم فرمائے، حاشا وکلا، عالم تکوین میں تصرف کی قدرت قدرت ربانی کی خصوصیت ہی نہ قوت انسانی کی،

اظہار دعوت کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ سے انکو مختلف طبائع کے اشخاص کی تربیت کا سلیقہ، ہدایت کے لئے کلام فصیح وبیان بلیغ کی قوت اور اظہار ما فی الضمیر کے لئے وضاحت تقریر عطا فرماتا ہی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے، واٰتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے، وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان مبعوث ہادیوں کی دعوت کا طرز اور ہی، اور علماء فنون کی تعلیم کا طرز اور ہے، تربیت قوم میں انکی حالت بالکل شفیق باپ یا سمجھدار اتالیق کی سی ہوتی ہے کہ وہ جس طرح مناسب سمجھتا ہے اور جب موقع ہوتا ہے ہزار طریقہ سے اس کو سمجھاتا ہے اور تربیت کرتا ہے

مدارس کے مدرسین کی طرح نہیں کہ ان کا کام صرف پڑھا دینا ہے، چنانچہ ان حضرات انبیاء کی دعوت کے نفع میں ان کا فیض صحبت بھی شامل ہو اور ان کے کلام سے کامل فائدہ میں طول ملازمت بھی داخل ہے، بہرحال شان اُمیت ان پر غالب رہتی ہے، اس دعوت میں بیان حکمت و کلام موعظت اور کبھی مناسب جدال شامل ہوتا ہے، ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن -

سیاست کا مطلب یہ ہو کہ اللہ کے بندوں کی تربیت اصلاح معاد و معاش کے قانون پر بطریق امامت حکومت کیجائے اور اس سیاست سے مقصود اپنی حکمرانی سے انکی اصلاح اور نفع رسانی ہو نہ اپنی ذات کے لئے تحصیل منفعت، اس لئے سیاست کی دو قسمیں ہیں، سیاست مربیانہ و سیاست امیرانہ، سیاست مربیانہ میں مقصود صرف انکی کوئی خاص تربیت ہوتی ہے نہ کہ اپنی ذات کیلئے خدمت و بیگار، چنانچہ اس میں مربی صرف انھیں چیزوں کا اہتمام کرتا ہے جن کا اس تربیت میں دخل ہوتا ہے غیر متعلق چیزوں سے تعرض نہیں کرتا، سیاست امیرانہ سے مقصود اپنی خدمت و راحت ہوتی ہے پس وہ اپنے تمام کام اس سے لے سکتا ہے اور اس پر سختی کر سکتا ہے۔ اگر نظم و نسق و تادیب محض لوگوں کی تربیت کے لئے ہے تاکہ ان کا انتظام قائم رہے اور بےانتظامی سے خود ان کو دنیا و آخرت میں تکلیف نہ پہونچے، صرف انھیں باتوں کا اہتمام

کیا جائے جن کا انتظام معاش یا معاد میں دخل ہو، غیر متعلق چیزوں پر محض اظہار حکومت کے لئے زور نہ دیا جائے، تربیت میں حتی الامکان ہدایت سے کام لیا جائے اور اگر ہدایت سے کام نہ چلے تو سیاست کو استعمال کیا جائے لیکن پھر بھی ترغیب کا پلہ زجر سے اور لطف کا قہر سے بھاری رہے، پہلے خود آئین سیاست کو قبول کیا جائے، پھر لوگوں کو طوعاً و کرہاً اس کی طرف کھینچا جائے تو یہ سیاست ایمانی ہے۔

لیکن کبھی سیاست محض اپنی ذاتی اغراض عیش و تنعم فرمانروائی و کشورکشائی عزت و غلبہ کے لئے ہوتی ہے اصلاح وغیرہ کی کوئی نیت نہیں ہوتی، یہ سیاست سلطانی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے سلسلہ میں سیاست سلطانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیاست ایمانی کی دو قسمیں ہیں، سیاست مدنی جس کا تعلق صرف امور معاش و انتظام سے ہے، جیسے احکام معاملات بیع و شرا و شرکت و احکام قضاء و دعوے و شہادت و حلف وغیرہ۔

اور سیاست ملّی جس کی بناء دین کی پاسداری اور ملت کی خدمتگزاری پر ہے، جیسے قتل کفار اہانت مبتدعین ذمیین پر جزیہ و خراج وغیرہ۔

پھر سیاست کبھی افعال میں جاری ہوتی ہے کہ یہ فعل مطلوب ہی اور یہ

فعل ممنوع، یہ سیاست افعالی ہے۔ اور کبھی مال میں، مثلاً اتنا مال بیت المال میں داخل کرنا چاہیئے، یہ سیاست اموالی ہے۔

لیکن اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ سیاست ایمانی کی تکمیل خواہ وہ مدنی ہو یا ملّی افعالی ہو یا اموالی، اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک خود صاحب سیاست یا کم از کم اس کے ارباب تدبیر اتنی قابلیتیں نہ رکھتے ہوں۔

فراستؔ، یعنی مردم شناسی، تیز وانتخاب کی قابلیت کہ کون شخص کس کس کام کے لائق ہے اور کون شخص کیسا ہے۔ امارتؔ یعنی لشکر کشی و دشمن کُشی کا سلیقہ، صلح و جنگ وغیرہ کی قابلیت۔ عدالتؔ۔ فصل خصومات کا سلیقہ، حق شناسی اور عدم پاسداری کا ملکہ۔

حفاظتؔ، یعنی فسق و فجور و ظلم و دست درازی کے دروازے بند کر سکے مفسدین کے افساد، ملاحدہ و مبتدعین کی رخنہ اندازی کا سدباب کر سکے، عقلمند، دلیر اور حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی رکھنے والا ہو، نیکوں کا خیر خواہ اہل فساد کا بدخواہ ہو، تاکہ بدکاری، شراب نوشی، قمار بازی، مزامیر نوازی سے روک سکے، طرب و نشاط اور مزاح وانبساط کی مجلسیں برہم اور مطلاؔ و مذہّب عمارتیں منہدم کر سکے، مردوں کا عورتوں اور لڑکوں سے ملنا، کھانے، لباس اور شادی غمی کی رسموں میں تکلف و اسراف سے روکے، کمزور مسلمانوں کو دست درازوں کی دست اندازیوں سے محفوظ رکھے، خواہ وہ انکی آبرو پر دست اندازی ہو جیسے تہمت، سب و شتم، خواہ انکی جان پر، جیسے قتل و ضرب، خواہ ان کے

مال پر جیسے چوری، لوٹ مار خیانت و غصب، بدعات، قبر پرستی، رسوم جاہلیت، اعمال سحر و طلسم، نجوم کی غیر شرعی تعلیم، مذہب اہلسنت والجماعت کے مخالف مذہب کی اشاعت ملاحدہ و زنادقہ کے شہادت کی تقریر، کفار کے شعار، لباس، رفتار و گفتار میں مشابہت وغیرہ سے روکے، حقیقت میں احتساب اسی کا ایک شعبہ ہے۔

نظامت آمدنی وخرچ کے انتظام اور مداخل ومخارج کے بند وبست کا سلیقہ، صاحب عقل وامانت ہو تاکہ مال کے آمد وخرچ میں مسلمانوں کی اصلاح حال اور دین متین کی خدمت گزاری پیش نظر رکھے، اپنی یا اپنے رشتہ داروں کی اور دوستوں کی منفعت اور اپنے مخالفین و دشمنوں کی مضرت اس کا مقصود نہ ہو اگرچہ سیاست ایمانی ایک صحرا بیکراں اور ایک دریائے بے پایاں ہے۔ اس موقع پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس صحرا کا ایک ذرہ اور دریا کا ایک قطرہ ہی لیکن سمجھدار آدمی انھیں چند کلمات سے پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ان کمالات خمسہ (وجاہت[۱]، ولایت[۲]، بعثت[۳]، ہدایت[۴]، سیاست[۵]) میں سے بعض حضرات کو صرف ایک[۱]، بعض کو دو[۲]۔ اور بعض کو سوائے سیاست کے تمام کمالات میں انبیاءؑ سے مشابہت ہوتی ہے، لیکن امامت تامہ یہ ہے کہ تمام کمالات خمسہ میں مشابہت تامہ ہو، اسی امامت تامہ کے خلافت راشدہ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت، مختلف نام ہیں، یہ بھی سمجھ لینا

چاہیئے کہ خلیفۂ راشد اس کا لقب ہو جو منصب امامت رکھتا ہو اور سیاست ایمانی اس سے ظاہر ہو۔ پس جو شخص اس منصب کو پہونچ جائے وہ خلیفہ راشد ہے۔ خواہ زمانہ سابق میں ہو یا اس کے بعد، خواہ اوائل اُمت میں ہو خواہ اواخر اُمت میں، فاطمی الحسب ہو یا ہاشمی النسب، قصوی الاصل ہو یا قریشی النسل اس لفظ خلیفہ راشد کو لفظ خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ، حبیب اللہ، صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، ذوالنورینؓ، مرتضٰیؓ، مجتبٰی، سید الشہداء کی طرح نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک لقب کسی خاص بزرگ کے ساتھ مخصوص ہے اور مطلق یہ لقب بولنے سے اسی بزرگ کی طرف ذہن جاتا ہے، اس طرح خلفائے راشدین حضرات خلفائے اربعہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ لقب ولی اللہ، مجتہد، عالم و عابد، زاہد، فقیہ، محدث، متکلم، حافظ، بادشاہ، امیر، وزیر وغیرہ کی طرح ہے کہ ان سے ہر وہ شخص ملقب ہو سکتا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اس میں یہ صفات ہوں، بس کبھی کبھی دریائے رحمت میں کوئی کوئی موج اُٹھ جاتی ہے اور ائمہ ہدیٰ میں سے کوئی امام پیدا ہو جاتا ہے اور تخت خلافت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے وہی اس زمانہ کا خلیفہ راشد ہے اور جو حدیث میں آیا ہے کہ خلافت راشدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک رہے گی، سو اس کا مطلب یہ ہے کہ متصل و متواتر تیس سال تک رہے گی اس کے بعد سلطنت ہو جائے گی نہ یہ کہ قیامت تک خلافت راشدہ کی مدت کل اتنی ہی ہے، چنانچہ دوسری حدیث

بتلاتی ہے کہ خلافت راشدہ دوبارہ قائم ہوسکے گی، قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلم تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ ماشاء اللہ ثم یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملکا عاضا فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم تکون ملکا جبریۃ فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ ثم سکت اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت مہدی کی خلافت بڑی فضیلت کی خلافت ہی اور اس میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خلافت کا زمانہ یا تو اوائل امت ہے یعنی خلفائے اربعہؓ کا زمانہ یا اواخر امت یعنی حضرت مہدی کا زمانہ اور درمیان کا زمانہ خالی اور بیکاری کا زمانہ ہے کہ اسمیں خلافت راشدہ کا وجود نہ ہوگا اس لئے کہ بہت سے تابعین نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے اور حدیث میں دو سلطنتوں کے بعد جس خلافت کا ذکر کیا گیا ہی اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سمجھے ہیں، اس کے علاوہ حدیث سے اور بھی ثبوت ملتے ہیں۔

پس کبھی اللہ کی اس نعمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے، مجیب الدعوات سے اس کی طلب کرتے رہنا چاہیئے اور دعا کی قبولیت پر نظر رکھنی چاہیئے اور خلیفہ راشد کی تلاش میں مصروف رہنا چاہیئے کہ شاید سعادت مساعدت کرے۔

دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ خلیفۂ راشد رب العالمین کا بمایہ انبیاء م

مرسلین کا ہمسایہ، ترقی دین کا سرمایہ، ملئکہ مقربین کا ہم پایہ، مرکز دائرۂ امکان، فخر جہاں، ارباب عرفان کا افسر اور افراد انسان کا سر دفتر ہے، اس کا دل تجلی رحمٰن کا عرش، اس کا سینہ رحمت کا دریا بیکراں، اس کا اقبال خدا کا پرتو جلال، اس کی مقبولیت جمال ربانی کا عکس، اس کا قہر تیغ قضا، اس کا مہر منبع عطا، اسکا مقابلہ تقدیر کا مقابلہ، اس کی مخالفت خدا کی مخالفت جو کمال اس کی خدمتگزاری میں مصروف نہ ہو وہ خیال خام اور جو علم اس کے فضائل ومناقب بیان کرنے میں کام نہ آئے وہ مجموعۂ اوہام ہے، اہل کمال کی علامت یہ ہے کہ اسکی خدمت میں مشغول ہوں اور اس کی اطاعت کے حلقہ بگوش، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خلیفۂ راشد انبیاء اللہ کے بعض احکام وخصائص میں شریک ہوتا ہے مثلاً نجات اُخروی کا اس کی اطاعت پر موقوف ہونا، بس جس طرح کوئی شخص معرفت الٰہی اور تہذیب نفس میں ہزار درجہ جد وجہد کرتا ہو لیکن جب تک انبیاء پر ایمان نہیں لاتا ہرگز نجات اخروی اس کی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص عبادات شرعیہ و طاعات دینیہ پوری بجالاتا ہے اور تمام احکام اسلام کی اطاعت کرتا ہے لیکن جب تک امام کی اطاعت کا طوق گردن میں نہیں ڈالتا، اور اس کی امامت کا اقرار نہیں کرتا، یہ عبادت واطاعت آخرت میں کار آمد نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ جو اپنے امام وقت کو

نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

صلوا خمسکم وصوموا شہرکم و ادوا زکوۃ اموالکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم۔

پانچ نمازیں پڑھو، مہینہ کے روزے رکھو اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اور اپنے حاکم (امام) کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ فقد مات میتۃ جاھلیۃ

جو ہحالت میں مرے کہ اسکی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اور جس طرح اگر عبادات دینیہ اور طاعات شرعیہ مطابق سنت نہ ہوں تو وہ مقبول نہیں اسیطرح بعض عبادات شرعیہ کی ادائی وصحت اس کے حکم پر موقوف ہے۔ مثلاً جمعہ وعیدین، جہاد، حدود وتعزیرات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ۔

امام ایک سپر ہے جس کی آڑ سے لڑا جاتا ہے اور بچا جاتا ہے

(۲) الغزو غزوان فاما من ابتغی وجہ اللہ واطاع الامام وانفق الکریمۃ ویاسر الشریک واجتنب الفساد فان نومہ ونبہہ اجر کلہ واما من غزا

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو جس کو اللہ کی مرضی کی طلب ہو، امام کی طاعت کرے محبوب چیز خرچ کرے۔ شریک کو ساجھی کرے، فساد سے بچے تو اس کا سونا اٹھنا سب اجر کا کام ہے اور جو محض فخر کیلئے

فخراو ریاءً و سمعة وعصی الامام وافسد فی الارض فانہ لم یرجع بالکفاف۔

نمائش و شہرت کے لئے لڑے، امام کی نافرمانی کرے، زمین میں فساد کرے تو وہ کچھ لے کر نہ لوٹے گا۔

اسی طرح جسطرح نبی کا حکم عقود و معاملات میں نافذ ہوتا ہے اسیطرح امام کا یا اس کے نائب قاضی کا جاری ہوتا ہے، کتب فقہ میں اس کی تفصیل ہے۔

اسی طرح اس کے قوانین ریاست اور آئین سیاست ایکطرح کی سنت ہیں جنکا اتباع اور ان سے استدلال ہوسکتا ہے اور یہ سنت ہے نہ کہ بدعت چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

انہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة

جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا، تو تم کو لازم ہے، میری سنت اور میرے برحق خلفاء کی جو ہدایت یافتہ ہیں اس کو مضبوط پکڑ لو اور دانتوں سے داب لو اور خبردار نئی نئی باتوں سے بچنا، اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ہم مختصر طور پر سید صاحبؒ کی سیرة میں ان اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنکا شاہ صاحبؒ نے اوپر ذکر کیا ہے۔

پہلی چیز "وجاہت" ہے، جن لوگوں نے سید صاحب کی ابتدائی سیرت

پڑھی ہے وہ اس کے قائل ہوں گے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وجاہت اجتبائی عطا فرمائی تھی اور آپ کی جسمانی، روحانی اور ذہنی تربیت ان آیات کے مصداق ہے واصطنعتك لنفسي، والقيت عليك محبة مني ولتصنع على عيني" واجتبيناهم وهديناهم الى صراط مستقيم"۔ بچپن میں قرآن مجید کے علاوہ بلا کسی نقص و عذر کے کچھ نہ پڑھ سکنا، طفولیت سے رشد و غیر معمولی صلاحیت کے غیر معمولی آثار، عبادت الٰہی اور خدمت خلق کا ذوق، جسمانی تربیت کا شوق، سب اس بات کی دلیل ہیں کہ مربی اکبر کسی بلند مقصد و مہم کے لئے خاص نظام کے مطابق تربیت فرما رہا تھا۔ ادبني ربي فاحسن تاديبي،

شاہ صاحبؒ نے وجاہت کے تین شعبے کئے ہیں، ۱ محبوبیت بہ نسبت رب العالمین۔
۲ عزت در ملئکہ مقربین ۳ وساطت فیض بہ نسبت عباد صالحین،

سید صاحبؒ میں ابتدا سے محبوبیت کی شان نمایاں تھی، شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے ایک مرتبہ سید صاحبؒ سے بیعت کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے سوال پر اسی مضمون کو بیان کیا تھا اور عرض کیا تھا کہ سید صاحب اور دوسرے مشائخ میں اسی محبوبیت و محبّیت کا فرق ہے

سید صاحبؒ کے بہت سے واقعات، بشارات والہامات سے معلوم ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر خاص نظر محبت و قبولیت اور آپ کے محبین و

خدام پر خاص انعامات و احسانات تھے، مخزن احمدی میں جو آپ کے بھانجے مولوی سید محمد علی صاحبؒ کی تصنیف ہے اور آپ کے حالات میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے، متعدد اس قسم کے واقعات ہیں، مثلاً ایک مجلس میں سید صاحب نے فرمایا کہ میں نے ندائے غیبی سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرح تمام اہل مجلس کی مغفرت فرمادی، آپ نے فرمایا کہ حاضرین مجلس کی فہرست لکھ لی جائے

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے بیحد احسانات سے نوازا مجھے تمام میرے معاصرین اور اسلاف میں سرفراز و ممتاز فرمایا، اور فرمایا کہ جو تم سے بیعت کریگا، اس کو دنیا و آخرت کے مکروہات سے محفوظ اور اپنی رضامندی و انعام سے محظوظ کریگا، میں نے عرض کی کہ اے کریم، اے اکرم الاکرمین میری آرزو ہے کہ تو میرے آباؤ اجداد کو بھی میری بیعت سے مشرف فرماکر ان عنایات کا مستحق کر، اللہ تعالیٰ نے میری یہ درخواست بھی منظور فرمائی، اور مولوی سید محمد علی صاحبؒ کو ان کا وکیل بنایا۔

سید صاحبؒ کے اس خط میں جو آپ نے حجاز سے اپنے شیخ العالم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا تھا[1] بعض بشارتوں اور انعامات الٰہی کا ذکر ہے

---

(۱) یہ خط اس مجموعۂ مکاتیب کا پہلا خط ہے جو میرے کتب خانہ میں موجود ہے، اس خط کا ذکر اور اس کے متعلق بعض واقعات میں نے دہلی کے بعض بزرگوں کی زبانی سنے ہیں نیز اس خط کے متعلق شاہ صاحب کا بھی کسی معاصر بزرگ کے نام ایک خط دیکھا ہے جس میں ان واقعات غریبہ کو قابل تصدیق بتایا ہے۔

جنمیں سے چند کا ذکر اس موقع پر کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ "روانگی سے قبل نیا مکان بن کر مکمل نہیں ہوا تھا، میں قدیم مکان ہی میں تھا کہ (قدیم) مکان کی روحانیت ظاہر ہوئی اور غیبی مخلوقات میں سے بھی ایک چیز معلوم ہوئی مکان کی روحانیت سے اس چیز نے نہایت رقت واندوہ وملال کے ساتھ کہا کہ کل ہمارے آقا ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، یہ کہہ کر اس پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ میرے دل پر بھی اثر ہوا اور رقت طاری ہوگئی، میں نے جناب باری میں عرض کی کہ اس کی انسیت والفت محض تیرا فضل ہے ورنہ مجھ جیسے ہزاروں عاجز بندے ہیں کہ کوئی ان کو پوچھتا بھی نہیں، مکانوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان کو ان کا درد اور ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی (فما بکت علیھم السماء والارض)، حقیقت میں اس کو تجھ سے محبت ہے تو اس کو اس کی تسکین فرما، ارشاد ہوا کہ اس سے کہہ دو کہ میں تجھ کو جنت میں بھی لیجاؤں گا یہ سن کر اس کی تسکین ہوگئی۔"[1]

---

(۱) بخاری کی حدیث ہے جابر بن عبد اللہ سے قال کان جذع یقوم علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما وضع لہ المنبر سمعنا للجذع مثل اصوات العشار حتی نزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ علیہ، یعنی مسجد نبوی کھجور کی ایک جڑ تھی جس کے سہارے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، جب آپ کے لئے منبر بنا دیا گیا تو ہم نے ستون کی ایسی آواز سنی جیسے اس حاملہ اونٹنی کی جس کو دس مہینہ ہوگئے ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر اس پر ہاتھ رکھ دیا (کتاب الصلوۃ باب الخطبۃ علی المنبر)

ڈلمئو سے روانہ ہوتے وقت معلوم ہوا کہ فلاں کشتی جس پر لوگوں کا سامان لدا ہوا ہے غرق ہو جائے گی، میرے لئے دوسری کشتی تھی، لیکن میں اس کشتی پر بیٹھا ارشاد ہوا کہ اب ہم اس کشتی کو غرق نہیں کریں گے، راستہ میں اپنے متعلق اور رفقائے سفر کے متعلق بہت سی بشارتیں اور مژدے پہونچتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بے انتہا غور و پرداخت، پاس خاطر اور خوشی منظور ہے

ایک روز ایک ضعیف شخص آئے، اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزی سے اور گڑ گڑا کر دعا کی اور اپنے گناہوں پر نہایت شرمندگی ظاہر کی اس فقیر کے پاس بھی آکر نہایت عقیدتمندی سے توسل اور دعا کی درخواست کی اسیوقت رحمت الٰہی جوش میں آئی جس کا اثر صاف صاف اس شخص پر معلوم ہوا اور سب پر عمومیت کیساتھ ہوا اور میری وجہ سے اس سال کے تمام حجاج کی مغفرت فرمادی گئی، جس وقت جہاز یلملم کے محاذات میں پہونچا، میں نے احرام کی تیاری کی اور غسل کیا، ساتھیوں میں سے بعض نے غسل میں امداد کی، ان سب کی بخشش ہوگئی۔

جب تلبیہ کا وقت آیا، مجمع میں سے ایک شخص نے سب سے پہلے لبیک کہا ارشاد ہوا کہ جو تم سے پہلے لبیک کہیگا اس کا تلبیہ میں نہیں سنوں گا۔

اس کے علاوہ اور اس قسم کے واقعات ہیں، جن سے آپ کی نہایت منزلت قرب اور وجاہت عند اللہ کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے

یہ روایت میں نے متعدد بار سنی ہے کہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی، (شیخ شیخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرؒ) فرماتے تھے کہ مجھے بفضلہ اب کسی سے (سلوک میں) رجوع کی ضرورت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہی ہے کہ میں سید احمد صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤں، چنانچہ آپ بیعت ہوئے اور ہمیشہ خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ آپ کے ساتھ شہید ہو گئے، اور یہ مشائخ طریقت کے شطحات اور سکر و جذب کی باتیں نہیں ہیں، اس لئے کہ آپ ان چیزوں سے دور تھے، یہ سب اتباع سنت کمال اطاعت اور جہاد کی برکت تھی، جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی عمل محبوب نہیں اور تقرب الی اللہ اور منزلت عنداللہ کا اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین	جن لوگوں نے ہمارے لئے مجاہدے کئے ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔
ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصلحین وحسن اولٰئک رفیقا	جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے وہ انلوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ نے احسان کیا، انبیا، صدیقین شہدا، صالحین اور وہ اچھے رفیق ہیں
ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بصف لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوا

اور اسی چیز کا نتیجہ "ملائکہ مقربین میں عزت" ہے، چنانچہ فرماتا ہے

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ٥ نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے اُن پر فرشتے اترتے ہیں کہ مت ڈرنا اور نہ غم کھانا اور خوش ہو جنت سے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں، دنیا اور آخرت میں۔

حدیث میں ہے کہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی معلم الناس الخیر، اور عالم کے لئے فرماتا ہے کہ مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں دعا کرتی ہیں، سید صاحبؒ سے زیادہ آپ کے زمانہ میں معلم خیر کون ہو سکتا ہے جنھوں نے مشرق سے مغرب تک کتاب وسنت کی روشنی پھیلا دی اور ہزاروں سنتیں زندہ کیں، اور آپ کی ہر سانس دین کے لئے دم مسیح اور آپ کی عمر کا ہر لمحہ سنت وشریعت کیلئے حیات جاوداں تھا، پھر آپ کا وجود کسقدر قیمتی اور آپکے لئے دعا کتنی واجب تھی، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ تحدیث بالنعمہ کے طور پر فرمایا کہ الحمد للہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جس کے لئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جسطرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں

وجاہت کا تیسرا شعبہ اللہ اور عباد اللہ الصالحین کے درمیان وساطت فیض ہے

تجدید دین کے ذکر میں اس کا بہت کچھ بیان ہو چکا ہے اور باقی "تزکیہ" کے عنوان کے ماتحت ذکر کیا جائے گا، ولایت کے باب میں شاہ صاحبؒ نے اولیاء کے اوصاف جس بلاغت، تدقیق اور واقفیت سے بیان کئے ہیں وہ ایک ولی اللہ ہی کا حق ہے اور میرے نزدیک سید صاحبؒ کی یہ سب سے زیادہ جامع و مانع سیرت ہے، جو چشم دید ہے اور برسہا برس کی شب و روز کی صحبت و واقفیت و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

بعثت! ایک تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہے جس کا مدار وحی پر ہے اور انھیں حضرات سے مخصوص ہے لیکن ایک بعثت اور بھی ہے اور وہ کسی کا منصب ہدایت پر منجانب اللہ نصب و تقرر ہے، چنانچہ قرآن میں بنی اسرائیل کے نقباء دوازدہ کے متعلق ہے۔

ولقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل	ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے
وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا	بارہ نقیب بھیجے۔

اور مشہور تفسیر کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان بعض حواریوں کے متعلق ہے جو انطاکیہ یا کسی دوسرے قریہ میں ہدایت و تبلیغ کے لئے گئے تھے۔

اذارسلنا الیھم اثنین	جب ہم نے انکی طرف دو شخص بھیجے تو انھوں نے
فکذبوھما فعززنا بثالث	ان کو جھٹلایا، تو ہم نے تیسرے سے انکی مدد کی،
فقالوا انا الیکم مرسلون	انھوں نے کہا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں اور

وما علینا الا البلاغ المبین	اور ہمارا کام صرف صاف صاف پیغام پہونچا دینا ہے

اسی طرح طالوت کے متعلق فرمایا۔

وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا	ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔

اور فرمایا:۔

وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایتنا یوقنون	اور ہم نے ان میں چند پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کرتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:۔

بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔	تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو دشوار کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے

اسی طرح سے فرمایا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا	اللہ تعالٰے اس اُمت کے لئے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجے گا جو اس کے لئے اس کا دین تازہ کردے گا۔

یہی بعثت، امامت، ہدایت اور تجدید دین ہے اور یہی نیابت انبیاء کا

وہ منصب جلیل ہے جو اللہ نے تیرھویں صدی کی ابتدا میں سید صاحبؒ کو عطا فرمایا۔

ہدایت کے تمام آثار و برکات بھی سید صاحبؒ کی ذات سے ظاہر ہوئے آپ کی آمد سے موسم بہار کی طرح زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے، مردہ جسموں میں جان پڑ گئی، دلوں میں نیا جوش و ولولہ، دماغوں میں نئی کیفیت پیدا ہو گئی، طلب حق کا عام جوش اور قبول حق کی غیر معمولی استعداد پیدا ہو گئی، آنکھوں سے پردے اٹھ گئے اور دلوں کے قفل کھل گئے، بجھے ہوئے چولھے گرم ہو گئے، سیکڑوں زاہدان خلوت گزیں جنھوں نے برسوں سے روشنی نہیں دیکھی تھی، گھبرا کر باہر نکل آئے اور آپ کے ساتھ ہو گئے، علماء نے درس و فضیلت کی مسندیں چھوڑ کر آپ کی رکاب تھام لی، اپنی حقیقت منکشف ہو گئی، علوم خبیثہ کا افسوں ٹوٹ گیا۔ انانیت کا کانٹا نکل گیا، واعظوں اور خطیبوں کی زبان میں تاثیر پیدا ہو گئی، سخت دلوں میں خود بخود نرمی اور خشک آنکھوں میں نمی پیدا ہو گئی، فساق و فجار غافلوں کے دل میں میٹھے میٹھے توبہ کا خیال اور اصلاح حال کا شوق پیدا ہوا، بے عمل کم ہمتوں کا حوصلہ بڑھ گیا، بہرحال بالکل موسم بدل گیا، اور اس کی تاثیر بدل گئی اسی کا نام شاہ صاحب کی اصطلاح میں نزول برکت اور حدیث کی اصطلاح میں نزول امانت ہے اور اسی انقلاب کو مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں لیکن اب خدا جانے

کیا بات ہو گئی ہے"۔

اور اسی کو ایک دوسرے عالم بیان کرتے ہیں۔

"کتابیں تو وہی ہیں جو پہلے تھیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کیا ہو گیا تھا"(۱)

اسی طرح سے عقد ہمت کہ سید صاحب سرتاپا دعائے حالی و مقالی تھے ہدایت و اصلاح کی طرف آپ کی توجہ قلبی اور کمال رغبت کی شاہد یہ پوری تاریخ ہے، اسی کی خاطر آپ نے شہر شہر اور گاؤں گاؤں کا سفر کیا، خطرات میں اپنے کو ڈالا، گھر کا عیش و آرام چھوڑا، اسی کے لئے آپ نے تخلیہ عزلت گزینی نہیں اختیار کی سجادہ وخانقاہ نہیں اختیار کی، اور آخر کار سیکڑوں میل وطن سے دور غربت میں جان دی،

آپ کے فیض صحبت کا قائل ایک زمانہ ہے اس کا صحیح حال تو آپ کی جماعت اور خلفاء کے تذکرے سے معلوم ہوگا کہ اس کا صحیح ثبوت یہی ہے، مولانا گنگوہیؒ کے یہ الفاظ اوپر گزر چکے ہیں کہ:۔

"جو انکی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا اسمیں وہی رنگ آگیا"۔

اور یہ الفاظ

"سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہو کہ سید صاحب کے مریدوں میں ان کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ پھر کسی طرح اس میں تغیر نہیں آتا تھا، بلا کی تاثیر تھی

(۱) ارمغان احباب (مولانا سید عبدالحی صاحب مرحوم)

ایک مرتبہ جس نے انکی صحبت حاصل کرلی وہ پھر انھیں کا دم بھرنے لگتا تھا، مرد تو مرد، عورتیں جنھوں نے سوا ایک بار کے کبھی انکی زیارت نہیں کی وہ ایسی پختہ ہو جاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیال سے نہیں ہٹتی تھیں"۔

مولوی محمد حسین صاحب سہارنپور کی طرف کے ایک بزرگ جو سید صاحب کے مرید تھے فرماتے تھے۔

"ہمارے حضرت کے ہاتھ پر جس نے بیعت کی وہ ولی ہے اور جو ان کی صحبت میں بھی رہا ہے اس کا درجہ افراد وابدال سے کم نہیں ہے"۔

مولانا رائے پوری نے صحیح فرمایا کہ:۔

"اور حضرات ولی تھے لیکن سید صاحبؒ ولی گر تھے"۔

سفر وغیرہ میں، دادی میں یا چند دنوں کیلئے جن لوگوں کو آپ کے دیکھنے یا ساتھ رہنے کا موقع مل گیا، ان پر عجیب وغریب رنگ چڑھ گیا، جو بڑے بڑے مشائخ کے برسوں کے فیض یافتہ حضرات میں نہیں ملتا، تہجد گزاری اتباع سنت خدمت خلق، تواضع بجامعیت، میں صحابہ کرام کا نمونہ بن گئے۔

خوارق عادت اور کرامات بھی آپ سے بیشمار ظاہر ہوئیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہی، آپ کی تمام سوانح اور تذکرے ان واقعات سے پر ہیں، وقائع احمدی اس کا سب سے بڑا مجموعہ ہی، ان واقعات کے ظہور میں آپ مشہور مقبولین بارگاہ الٰہی و اولیاء اللہ سے کم نہ تھے، اگرچہ ہمارے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت آپکی

تاثیر و ہدایت تھی، لیکن وہ کرامات جو بزرگی کا نشان سمجھی جاتی ہیں اور جن سے مشہور مشائخ و اولیاء اللہ کے تذکرے لبریز ہوتے ہیں، آپ سے اٹھتے بیٹھتے باذن اللہ ظاہر ہوتی تھیں، سفر میں تقریباً ہر مقام میں یہ واقعہ پیش آتا تھا کہ اندازہ سے زیادہ لوگ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے اور کھانا بظاہر نہایت ناکافی ہوتا تھا لیکن آپ کی چادر ڈال دینے سے یا آپ کے فرمانے سے حسب سنت نبوی خارق عادت برکت ہوتی تھی، آپ کے دئے ہوئے پیسوں یا روپیہ کی وجہ سے ایسی برکت ہوتی کہ برسوں کے لئے کافی ہوتے، اس کے علاوہ صدہا واقعات خرق عادت اور ظہور برکت کے ہیں۔

اہل سنت کا مسلم عقیدہ ہے کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں، اور خود قرآن مجید سے بھی اسکا استنباط کیا جا سکتا ہے کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندھا رزقا، قال یمریم انّٰی لك ھذا قالت ھو من عند اللہ۔

ہدایت کا آخری شعبہ اظہار دعوت ہے، شاہ صاحبؒ نے اسکی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ سے ان حضرات کو مختلف طبائع کے اشخاص کی تربیت کا سلیقہ، ہدایت کے لئے کلام فصیح و بیان بلیغ کی قوت اور اظہار ما فی الضمیر کیلئے وضاحت تقریر عطا فرماتا ہے۔

سید صاحبؒ کی جماعت میں ابتدا سے نہایت مختلف عناصر جمع تھے انمیں مولانا عبدالحی صاحبؒ و شاہ اسمٰعیل صاحبؒ جیسے علماء، حاجی عبدالرحیم صاحبؒ

شاہ ابو سعید صاحبؒ و مولانا محمد یوسف صاحبؒ جیسے سالک صوفی کثرت سے اُمّی و ناخواندہ، جلال آباد، قندھار، کابل و سرحد کے سیکڑوں پٹھان اہل لشکر، سیکڑوں سپاہی، لکھنؤ و دہلی کے مہذب شہری، قصبات و دیہاتوں کے باشندے تھے، اور ان میں ایسا اتحاد، یکجہتی اور محبت تھی جو حقیقی بھائیوں میں نہیں ہوتی، عالم و جاہل، شیخ و عامی کا امتیاز نہ رہا تھا، اور ان میں بھی مختلف شان و رنگ کے لوگ تھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ میں شان صدیقی، مولانا شہیدؒ میں شان فاروقی تھی، بعض گرم، بعض سرد، بعض صوفیانہ طبیعت، بعض سپاہیانہ مزاج تھے اور سب کے جامع سید صاحبؒ تھے،

کلام فصیح و بیان بلیغ کے تذکرے گزر چکے ہیں اور یہ تاثیر کلام ہی تھی کہ علماء عصر امتحان کے لئے آتے اور اپنا علم و فضل آپ پر صدقہ کر دیتے، اور ساری عمر آپ کا کلمہ پڑھتے جس سے آپ کو گفتگو کا موقع مل جاتا وہ پھر آپ ہی کا دم بھرنے لگتا، ہزاروں اشخاص جنمیں علماء و فضلاء بھی تھے پہلے آپ سے سخت بدعقیدہ تھے اور ان کے دلوں میں سیوں شکوک و شبہات تھے لیکن ایک گفتگو کے بعد آپ کے خدام میں شامل ہو گئے اور ساری عمر آپ کے لئے وقف کر دی۔

شاہ صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان مبعوث ہادیوں کی دعوت کا طرز اور ہے اور علمائے فنون کی تعلیم کا طرز اور ہے"

آگے لکھتے ہیں:۔

بہر حال شان امیت ان پر غالب رہتی ہے"

سید صاحب جو امی تھے ان کا بعینہ یہی حال تھا، کلکتہ کے قیام میں سلطان ٹیپو کے شاہزادوں نے آپ کی دعوت کی. سلطان شہید کا ایک پوتا نہایت ذکی اور فاضل عبدالرحیم مشہور محمد عالم کا مایۂ ناز شاگرد اور وجود باری کا منکر اور زندیق تھا اس نے آپ کے سامنے واجب الوجود کے وجود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و قرآن مجید کے الہامی ہونے کا انکار کیا اور عربی میں ایک شستہ تقریر کی، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ہماری پیدائش ہندوستان کی ہے اور کبھی عربی زبان میں بات چیت کا اتفاق نہیں ہوا، اور اصل غرض اظہار مقصد ہے، اس لئے بہتر ہے کہ ہندوستانی زبان میں ہم گفتگو کریں، اور سب حاضرین مجلس ہماری گفتگو سمجھیں، اس نے فارسی میں گفتگو کرنی شروع کی، آپ نے فرمایا ہر چند کہ زبان فارسی میں سمجھتا ہوں لیکن تمھاری عربی اور فارسی زباندانی اہل مجلس پر اچھی طرح ظاہر ہو گئی ہے، یہ سب تکلف ہے اس لئے تم کو اپنی مادری زبان میں گفتگو کرنی چاہیے، آخر میں اس نے اردو میں قواعد منطقیہ و دلائل کلامیہ کی رعایت سے گفتگو شروع کی، اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کو خیال ہوا کہ شاید اس کے جواب دینے کا حکم مجھ کو ہو تو میں اس کی خبر لوں، مگر سید صاحبؒ نے خود بلا لحاظ

قواعد و اصطلاحات جس طرح کسی بچہ کو سمجھایا جائے، کلمات عارفانہ بلکہ سپاہیانہ سے اس کو سمجھانا شروع کیا، مجلس سے اٹھنے سے پہلے وہ تائب ہو کر بیعت ہوگیا اور سلطان شہید کی روح خوش ہوگئی۔

ان تمام کمالات و اوصاف کے ساتھ جو چیز سید صاحبؒ کو دوسرے ائمۂ علم و فقہ ولایت و ہدایت سے ممتاز کرتی ہے وہ سیاست ایمانی ہے اس لئے آپ کی امامت خلافت راشدہ، علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت تھی، آپ میں سیاست کے تمام ضروری شعبے اور اوصاف جمع تھے، جن کو شاہ صاحبؒ نے فراست، امارت، عدالت، حفاظت، نظامت سے تعبیر کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حدیث سے مدلل طریقہ پر ثابت کر دیا ہے کہ خلافت راشدہ کسی خاص زمانہ اور افراد سے مخصوص لقب نہیں جسکا استعمال بعد میں شرعًا ممنوع ہو، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ تیرھویں صدی میں امیر المومنین امام المسلمین اور خلیفہ راشد تھے آپ کی امامت کو ہندوستان کے علماء نے تسلیم کیا اسکی صحت کے فتوے دیئے۔ آپ کے نام کا خطبہ مسجدوں میں پڑھا گیا، آپنے خلافت راشدہ کی بنیاد رکھنی چاہی اور بارہ سو برس پہلے کا وہ عہد زریں پلٹنا چاہا جو اسلام کی عمر میں شباب رفتہ سمجھا جاتا ہے جس کے دوبارہ آنے کی امید نہیں، یہ کوشش اگر کامیاب ہوجاتی تو دنیائے اسلام کا سب سے بڑا انقلاب ہوتا۔

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

آپ کی امامت اپنے وقت کی وہ آزاد، زندہ اور حقیقی امامت تھی جسکی طرف ہر زمانہ میں مسلمانوں کے بالغ نظر حکمار و مبصرین کی آنکھیں لگی ہوتی تھیں جس کے انتظار میں چرخ کہن سیکڑوں کروٹیں بدل چکا، اور ہزاروں ہمدردان اسلام یہ حسرت اپنے ساتھ لے کر گئے جو مسلمانوں کے درد کا واحد درماں اور اسلام کے حق میں پیغام حیات ہے، اس امامت کی حقیقت ہمارے زمانہ کے حکیم شاعر (ڈاکٹر اقبالؒ) نے بیان کی ہے۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے — حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست — زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی — جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(ضرب کلیم)

تزکیہ

قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کئے ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب و حکمت، ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (الجمعہ) "وہ جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک پیغمبر انھیں میں کا جو پڑھ کر سناتا ہے انکو اسکی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و حکمت"۔

ان اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص صفت آپ کی صفت تزکیہ ہے۔

تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف پڑھ کر سنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس تلاوت و تعلیم کا رنگ ان پر چڑھا دیتے ہیں اس کتاب و تعلیم کو ان کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر اُن کے قلوب اور ارواح کو رنگین کرتے ہوئے ان کے اعضاء و جوارح سے جاری کر دیتے ہیں یہی صفت آپکو دنیا کے تمام واعظین و معلمین سے ممتاز کرتی ہے کہ آپ واعظ و معلم کے علاوہ "مزکّی" بھی تھے اور اسی لئے آپ دنیا کے سب سے کامیاب مرشد و ہادی تھے، صحابہؓ کی حیرت انگیز روحانی، اخلاقی، ذہنی، عملی، تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا

رازیہی تھا، اور آج اسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشہ میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی صحبت میں پارس کی تاثیر تھی جسکو میسر آئی وہ کندن نہیں بلکہ خود پارس بن گیا، بہائم انسان بن گئے، اور انسان فرشتے انکی اعتقادی، اخلاقی، روحانی تربیت اتنی اعلیٰ اور مکمل ہوئی جس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتی، جو آپ کے پاس بیٹھا آپکے رنگ میں رنگ گیا، شریعت کے سانچے میں ڈھل گیا، اتباع شریعت بلاارادہ ہونے لگا طاعات آسان اور طبعاً مرغوب ہوگئیں، معاصی مکروہ اور طبعاً مبغوض ہوگئے، یہاں تک کہ امت کا صحابہؓ کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب عادل ہیں اور ادنیٰ صحابی بھی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔

فوری تبدیلی اور باطنی تصرف کے واقعات سے بھی سیرت کی کتابیں بھری ہیں۔

فضالہ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں طواف فرما رہے تھے، میں بُرے ارادہ سے آیا، جب قریب ہوا تو آپ نے فرمایا فضالہ! میں نے کہا یارسولؐ اللہ فضالہ ہی ہے، فرمایا کیا ارادہ کر رہے تھے؟ میں نے کہا کچھ نہیں، اللہ کا ذکر کر رہا تھا، آپ ہنسے اور کہا کہ فضالہ اللہ سے مغفرت چاہو۔ پھر آپ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، میرا دل ٹھیر گیا،

خدا کی قسم ابھی آپ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ اللہ کی مخلوقات میں آپ سے زیادہ کوئی چیز محبوب میری نظر میں نہیں رہی، میں واپس گیا تو وہ عورت ملی جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا آؤ فضالہ باتیں کریں، میں نے کہا اسلام کے بعد یہ نہیں ہو سکتا۔(۱)

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی، کہ میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض ہستی دنیا میں کوئی نہ تھی، اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع ملجاتا تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا، لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ سے زیادہ محبوب و محترم ذات دنیا کے پردہ میں کوئی نہ تھی یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپ کا حلیہ پوچھتا تو واللہ میں آپ کا حلیۂ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لئے میں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں نہ تھا۔(۲)

آپ کے بعد آپ کی امت میں آپ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علیحدہ علیحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین و نائب ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، بعض کے حصہ میں تلاوت کتاب آئی، بعض کو تعلیم کتاب، بعض کو تعلیم حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے اور بعض جامع اوصاف ہیں۔

صرف تلاوت کتاب کرنے والے حفاظ و قراء ہیں، تعلیم کتاب کی خدمت انجام دینے والے علماء ظاہر ہیں اور تعلیم حکمت دینے والے علماء باطن اور محققین

---

(۱) زاد المعاد۔ (۲) مسلم کتاب الایمان، نیز ابی محذورہ، ثمامہ بن اثال و ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

صوفیہ ہیں اور تزکیہ کرنے والے آپ کی اُمت کے وہ اہل دل اور صاحب حال بزرگ ہیں جو آپ کے انفاس و انوار کے وارث وحامل ہیں۔

انبیار کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لئے اور انکی برکات پہونچانے کے لئے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے جتنی کتاب وحکمت کی تعلیم، یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ تعلیم ہے اور وہ تربیت اور تکمیل انسانیت کیلئے دونوں کی ضرورت ہی

تزکیہ کی کمی اعلیٰ تعلیم کے باوجود اسی طرح محسوس ہوتی ہو جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہو ؎

زباں گو صاف ہو جاتی ہو دل طاہر نہیں ہوتا

روز بروز یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ دین جس چیز کا نام ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیم سے بھی نہیں پیدا ہوتی۔ ع

"دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا"

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح میں اور دین کی خدمت میں علمار کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا، دونوں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا، علمار ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مرضی، اسکی خوشی وناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا تو ان بزرگوں سے حقائق شرعیہ اور حکم الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق و ولولہ مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی ورقت، روح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت، اخلاص،

تہذیب نفس اور طہارت اخلاق حاصل ہوئی، جن کو لفظ احسان سے نصوص قرآن و حدیث میں تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعد میں اسی تزکیہ اور احسان کو لوگوں نے تصوف، طریقت، علم باطن، سلوک مختلف ناموں سے یاد کرنا شروع کیا، اسی وقت سے یہ بحثیں پیدا ہوئیں کہ یہ چیز بدعت ہے یا سنت، فرض ہے یا واجب، مستحب ہے یا مباح اور شریعت و طریقت میں موافقت ہے یا مغایرت، پھر اس میں مختلف مذاہب اور گروہ ہو گئے اور یہ ایک بہت بڑا اختلافی مسئلہ بن گیا، رفتہ رفتہ ظاہر و باطن کی تقسیم ہوئی، اور بہت سے لوگوں نے اس پر مصالحت کر لی کہ شریعت و طریقت کی راہ الگ الگ ہے منزل الگ ہے، رہنما الگ ہیں اور رہ نورد الگ ہیں، حالانکہ یہ تقسیم سراسر بدعت ہے لیکن اگر یہ خیال رکھا جائے کہ تزکیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وصف خاص ہے جس کو زبان وحی نے آپ کے اوصاف کے تذکرہ میں کبھی نظر انداز نہیں کیا تو یہ مباحث جنھوں نے بہت کچھ تلخی اختیار کر لی ہے اور دو محترم گروہوں میں جنمیں سے ہر ایک کو دوسرے کی امداد کی ضرورت ہے بہت ہی غیریت اور دوری پیدا کر دی ہے از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح کتاب و حکمت کی تعلیم بعد میں ایک فن اور "صناعت" بن گئی اور اس کے لئے بہت سے علوم و مقدمات کتابوں اور اساتذہ کا ایک پورا ضروری سلسلہ پیدا ہو گیا اور دین کے خادموں نے اپنے اپنے وقت میں اسمیں پوری

کوشش کی اور اہل حق نے اسکو بدعات میں شمار نہیں کیا بلکہ خدمت دین اور قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھا اسی طرح تزکیہ بھی رفتہ رفتہ ایک فن اور صناعت ہو گیا۔ جس کے لئے تعلیم اور اساتذۂ فن کی ضرورت ہوئی، نیز ہر زمانہ کی صحت و مرض اور اہل زمانہ کے مزاج کے موافق ان اطبائے امت نے قلوب ارواح کا علاج کیا اور وقتاً فوقتاً اس "طب نبوی" کی تجدید کرتے رہے۔

سید احمد صاحب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں جو نہ صرف ایک شیخ طریقت ہی تھے بلکہ مجدد طریقہ اور مجتہد فن بھی تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت جس وجاہت و شخصیت جس اخلاص و للہیت جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی، اسلئے تم دیکھو گے کہ جنھوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، ان آخری صدیوں ہی پر نظر ڈالو، امیر عبد القادر الجزائری مجاہد جزائر محمد احمد السودانی دمہدی سوڈانی)، سیدی احمد الشریف[1] السنوسی (امام سنوسی) کو بھی اس میدان کا مرد پاؤ گے، حضرت سید احمد ایک مجاہد و قائد کے علاوہ

(۱) شریف حسنی سید کو کہتے ہیں امام سنوسی اور سید احمد صاحب میں نام و نسب اور سیرت کی عجیب و غریب مناسبت ہے

اس سے پہلے ایک عزیز القدر روحانی پیشوا اذ رشل شیخ الطریقت تھے ۔

حقیقت یہ ہی کہ مجاہدات و ریاضات تزکیہ نفس اور قرب الٰہی سے عشق الٰہی اور جذب و شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے ۔

ہمارے پاس ہی کیا جو خدا کریں تجھ پر　　مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اس لئے روحانی ترقی اور کمال باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوق شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے ۔

اب ہم سید صاحبؒ کے طریقہ کی چند خصوصیات لکھتے ہیں اور اہل ذوق کو "صراط مستقیم" کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں جو نہ صرف علم سلوک بلکہ معارف حقائق کا بھی بہت بڑا خزانہ ہے ۔

(۱) پہلی خصوصیت یہ ہی کہ اُس زمانہ میں اللہ کے یہاں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ مقبول تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ان دیار مشرقیہ میں اسی میں منحصر تھی، چنانچہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتی جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالک سلسلہ چشتیہ میں بیعت مجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مرید تھے، فرماتے تھے کہ "مجھے کسی سے سلوک میں رجوع کی ضرورت نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سید صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤں ۔"

ایک مرتبہ سید صاحب نے فرمایا کہ "آج اللہ نے مجھے بیحد احسانات سے نوازا، مجھے تمام میرے معاصرین و اسلاف میں سرفراز و ممتاز فرمایا، اور فرمایا کہ جو تم سے بیعت کرے گا اس کو دنیا و آخرت کے مکروہات سے محفوظ اور اپنی رضامندی اور انعام سے محظوظ کروں گا، میں نے عرض کی کہ اے کریم میری آرزو ہے کہ میرے آباء و اجداد کو بھی میری بیعت میں داخل فرما کر ان عنایات کا مستحق بنا اللہ نے میری یہ درخواست منظور فرمائی"۔

(۲) دوسری خصوصیت مشائخ و علماء میں مقبولیت ہے چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے جس کے اکابر نے سید صاحبؒ کے سامنے سر عقیدت نہ جھکایا ہو اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمد صاحبؒ جھنجھانویؒ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے، حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے، اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی اور انکی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے، شاہ ابو سعید صاحبؒ جو خاندان نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلۃ الذہب کا ضروری حلقہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ تھے عرصہ تک آپکی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا، سلسلۂ قادریہ کے مشہور

شیخ سید صبغت اللہ بن سید محمد راشد ؒ نے جن کا سلسلہ سندھ میں بہت مشہور و معمور ہے آپ سے استفادہ کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ؒ کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہل علم و فضل نے آپ سے بیعت کی، مولانا اسمٰعیل صاحب ؒ، مولانا عبدالحی صاحب ؒ، مولانا محمد یوسف صاحب ؒ پھلتی کے علاوہ شاہ اسحٰق صاحب ؒ و مولانا یعقوب صاحب ؒ نے استفادہ و باطنی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ تمام مشائخ و علماء آپ کی عظمت و مقبولیت آپ کے طریقہ کی رفعت و فضیلت آپکی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ و متفق اللسان ہیں اور آپ کی محبت اہلسنت و صحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے اور آپ کے متعلق وہی کہنا بالکل صحیح ہوگا جو بعض اہل علم نے آپ کے ہمنام امام احمد کے متعلق کہا ہے

اذا رأیت الرجل یحب احمد بن حنبل	جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے محبت
فاعلم انہ صاحب سنۃ	ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے

ایک دوسرے عالم کا قول ہے۔

من سمعتموہ یذکر احمد بن حنبل	جس کو تم احمد بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو،
بسوٓ فاتھموہ علی الاسلام	اس کے اسلام کو مشکوک نظر سے دیکھو

والد مرحوم نے اپنے سفر میں تمام مشائخ وقت سے ملنے کے بعد لکھا ہے

"جتنے مشائخ ہیں وہ سب اسی سلسلہ کو مقدم جانتے ہیں"(۱)

(۱) ارمغان احباب

(۳) تیسری خصوصیت آپ کی عجیب و غریب تاثیر اور انوار و برکات ہیں، حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ ولایتی باین جلالت قدر و کمال روحانی فرماتے ہیں کہ:۔

"جب مجھ کو حضرت سے بیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا چلہ کشی کرتا تھا، جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، صدہا میرے مرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی اپنے مطلب کے لئے دو چار کوس یا دو ایک منزل لیجانے کی درخواست کرتا اللہ فی اللہ چلا جاتا تھا، اور میری نسبت کا یہ طور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اس سے بڑھ کر تھیں اور میں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحب کو سہارنپور پہونچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کا طریقہ دیکھا اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری موت بُری ہوتی پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو اب دوسری مرتبہ ان سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر دیا اس عقیدہ

سے میرے ہی ہاتھ پر بیعت کرو اور جو نہ کرے گا وہ جانے میں نے آگاہ کر دیا ہے اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں، پھر سب نے دوبارہ بیعت کی، سو میں نے تمام اس عیش و آرام اور ناموس و نام کو ترک کر کے سید صاحبؒ کے یہاں کی محنت و مشقت و تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصہ کے برابر ان معاملات (سابقہ) کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی"۔

میاں محمد حسین صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت امیر المومنین میں ایسا تصرف تھا کہ ایک صحبت میں اندرونی کیفیت متغیر ہو جاتی، چنانچہ جس وقت میں نے بیعت کی اس وقت مجھ پر اپنا وجود منکشف ہو گیا، میں نے اپنے وجود کو دیکھ لیا اور دو چار دن کے بعد جس وقت دل میں نظر ڈالتا تھا سید صاحب ہی سید صاحب نظر آتے تھے"۔

نیز فرماتے ہیں :۔

"ہمارے حضرت کے ہاتھ پر جس نے بیعت کی وہ ولی ہے اور جو انکی صحبت میں بھی رہا اس کا درجہ کسی طرح افراد و ابدال سے کم نہیں ہے حضرت کا

ایسا تصرف تھا کہ جس نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اسی وقت اس کو فنا فی الوجود کا مرتبہ حاصل ہو جاتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد یا دو چار دن کے بعد استعداد کے موافق فنا فی الشیخ ہو جاتا تھا۔[۱]

(۴) چوتھی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ آپ کی نسبت اور تزکیہ و تصرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت و تصرف سے بہت مشابہ تھا، چنانچہ آپ کے مریدین، خلفاء و رفقاء میں اسی قسم کا رنگ اور اسی طرح کے انوار پیدا ہو جاتے تھے، جو حضرات صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوئے تھے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ امیر شاہ خاں صاحب سے فرمایا کہ "سید صاحب پر اسی نسبت کا انکشاف ہوا تھا جس کا انکشاف صحابہ کرامؓ پر ہوا"[۲]

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحبؒ سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرایا، اس کے جواب میں حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہی مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا، سید صاحبؒ کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا[۳]

غالباً یہی کچھ دیکھ کر حاجی صاحبؒ نے سید صاحبؒ سے بیعت ہو کر فرمایا تھا

---

(۱) ارمغان احباب (۲) روایت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر احرار اسلام (۳) امیر الروایات

"جب اللہ نے ان سید صاحب کو سہارن پور پہونچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپکا طریقہ دیکھا اسوقت اپنے نزدیک مجھ کو خیال ہوا کہ اگر میں مرجاتا تو میری موت بُری ہوتی"

آگے فرماتے ہیں:۔

"اللہ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کے بدولت جو دولت دی اور خیر و برکت عطا کی اس کے دسویں حصہ کے برابر ان تمام معاملات کی خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں"۔

اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ آپ سید صاحبؒ سے بیعت ہو جائیں۔

یہ اثر آپ کے ان مریدین میں بھی منتقل ہوا جو سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد آپ سے بیعت ہوئے، شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری فرماتے تھے کہ:۔

"شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے جو لوگ ان کے سید صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے انکی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباع سنت نہایت غالب تھا اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے انکی حالت اس درجہ کی نہ تھی"[۱]۔

حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کا ما جواب اسی قسم کے سوال پر شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے

---

(۱) امیرالروایات

بھی دیا تھا،

"کسی نے آپ سے کہا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور سید صاحب دونوں بزرگوں کے خدام میں سے ہیں، کیا وجہ ہے کہ آپ دونوں حضرات کو چھوڑ کر سید صاحب پر ایسے فریفتہ ہیں، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ میں جب اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلیں لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر انکا نکاح کروا دیا، اس سے تم سمجھ لو کہ میں سید صاحب پر اتنا کیوں فریفتہ ہوں"(۱)

حافظ عبدالکریم صاحبؒ میاں محمد حسین صاحبؒ (سید صاحبؒ کے مرید) کے ایک مرید کہتے ہیں۔

"میں نے میاں صاحب سے جب سے بیعت کی ہے، کبھی شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کا اتفاق نہیں ہوا، کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کوئی کام بھول کے سے بدعت کا کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور ندامت اٹھانی پڑی ہو"(۲)

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے طریقہ کو تمام بدعات سے پاک کیا اور ضروریات زمانہ

---

(۱) ارواح ثلٰثہ (۲) ارمغان احباب۔

اور طبائع کے مطابق اسمیں اصلاح و ترمیم فرمائی،

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں

"سب مشائخ طبیب امت ہیں اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اعتبار سے طرق انھوں نے رکھے ہیں سب کا آل ایک ہی اور سب کا خلاصہ اتباع سنت ہے بعد کو لوگوں نے بدعتیں داخل کر دی تھیں ان کے مجدد حضرت سید صاحب ہوئے"[1]۔

مولانا نے دوسرے موقع پر مصلحین طریقت میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد صاحبؒ کا نام لیا ہے اور کئی موقع پر سید صاحب کو ان اکابر کے ساتھ مصلحین میں شمار کیا۔

میرے برادر معظم ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب (ناظم ندوۃ العلماء) نے والد مرحوم مولانا سید عبدالحی صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ (والد مرحوم) بعض وقت فرماتے تھے کہ :-

"حضرت امیر المومنین سید احمد شہید کے طریقہ میں ان کے منتسبین کے ذریعہ سے جتنی جلدی اور آسانی کے ساتھ قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ اور طریقوں میں مفقود ہے، آپ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب[2] د

---

(۱) ارواح ثلثہ ۔ (۲) حضرت شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ اس آخر زمانہ میں سید صاحب کے خاندان کے جامع برکات تبع سنت شیخ اور اپنے وقت کے جنید و بایزید تھے، مولوی سید سعید الدین صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ تھے، طفولیت سے رشد و صلاحیت کے آثار ظاہر اور وَاَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ کے مصداق تھے، تحصیل علم کے لئے دہلی تشریف لے گئے واپسی پر سید صاحبؒ کے سلسلہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) مرشد برحق مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ سے بیعت ہوئے اور شیخ کی توجہ اور ریاضنت ومجاہدہ واتباع سنت کی برکت سے نسبت تو یہ حاصل کی اور بہت جلد ان اطراف میں مرجع طالبین ہوگئے، ساری عمر راہ نبوت پر تزکیہ وتربیت باطنی میں گزار دی اور اپنے خاندان کی روایات وبرکات کو زندہ کیا، باوجودیکہ والد سے بڑی جائداد ترکہ میں پائی تھی اور ضلع کے نامور زمینداروں میں شمار تھا، مگر دنیا سے کچھ تعلق نہ رکھا، یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ انکی جائداد کتنی ہے اور کہاں ہے۔ سارا انتظام بھائی اور بھتیجے کرتے تھے، ایک مرتبہ ڈپٹی عبدالستار صاحب (برادر مولانا محمد امین صاحبؒ) نے دریافت کیا کہ آپکے کتنے گاؤں ہیں، آپنے اپنے بھتیجے مولوی سید خلیل الدین صاحب کو آواز دی اور کہا کہ ان کو بتادو کہ ہمارے کتنے گاؤں ہیں، کتابوں کا بڑا شوق تھا۔ جہاں کوئی کتاب نئی چھپتی فوراً منگواتے مزاج میں مشیخت ومخدومیت نام کو نہ تھی، باوجودیکہ شہر میں کثرت سے مرید تھے خود بازار جاتے اور جو کوئی کچھ منگواتا خرید کر لاتے، نماز وتلاوت میں غرق رہتے، نماز کو کھڑے ہوتے یا قرآن پڑھنا شروع کردیتے تو دنیا ومافیہا کی خبر نہ رہتی، پاؤں میں سخت رعشہ تھا لیکن جب نماز کو کھڑے ہوجاتے قدم کو جنبش نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ محراب میں کھڑے ہوگئے سارے کھڑے ہونے والے ہمت ہار گئے، نوجوان گر گر گئے۔ اور آپنے پورا قرآن مجید سنا، ایک مرتبہ قرآن پڑھ رہے تھے، جوان لڑکی کے انتقال کی خبر آئی، صرف انا للہ کہا اور پھر پڑھنے لگے، توجہ میں اتنی قوت تھی کہ توجہ لینے والا مرغ بسمل کی طرح لوٹتا۔ میرے چچا سید صدیق احمد صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپنے کچھ روز راقم السطور کے والد مرحوم (مولانا سید عبدالحی صاحبؒ) کو توجہ دی، کسی طرح میں (سید صدیق احمد صاحب) بھی بیٹھ گیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نماز میں ایسی لذت اور محویت ہوتی تھی کہ ختم کرنیکا جی نہیں چاہتا تھا اور ایک نماز سے دوسری نماز کا انتظار رہتا تھا، امیروں سے نہایت وحشت تھی اور غریبوں سے بیحد انس تھا، باغ پھلتا تو شہر کے غرباء اور غریب مریدین کو تحائف بھیجتے بجائے اس کے کہ خود مریدین کے ہاں جاتے مریدین آتے تھے اور مہینوں مہمان رہتے تھے، آپ کے فضائل ومناقب، اخلاق وخصائل کے لئے دفتر درکار ہے۔ والد مرحوم نے نزہتہ الخواطر میں آپ کے لئے یہ الفاظ لکھے ہیں برکۃ الدنیا وستر الوجوہ ولب لباب اللہ فان۔ مریدین میں حضرت مولانا سید محمد امین صاحب

جناب والد ماجد (حکیم سید فخرالدین صاحب مرحوم[1]) کی توجہ سے جو مدارج گھنٹوں میں حاصل ہوئے وہ اور طریقوں کے مطابق برسوں میں نہ حاصل ہوئے، بات یہ ہے کہ حضرت سید صاحب رحؒ کو درگاہ خداوندی سے جو مجددیت کا شرف حاصل ہوا تھا اس کا منشا یہی تھا کہ اس متمدن زمانہ کے کثیرالاشغال وضعیف البنیان نفوس کیلئے سلوک راہ عبودیت کو آسان بنا دیا جائے[2]"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰) نصیرآبادی، مولانا محمد ابراہیم آروی (صاحب طریق النجاۃ) مولانا محمد بردوانی مولانا محمد علی مونگیری، مولانا محمد مکی جونپوری۔ مولانا محمد ابوبکر صاحب فاروقی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی ہیں آپ کے دو صاحبزادے سید احمد سعید صاحب، مولوی حافظ سید عبیداللہ صاحب مرحوم اور پانچ صاحبزادیاں تھیں جنہیں ایک میری والدہ ہیں

(۱) مولانا حکیم سید فخرالدین خیالی مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ کے والد ماجد، اور مولانا سید عبدالعلی نصیرآبادیؒ کے صاحبزادہ۔ اپنے زمانہ کے جلیل القدر اردو، فارسی، بھاشا کے مصنف و شاعر تھے، تصانیف کا ایک دفتر بے پایاں یادگار چھوڑا جسمیں "مہر جہاں تاب" خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو فارسی زبان میں علوم و معارف کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے اور جس کی پہلی جلد فلسکیپ سائز کے تیرہ ۱۳۰۰ سو صفحوں میں تمام ہوئی ہے، پوری عمر گمنامی زہد و قناعت اور علمی خدمت میں گزاری: بیعت سلوک اپنے پھوپھا امام ربانی مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی سے حاصل تھی۔ اور ذاکر شاغل بزرگ تھے، انتقال کے وقت باوجود اس ناتوانی کے کہ کان لگاکر بات سننا دشوار تھا، قلب اس قوت کے ساتھ جاری تھا کہ دور تک صاف اسم ذات کی آواز آرہی تھی، ۱۳۲۶ھ میں وفات ہوئی، شعراء اردو کے تذکرۂ گل رعنا میں آپ کے حالات اور کلام کا نمونہ ہے۔ (۲) ترجمہ مصنف یادایام۔

تصوف و سلوک میں سید صاحبؒ کے مرتبہ کا اندازہ اور آپ کے اجتہاد و تجدید کے مقام کا علم "صراط مستقیم" کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، جن لوگوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، ان کے لئے اس کے اہم ترین باب "سلوک راہ نبوت" کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

اقتباس از "صراط مستقیم"

طریق سلوک راہ نبوت کے بیان میں

اس باب میں چھ افادہ ہیں،

افادہ (۱)

راہ نبوت کے طالب کو اخلاق و ملکات قلبیہ کی تہذیب اور (جس طرح سے کتاب کے باب دوم سے معلوم ہو چکا ہے) عبادات شرعیہ کی ادائی کے بعد پہلی چیز جو لازمی ہے وہ مقام توبہ میں راسخ القدم ہونا ہے، تفصیل اسکی یہ ہے کہ اس طریق کے طالب کو چاہئے کہ منہیات شرعیہ کو خواہ وہ اعتقادات سے ہوں، خواہ اخلاق و ملکات کے جنس سے ہوں، یا عبادات میں افراط و تفریط کے قبیل سے ہوں کتاب و سنت سے تنقیح و تفتیش کرے اگر خود کتاب و سنت کا عالم ہے تو خود ورنہ علمائے محدثین سے دریافت کرے، بعد اس کے اللہ و تبارک تعالیٰ کا جو احسان اور اس کی جو تربیت اس ذرہ بمقدار پر مبذول ہے اس پر بار بار غور کرے اور اس کو ذہن نشین کرے اور اس بے نیاز کی طرف اپنے کمال عجز و احتیاج کو پیش نظر رکھے، اس کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل میں سوچے کہ ایسے محسن حقیقی کی ناخوشی

ایسے عاجز بمقدار کے حق میں کہ سرتاپا احتیاج در احتیاج ہے کسقدر مذموم و معیوب ہے اس خیال کو ذہن میں ایسا جاگزیں کرے کہ اس محسن کی ناخوشی کی اہمیت اسکے ایسی ذہن نشین ہو جائے کہ اس کا اگر تصور کرے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، پھر صمیم قلب سے اس کو ایسا قبول کرے کہ تمام منہیات شرعیہ کے تصور سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور ان ممنوعات کی برائی اس کے دل و دماغ پر طاری ہو جائے، اور اس کے دل میں ان منہیات کی طرف سے خوف اور وحشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ جان جانے کو ان منہیات کے صادر ہونے کے مقابلہ میں ہیچ سمجھے۔

اس کے بعد قرآن مجید کی عظمت کا تصور کرے اور دل سے سوچے کہ یہ اللہ کی صفات ازلیہ میں سے ایک صفت ہے جس کو عالم امکان سے کوئی مناسبت نہ تھی، حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت سے زبان عربی کے لباس میں اس وصف ازلی اور کمال ذاتی کو نازل فرمایا اور اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنایا جس طرح کہ ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار کو ہاتھ میں لے اس کے ایک کنارے کو اپنے ہاتھ سے تھامے اور دوسرے کنارے کو ایک مفلس و عاجز فقیر بیمایہ کو کہ ہرگز التفات شاہانہ کے لائق نہ تھا پکڑا دے اور حکم دے کہ جب کبھی تجھ کو ضرورت پیش آئے اس دستار کو حرکت دے کر مجھ کو اپنی ضرورت کی اطلاع دے میں فوراً توجہ کردوں گا۔ پس اگر اس فقیر کی حالت پر اچھی طرح سے غور کیا جائے تھوڑی دیر کے لئے قانون ادب سے آدمی ہٹ جائے تو صاف صاف کہا جا سکتا ہے کہ

اگرچہ بظاہر فقیر کے ہاتھ میں دستار کا صرف ایک کنارہ ہے لیکن فی الحقیقت اسکے ہاتھ میں خود بادشاہ اور اس کی بادشاہت ہے، غرض اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں ایسی راسخ ہو جانی چاہیئے کہ جب وہ مصحف پر نظر کرے اور اس کلام پاک کے تعلق کا مصحف کیساتھ لحاظ کرے اسکی نگاہ اس مصحف کے دیکھنے سے خیرہ اور اس کا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہو جائے اور پھر جب وہ دیکھے کہ وہ کلام پاک اس مصحف کے واسطہ سے میرے قابو میں ہے جس وقت توجہ کروں بے تکلف اسکو زبان پر جاری کر لوں اور جسوقت ارادہ کروں بلا جان و مال صرف کئے ہوئے اپنے ہاتھ کو اس تک پہونچا دوں اور اس کو اپنے سینہ پر رکھ لوں تو ضرور اس کو اس بات کا خیال کر کے اپنی حالت پر تعجب و حیرت ہوگی جس طرح ایک یاقوت درخشاں ایک مفلس کم مایہ کے ہاتھ لگ جائے جب وہ اس کو دیکھتا ہے تو نگاہ اس کی چمک سے خیرہ ہوتی ہے، جب اپنے افلاس و کم مائگی پر نظر ڈالتا ہے تو حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب عظمت اس کلام پاک کی اس کے ذہن میں جم جائے اور اس کلام پاک کے سبب سے درگاہ الٰہی سے اپنے تعلق و ارتباط کی پختگی کو سمجھ لے تو توبہ کا عزم کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مبارک دنوں میں کسی دن مصحف پاک کو اپنے ساتھ لیکر کسی تنہا جگہ پر جائے اور خدا کے سامنے زیادہ سے زیادہ الحاح و زاری کرے اور کہے کہ بارخدایا میں ہر طرح سے عاجز اور تو ہر طرح سے قادر ہے توبہ کہ راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھ کو نصیب فرما، میری نالائقی کو نہ دیکھ

اپنی لاانتہا عنایات کو دیکھ، کہ لیاقت بھی تیرے ہی ہاتھ ہے۔

چوں ساقی شوی در دتنگ ظرفی نماند　　بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

اس کے بعد تکفیر سیئات اور توبہ کی حقیقت کے حصول کی نیت سے نہایت خضوع اور توجہ قلب سے صلوٰۃ التسبیح پڑھے اور بیشتر ارکان صلوٰۃ میں اپنے دل کو تکفیر سیئات کی طلب کی طرف متوجہ رکھے، اس کے بعد حضرت حق کے انعامات اسکی ناخوشی کی بیحد برائی اور منہیات شرعیہ سے کمال تنفر کا خیال کرے، اگر باطن میں یہ حالت ظاہر ہو اور دل و دماغ فکر و خیال سب پر اس کا اثر نمایاں ہو تو خیر ورنہ اس کام کو دوسرے روز پر اٹھا رکھے اور دوبارہ کرے یہاں تک کہ یہ حالت پیدا ہو اور اس حالت میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور رب العزت کے درمیان تعلق وارتباط کی پختگی کا لحاظ کرے، جب اس کلام پاک کی عظمت اور اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان اس کی وساطت سے اسکا سینہ مالامال ہو جائے اور اس کلام پاک کی ملابست سے وہ باغ باغ ہو جائے ایسی نگاہ جسمیں اعلیٰ التعظیم قلبی شامل ہو مصحف پاک پر ڈالے اور کہے کہ بارخدایا میں نے تیرے اس کلام پاک کو تیرے حضور اپنا شفیع بنایا اور اس کو وسیلہ پکڑا اور تیرے اس حبل متین سے اپنے کو مضبوط طریقہ پر باندھا، اس کے بعد فرائض شریعت کی پابندی اور منہیات سے اجتناب کا مجملاً خیال رکھتے ہوئے یہ طالب جس کے لئے بلاضرورت رخصتوں سے تمسک بھی منہیات میں سے ہے توبہ کا عہد و پیمان کرے اور اس کی صورت یہ ہے

کہ جس طرح ایک شخص کسی کام کے کرنے یا کسی چیز سے بچنے کا اپنے طور عہد کرتا ہے اور اس معاہدہ کو پختہ کرنے کے لئے محبوب ترین شے کی قسم کا التزام کرتا ہے مثلاً اگر مومن ہے تو حق تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک محبوب ترین چیز اولاد یا مال یا آبرو یا اپنی جان ہوتی ہے اسی کی قسم کھاتا ہے اگر عاشق ہو تو معشوق کی قسم کھاتا ہے، اس کے مؤکد قسم کھانے سے اس کام کے کرنے یا اس چیز سے بچنے پر اس کو خاص توجہ ہوتی ہے اس کو عقد یمین کہتے ہیں اسیطرح قوی توجہ سے کام لے کر قرآن مجید سے توسل کرتے ہوئے اپنی زبان سے کہے کہ بار خدایا! تیری عنایت پر بھروسہ کرتے ہوئے شریعت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرتا ہوں اور جانب شرع کو نفس و مال، جان و آبرو، فرزند و عیال، اُستاد و پیر و آقا اور تمام مخلوقات کے جانب پر ترجیح دوں گا۔ بار خدایا! میں محض عاجز ہوں تیری مہربانی پر بھروسہ کر کے اس عظیم الشان کام کو اپنے ذمہ لیتا ہوں، بس اپنے کرم سے اس معاہدہ کو تکمیل تک پہونچا، اس کے بعد ہمیشہ اس معاہدۂ توبہ کی پابندی کی طرف توجہ ضروری ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ میں نے شہنشاہ برحق، قادر مطلق، عالم ظاہر و باطن، شدید العقاب اور سریع الانتقام کے حضور میں یہ معاہدہ کیا ہے، مبادا بال برابر اس سے تجاوز کروں اور عہد شکنی کا داغ ہمیشہ کے لئے اپنی پیشانی پر لگاؤں، جیسے کہ ایک شخص نے کسی بادشاہ عالیشان کی عدالت میں جو صاحب قدرت و انتقام ہے مچلکہ دیا ہو کہ فلاں کام کروں گا اور فلاں

کام نہ کروں گا، ضروری ہے کہ اس کو حرکت و سکون، قول و فعل میں اس مچلکہ کا خیال رہے گا، یعنی جب کبھی کسی کام کے کرنے یا کسی بات کے کہنے یا حرکت و سکون کا ارادہ اس کے دل میں آئے گا تو پہلے وہ اس کو اپنے میزان عقل میں تولے گا کہ یہ اس نوشتہ کے مطابق ہے یا مخالف، اس کے بعد وہ اس ارادہ کو عمل میں لائے گا، نیز اس کو چاہئے کہ زائد خصوصیت اور قوی مناسبت قرآن مجید کیساتھ اپنے دل میں مستحکم کرے جیسے کہ ایک طالب کو اپنے شیخ کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً جو شخص طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ رکھتا ہے اسکو حضرت غوث الاعظمؒ سے اعتقاد عظیم ہوتا ہے اور جب یہ بیعت عمل میں آتی ہے تو اس کو سابق اعتقاد سے زائد مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے تئیں آنجناب کے غلاموں کے زمرہ اور آپ کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں شمار کرتا ہے اسی طرح سے قرآن کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان پر واجب ہی لیکن اس طالب کو اس کلام پاک کے ساتھ دوسری ہی مناسبت حاصل ہو اس کے بعد اسی توبہ کو کسی ایسے بزرگ کے ہاتھ پر جو کتاب و سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب میں اس زمانہ میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہو ظاہر کرے۔ قرآن مجید کو شیخ حقیقی اور اس بزرگ کو شیخ ظاہری سمجھے اس بنا پر وہ قرآن کی اتباع کو اصل اور اس بزرگ کے اتباع کو فرع سمجھے گا اور بخوبی ظاہر ہے کہ جب فرع و اصل باہم متعارض ہوں گے فرع درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گا، یہ مقام توبہ کی صورت ہی جسطرح کہ اس طریق کے مناسب ہے اور اس طرح سے معاہدۂ توبہ

میں بڑے بڑے فوائد ہیں جسمیں خاص فائدہ یہ ہے کہ اس سے توبہ میں استقامت حاصل ہوتی ہے، تفصیل اسکی یہ ہے کہ تجربہ صحیحہ سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچگئی ہے کہ جسوقت کوئی طالب کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے عنایت الٰہی، اس بزرگ کی وجاہت کی برکت سے اس طالب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ارتکاب معاصی کے مواقع اور ملابست منہیات کے مقامات سے انواع و اقسام کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ کے ذریعہ سے اس کو باز رکھتی ہے اور یہ بات دو طرح سے ہوتی ہے ایک اس طرح کہ وہ بزرگ وجاہت عنداللہ کے ساتھ کامل النفس قوی التاثیر صاحب کشف صحیح ہو، پس حق جلّ وعلا اس بزرگ کو اس طالب کے مواقع منہیات میں پڑنے سے مطلع کردیتا ہے اور اس کو معاصی کے ارتکاب سے باز رکھنے کا حکم فرماتا ہے پس وہ بزرگ کسی تدبیر سے خواہ وہ خواب میں ہو خواہ بیداری میں اس طالب اور ان قبائح کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، دوسرے یہ کہ حق جلّ وعلا اپنی عنایت سے جو اس کو اس بزرگ کے حال پر ہوتی ہے غیب الغیب سے کوئی نازک تدبیر بر روئے کار لاتا ہے جو اس طالب کی حفاظت کا ذریعہ بنجاتی ہے اور یہ تدبیر خفی کسی طرح سے اس بزرگ سے منسوب ہوجاتی ہے، حالانکہ وہ بزرگ اصلاً اس معاملہ سے واقف نہیں ہوتا بلکہ اس تدبیر کا ظہور اس طرح پر کہ وہ بزرگ سے منسوب ہوجائے محض اس بزرگ کی وجاہت کے اضافہ کے لئے پردۂ غیب سے ہوتا ہے جیسے کہ منقول ہے کہ حضرت یوسفؑ جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا

ہوئے اور وہ عاشقہ تباہ حال حصول وصال کی طامع ہوئی، حضرت یعقوبؑ دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے ظاہر ہوئے اور اس سے تمام معاملہ درہم و برہم ہوگیا حالانکہ حضرت یعقوبؑ کو اصلاً حضرت یوسفؑ کے حال کی خبر نہ تھی، حضرت جبرئیلؑ حضرت یعقوبؑ کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے، جاننا چاہیئے کہ یہ دونوں وجوہ قرآن مجید میں اس طرح پائے جاتے ہیں کہ ممکنات میں سے کسی چیز میں اس طرح متصور نہیں اس لئے کہ حقیقت قرآنی ان امور قدسیہ میں سے ہے جو حقائق امکانیہ میں سے کسی حقیقت میں پائی نہیں جاتی اس لئے کہ وہ واجب و ممکن کے درمیان برزخ کی طرح ہے اور اس کی وجاہت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہے جبکا کسی کو ادراک ممکن نہیں چہ جائیکہ اس کا حصول، کیونکہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور حضرت حق کے کمالات ذاتیہ کے ہے اور جو تعلق صفات و ذات کے درمیان ہے وہ ممتنع التصور ہے، پس ضروری ہے کہ حضرت حق کی توجہ اس طالب کی حفاظت کی طرف مکمل ترین طریقہ پر ہوگی خواہ پہلے طریقہ پر ہو، خواہ دوسرے طریقہ پر یعنی اس طالب کی حفاظت اس طرح ہو کہ اس حقیقت قرآنی کی طرف سے کہ نور مقدس ہے، طالب اور امور منکرہ کے درمیان کسی طریقہ پر خواب یا بیداری میں کوئی چیز حائل ہو جائے یا اس طرح کہ حق جل و علا بذات پاک خود ملئکہ عظام یا ارواح مقدسہ کے ذریعہ سے قرآن مجید سے توسل کی برکت سے طالب کی حفاظت کرے۔

افادہ (۲) جب طالب راہ نبوت مقام توبہ میں راسخ القدم ہو جائے

اس کو لازم ہے کہ قدم ہمت ذکر ایمانی اور مراقبۂ صمدیت میں راسخ کرے، ذکر ایمانی کا طریقہ یہ ہی کہ پہلے قرآن مجید کے معانی لغویہ اور اذکار منقولہ وادعیۂ ماثورہ کی تحقیق کرے اگر خود فنون عربیہ سے واقف ہے تو خیر ورنہ اس کو ان فنون کے محققین سے کہ معتبر اور اہل بصیرت ہوں دریافت کرے اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے میں بجز عرب اول کی زبان کے التفات نہ کرے اور فنون ادب کے ان متعمقین کی موشگافی سے دھوکہ نہ کھائے، جنھوں نے اظہار فضیلت کے لئے اپنے تئیں محققین عربیت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کی راہ مقصود ماری ہے کہ یہ بدعت محض اور عمر کو لہو ولعب میں ضائع کرنا ہے

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ میروی بترکستان است

اس کے بعد اس مطلب کا خلاصہ اور ان مضامین کی تفصیل جیسی کہ باب اول میں گزری ملحوظ رکھے اور اس کو ذہن نشین کرے اور ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اذکار وادعیۂ ماثورہ کے ساتھ زبان سے قرآن کی تلاوت مابین الجہر والاخفاء اکثر اوقات میں شروع کرے، جہر مفرط اور اخفاء مفرط بعض اوقات مفید ہوتا ہے اور ان کا اعتبار چنداں مفید نہیں، جہر مفرط کی حد اذان وتلبیہ سے سمجھنی چاہئے اور اخفاء مفرط کی حد یہ ہے کہ آواز کان میں آئے اور اوسط کی حد یہ ہے کہ جیسے لوگ آپس میں اہل ادب وتمیز دار لوگوں کی مجلسوں میں گفتگو کرتے ہیں، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود محض کثرت ذکر یا مجاہدۂ نفس یا ضبط

اوقات نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود اس حالت کا پیدا ہو جانا ہے جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے پس جب وہ حالت پائی جائے تو اس کو ذکر ایمانی سمجھنا چاہیئے لیکن اگر وہ حالت پیدا نہ ہو تو وہ ذکر منجملہ ریاضات نفسانیہ کے ہے، ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہیں کرنی چاہیئے کہ ذاکر کی طبیعت اکتا جائے اور آخر سستی و کاہلی پیدا ہو جائے، تدریجاً طبیعت کو اسکا عادی بنایا جائے۔

مراقبہ صمدیت :۔ اس مراقبہ کے اصول کی بنیاد یہ ہے کہ (جیسے باب سوم میں بیان ہوا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس قادر مطلق کی عجائبات قدرت کا ملاحظہ کیا جائے لیکن فرحت و مسرت کا جوش اور اپنے قصور و احتیاج کا احساس اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان کہ مراقبۂ صمدیت کا مرکز ہے، ابتداء میں مشترک احسانات اور روزمرہ کی تاثیرات سے نہیں ہوتا، مثلاً بارش کا ہونا، کھیتی کا اگنا کہ ہر چند عظیم الشان احسانات میں سے ہے لیکن چونکہ اس احسان میں تمام افراد نوع انسانی شریک ہیں اس لئے اس کا خیال کرنے سے ایک عام شخص کو وہ کیفیت جس کا بیان ہو چکا ہے نہیں پیدا ہوتی اسی طرح آسمان و زمین کی پیدائش اور اجرام فلکی کا وجود اگرچہ قدرت ظاہرہ کی عظیم ترین نشانیوں اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ کی علامات میں سے ہے لیکن چونکہ یہ چیزیں اکثر انسان کے پیش نظر رہتی ہیں اس لئے ان چیزوں کو دیکھ کر اس کا ذہن حضرت حق کے کمالات کی طرف منتقل نہیں ہوتا اسلئے طالب کو

چاہئے کہ وہ مخصوص احسانات جو اس کے نفس یا اس کے ہمجنسوں پر ہوئے، اور وہ عجائب قدرت جو خلاف عادت ظہور میں آئے اور اسی طرح کی باتیں خیال میں لائے اور وہ واقعات جو اس طرح کے مضامین پر مشتمل ہوں بار بار گوش ہوش سے سُنے اور بار بار اپنے ذہن میں لائے اور وقتاً فوقتاً اپنے کو اس عظیم بالاستحقاق کے بحر عظمت اور اس منعم علی الاطلاق کے بادیہ انعامات میں متحیر بنائے کہ سررشتۂ مراقبۂ صمدیت اس کے ہاتھ آئے، جب مراقبۂ صمدیت جیسے کہ باب اول وثالث میں مذکور ہوا ذہن نشین ہوجائے اس کو ذکر ایمانی کے ساتھ شریک کرے اگر ممکن ہو تو ذکر ایمانی کے درمیان میں مراقبۂ صمدیت کرے، ورنہ کچھ وقت ذکر میں، کچھ وقت فکر میں صرف کرے، ابتدا میں فکر کو ذکر سے اور مراقبۂ صمدیت کو ذکر ایمانی سے اہم سمجھے کچھ مؤیدات ہیں جن کے سبب سے ذکر و فکر کو رونق حاصل ہوتی ہے اور اس کے آثار قوت و سرعت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں، ان مؤیدات میں قوی تر اور سب سے بڑھ کر خلق اللہ خصوصاً یتامے، مساکین و فقراء کی خدمت، حاجتمندوں کی حاجت روائی، بیماروں کی خبر گیری اور عاجزوں اور لاچاروں اور ناامیدوں کی کار برآری و امداد ہے، ذکر و فکر پر مداومت کرنے سے سعادت دارین کے خزانوں کی کنجی یعنی حبِ ایمانی اس کے ہاتھ آجائے گی اور اسی محبت کا حاصل ہوجانا ذکر و فکر کی تکمیل کی علامت ہے۔

افادہ (۳) جب حبِ ایمانی اپنے کمال کو پہونچ جاتی ہے تو طالب کی

توجہ کا طائر بلند پرواز اس طریق کی ظاہر ترین علامت اور اس راہ کی بلند ترین چوٹی پر آشیانہ بناتا ہے، یہ فنائے ارادہ ہے جیساکہ باب اول میں مذکور ہوا۔ اور اسی کمال کا حصول حب ایمانی کی تکمیل کی علامت ہو۔ جاننا چاہیئے کہ نفس کو ارادہ سے خالی کر دینا راہ نبوت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے، راہ ولایت میں اور یہ دونوں شغل ان دونوں طریق کے اصل لاصول ہیں، تشریح اس کی یہ ہو کہ سلوک راہ نبوت کا کمال عبارت ہے، شدت انقیاد اور علاقۂ عبودیت کے استحکام سے اور بخوبی ظاہر ہے کہ اپنے تئیں پتھر، لکڑی بنا دینا مولی کے ہاتھ میں اور اپنی لوح طبیعت کو ارادہ کے نقوش اور عزائم سے پاک کر دینا انتہائے انقیاد ہے، اور علاقۂ عبودیت کے استحکام کے مراتب میں قوی ترین مرتبہ ہے، ہاں بعض اوقات بعض اطاعت شعار غلام اپنی عقل و تدبیر کی مداخلت سے ایک طرح کی وجاہت حاصل کر لیتے ہیں، لیکن اس وجاہت کا حصول اسی طور پر متصور ہو سکتا ہے کہ غلام اپنے آقا سے زیادہ عاقل ہو وہ آقا بعض چیزوں کا حکم دے اور یہ خیر خواہ و نصیحت شعار غلام اپنے ذکا و فطرت سے جان جائے کہ اس حکم کی تعمیل سے آقا کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہو جائے گا، پس اگر وہ غلام اسوقت تعمیل حکم پر اکتفا کرے اور اپنی عقل و سمجھ کو دخل نہ دے تو وہ ملامت و عتاب سے محفوظ رہے گا اور معذور ہو گا اور اگر بحکم عقل و فہم اس میں کچھ مداخلت کریگا، اور اس مداخلت کے سبب سے آقا کے کاموں میں کوئی کام نہیں بگڑے گا، پس اگرچہ شرعًا

مستحق عتاب وملامت ہوگا لیکن آقا کے ساتھ اپنی خیرخواہی کی بدولت اپنے آقا کے یہاں مزید وجاہت حاصل کریگا، لیکن جب بندگی کا یہ معاملہ ایک نادان وجاہل بندہ اور ایسے آقا کے درمیان ہو جو حکیم علی الاطلاق اور ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا ہو تو وہاں سوائے اطاعت اور تعمیل حکم کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا اپنے تئیں ہلاکت و نافرمانی میں مبتلا کرنا ہے۔ یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا اس موقع پر ضروری ہے اور وہ ارادہ سے طبیعت کو پاک کرنے کے اقسام ہیں، پس جاننا چاہیئے کہ اسکی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم جو سالکین راہ ولایت کا مقصود ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خواہش ارادہ یکسر فنا ہو جائے، تشریح اس کی یہ ہے کہ مقام فنا میں کمال رسوخ کی وجہ سے تمام اشیاء کی رغبت وخواہش باطل ہو جاتی ہے اور توحید افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم وارادہ کی بیخکنی ہو جاتی ہے پس اس مقام کے لوگ اپنے تئیں دست تقدیر میں لکڑی یا پتھر سمجھتے ہیں اور جمادات کی طرح از خود رفتہ وخود فراموش ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم جو سالکین مبادی راہ نبوت کا حصہ ہے وہ عبارت ہے اپنے ارادہ کو حق تعالےٰ کے ارادہ کے تابع کر دینے سے، تشریح اسکی یہ ہے کہ وہ اقتضاء رغبت اور خواہش اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور ان کا عزم وارادہ بالکل فنا نہیں ہو جاتا بلکہ امور مرغوبہ کی رغبت اور امور مکروہہ سے نفرت ان کے دل میں پوری طرح موجود ہوتی ہے لیکن رضائے مولیٰ کی طلب میں اس اقتضاء و رغبت اور کراہت و نفرت پر اپنے مولےٰ کی اجازت کے بغیر عمل نہیں کرتے اور

اپنے ارادہ کو اپنی طبیعت کے اقتضا کے موافق استعمال نہیں کرتے اور اس کو محض اپنے مولیٰ کی رضا کی طلب میں اختیار کرتے ہیں، تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو راہ نبوت کے مناصب عالیہ پر فائز ہو چکے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو اپنے مولیٰ کے حکم کے انتظار میں معطل کر دیتے ہیں۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ چونکہ اس راہ کے مناصب عالیہ پر پہونچنے والوں کو رحمت ربانی اور حکمت یزدانی کا انکشاف ہوتا ہی اور وہ دل سے سمجھتے ہیں کہ جو بھی انسب اور اولیٰ ہو گا حکمت الٰہی اسی کا تقاضا کرے گی اور کسی انسب واولیٰ کام کو وہ حکمت نظر انداز نہیں کرے گی، ہم جیسے مطیع غلاموں کو رحمت الٰہی مہمل ومعطل نہ چھوڑے گی بلکہ ہم غلاموں کے حق میں جو بھی انسب واولیٰ ہو گا اسی کا ہم سے کام لے گی اور اسی کا ہم کو حکم دے گی، اس لئے اپنی عقل اور ارادوں کو خدائی کارخانہ میں دخل دینا محض لغو وبیکار ہے، پس ہر وہ شخص جو اس جیسے حکیم ورحیم وعلیم آقا کے غلاموں کے زمرہ میں اپنے کو منسلک کر دے اس کا کام یہی ہے کہ اس کے کارخانہ میں اپنی عقل اور ارادہ کو دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر اپنے آقا کے چہرہ پر رکھے، اس کے حکم کا منتظر رہے اور کسی خدمت معینہ کو اپنے آقا کی خدمات میں سے لازم اور اپنا شعار نہ سمجھے، بلکہ خدمتگار کی طرح دوام حضوری اور ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے آقا کے اوضاع واطوار سے اسکی مرضی سمجھ کر اس کی نگاہ کے روبرو رہے اور ہمیشہ اسکے احکام کا منتظر رہے، تاکہ آقا کی جانب سے جو حکم صادر ہو اس کی بجاآوری کیلئے

وہ کمربستہ ہو۔

افادہ (۴) جب فنائے ارادہ کمال کو پہونچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہو کہ طالب محدثین وشہداء کے زمرہ میں داخل ہوجائے تو مراقبۂ عظمت شروع کرے اس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح سے سالکین راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت یعنی حضرت حق کی طرف دوام توجہ کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب یہ ملکۂ یادداشت طبیعت کی گہرائی میں جم جاتا ہے تو اس کو کسی صفت کے ساتھ ملاتے ہیں مثلاً تمام کائنات کا احاطہ یا مظاہر متعددہ میں ظہور یا کثرت کونیہ کا صدور اس ذات منبع البرکات سے یا قرب معیت وجودیہ اس طالب کے ساتھ، اسی طرح اس راہ نبوت کے طالب کو چاہئے کہ حصول ملکۂ یادداشت کے بعد صفت سلطنت وحکومت کو ملائے اور مضمون له ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وله ما سکن فی الیل والنهار وهو الله فی السموات وفی الارض یعلم سرکم وجهرکم کا لحاظ کرے اور معیت، قرب، علمی کو پیش نظر رکھے اور اس کی بساط سلطنت وحکومت کا آسمان وزمین بحر وبر آبادی اور ویرانی، بسیط ومرکب، اپنے اندر و باہر پر پھیلا ہونا خیال کرے پس جو حرکت وسکون اس سے یا دوسرے سے صادر ہوتا ہے اس کو دیکھتے ہی دل سے یہ یقین کرے کہ حق تبارک وتعالیٰ اس کو جانتا اور دیکھتا ہے اور اپنے کو خلوت وجلوت میں اور تمام حالات میں تنہا نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ اسکی حالت اس

شخص کی حالت کی طرح ہے جسکے ساتھ ہمیشہ ایک شخص رہتا ہے اور اس شخص کو اس سے تعلق پدری بھی ہے اور تعلق تربیت بھی تعلق دوستی بھی ہے اور تعلق سلطنت بھی، تعلق آقائی بھی ہو اور تعلق اُستادی بھی تعلق پیری بھی ہے اور تعلق محبت و محبوبیت بھی ہے، اور محض قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اسیقدر نہ جانے کہ وہ شخص میرے ہمراہ ہے بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا اور سنتا اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کے اخلاص کو قبول فرمانا اور اس پر تحسین و آفریں کرتا ہے اور عقبیٰ میں ثواب عظیم اور دنیا میں قرب وجاہت عطا فرماتا ہے اور اس کو اپنے مخصوصین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے اور نافرمان کی نافرمانی کو رد کر دیتا ہے اور اس پر لعنت و نفریں بھیجتا ہے اور عقبیٰ میں سخت سزا اور دنیا میں اس کو بعد و ذلت نصیب کرتا ہے اور اس کو اپنے ناشکروں میں شمار کرتا ہے، بڑے گناہوں کو معمولی طاعات سے جن میں کمال اخلاص اور شدت انقیاد شامل ہوتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جلیل القدر طاعات کو اس ادنیٰ معصیت سے جسمیں خبث نفس اور مخالفت حق شامل ہو اکارت کر دیتا ہے، بالجملہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اُس کی شان ہے تفصیلاً اس مضمون کو ذہن میں رکھنا ضروری نہیں، حاشا وکلا تصوّرات عقلیہ سے کیا فائدہ؟ مقصود یہ ہے کہ اس طالب کا حال تمام احوال میں اس شخص کا سا ہونا چاہیئے جو ایسے شخص کے ہمیشہ ہمراہ رہتا ہے جسکی صفات اوپر گزر چکی ہیں اسی طرح حضرت حق کی بساط سلطنت کے تمام کائنات پر پھیلے ہونے سے مقصود صرف یہ نہیں ہے کہ اس کو صرف ذہن میں تصور کر کے اذعان

عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح کہ آفتاب ریگستان کے ہر ہر ذرہ اور بحر خام کی ہر ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کو ایک دریائے نور متلاطم الامواج نظر آتا ہے اسی طرح فیض رحمانی کی تدبیر، ہو جو تمام کائنات پر محیط ہے، دنیا کے ذرات میں سے ہر ذرہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور علویات و سفلیات میں مجموعًا و فردًا فردًا ایک ہی تاثیر ظاہر ہوتی ہے اور زمین کے جس حصہ کے اوپر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے وہ کھڑا ہوتا ہے اسکی حالت اس شخص کی حالت کی طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اسکا ہاتھ پکڑ کر ایک دریائے زخار کے سامنے پانی میں لٹکا دیتا ہے جب وہ شخص دریا کو دیکھتا ہے اس کو قابل عبور نہیں پاتا، جب وہ ہوا کو دیکھتا ہے اس کو بھی اپنے بس سے باہر پاتا ہے، آسمان کو دیکھتا ہے تو اس تک پہونچنا بھی محال نظر آتا ہے آخر کار اس آدمی کا ہاتھ ہی اس کو پناہ کی جگہ معلوم ہوتا ہے پس وہ یقین کے ساتھ سمجھنے لگتا ہے کہ جب تک یہ شخص میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے نہ مجھے نہ بحر زخار کی موجوں کا ڈر ہے، نہ ہوا کے جھونکوں کا اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دے تو کہیں میرا ٹھکانا نہیں، جس موج پر میں گروں گا وہ مجھے غرق کر دے گی اس میں کسی موج کا امتیاز نہیں، اس خیال کے پختہ ہو جانے سے اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ شیر ژیاں یا بیل مست اگر اس پر حملہ کرے، یا کوئی دشمن اس کے حلق پر شمشیر برہنہ رکھ دے اس حالت میں بھی وہ طالب دل سے سمجھیگا کہ جب تک حضرت حق اپنا دست حفاظت مجھ سے نہ اٹھائیں گے مجھے ذرہ برابر بھی کوئی نقصان نہیں

پہونچے گا، خواہ کتنا یقینی خطرہ ہو اور اگر وہ حافظ مطلق دست حفاظت میرے سر سے اٹھا لے تو ایک حقیر چیونٹی اور ایک ذلیل مکھی بھی میرا کام تمام کر سکتی ہے، اسی لئے اس طریقہ کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ پر فائز ہوئے جیسے انبیاء کرام اور ان کے وارث جبار بادشاہوں کا اپنے اعوان و انصار کی قلت کے باوجود مقابلہ کیا، جیسے کہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ مشہور ہے، یہ نہ سمجھنا کہ اس طالب پر کوئی خوف یا اطمینان مہلکات کے اسباب کے قرب یا بعد کی وجہ سے اصلاً طاری نہیں ہوتا کیونکہ یہ بات لوازم بشریت سے بالکل نکل جانے سے ہو سکتی ہے اور لوازم بشریت سے انسلاخ اس دنیا میں خصوصاً طالبین راہ نبوت (جس کا خلاصہ فطرت انسانی کی تکمیل ہے) کے حق میں متصور نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ خوف یا اطمینان جس کا تعلق قلب سے ہے اور جو عقل و ہوش کو پراگندہ کر دیتا ہے، ہلاکت کے اسباب کے قرب یا بعد سے اس طالب پر طاری نہیں ہوتا، بخلاف طبیعی خوف و اطمینان کے جو پیش آسکتا ہے اور آتا ہے اس خوف قلبی اور خوف طبیعی کا نازک فرق بغیر مثال کے سمجھ میں نہیں آسکتا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لیتا ہے اور اس لکڑی کو اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیری آنکھ ہرگز نہ پھوڑوں گا، مجھے محض امتحان مقصود ہے تو جبتک کہ وہ لکڑی آنکھ سے دور رہے گی، لڑکے کی حالت میں کچھ تغیر نہ ہوگا اور جب وہ لکڑی آنکھ کے قریب آئے گی تو کچھ نہ کچھ اس کی حالت میں تغیر ہوگا اور اسکی آنکھیں اضطراراً بند

ہو جائیں گی، حالانکہ اس کے دل میں لکڑی کے دور رہنے یا قریب آنے میں کوئی فرق نہیں اس لئے کہ وہ قطعی طور پر جانتا ہے کہ اس لکڑی کا نقصان خواہ وہ دور ہو یا قریب ہرگز مجھ کو نہیں پہونچیگا۔ لہذا اضطراب قلب اور تشویش اس کو پیدا نہیں ہوگی اور اندھے ہو جانے کا خیال بھی اس کو نہ آئے گا، مگر جب لکڑی قریب آئے گی تو اسکی آنکھ خود بخود بند ہو جائیگی، اسیطرح سے طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق کے ہاتھ میں لکڑی یا پتھر کی طرح سمجھتا ہے اور تمام موجودات کو اسکی عظمت کے سامنے سرنگوں جانتا ہے مگر امور ضارہ ونافعہ کے قرب وبُعد کی وجہ سے اسکو طبعی خوف یا اطمینان پیدا ہوتا ہے، کیا تم نے قرآن مجید میں حضرت زکریاؑ کا قصہ نہیں پڑھا کہ آنجنابؑ نے اپنی کبر سنی اور اہلیہ کی عقم کے باوجود جناب واہب العطیات سے فرزند سعادتمند کی درخواست کی اور اثنائے طلب میں آنجنابؑ کو ان موانع کے باوجود فرزند عطا ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہوا، ورنہ یہ دعا اس طرح دل سے نہ نکلتی لیکن جسوقت غیب سے فرزند کی بشارت پہونچی آپ کی زبان سے کلمۂ استبعاد صادر ہوا، أنّیٰ

یکون لی غلام وکانت امرأتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا

افادہ (۵) جب مراقبۂ عظمت اپنے کمال کو پہونچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہو کہ روح توکل جس کا باب اول میں ذکر ہو چکا ہے حاصل ہو جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں اہل خدمات کے زمرہ میں بھی داخل ہو جاتے ہیں تو مراقبۂ الوہیت شروع کرے اور تشریح اسکی یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کی

بیشمار شانیں ہیں منجملہ ان کے ایک شان حلم بھی ہے کہ باوجود مخالفین کی شدت مخالفت کے ان کے مواخذہ میں تعجیل نہیں فرماتا، انھیں میں سے ایک شان عفو ہے کہ ہر چند نافرمان بدترین برائیاں اور شدید ترین نافرمانیاں کرتے ہیں لیکن جسوقت وہ اس کے چوکھٹ پر جبین نیاز رکھ دیتے ہیں اور اخلاص کیساتھ توبہ کرتے ہیں ضرور وہ رحیم مطلق ان کے جرائم سے درگزر فرماتا ہے اور اپنے دامن رحمت میں بکمال عنایت ومہربانی اس تائب کی پرورش کرتا ہے اور اس جرم قبیح کو نسیًا منسیا کردیتا ہے اور تعذیب کو تنعیم کے ساتھ بدل دیتا ہے، منجملہ ان کے ایک شان عموم فیض ہے جیسے بارش کا نازل کرنا، کھیتی پیدا کرنا اور اسی طرح کہ کامل و ناقص، فرمانبردار و نافرمان مکلف وغیر مکلف اسمیں شریک ہوتے ہیں اور دریائے رحمت سے یکساں سیراب ہوتے ہیں، ورحمتی وسعت کل شئی میں اسی طرف اشارہ ہے اور منجملہ انکے شان وسعت ہے کہ انسان کے نفس کاملہ میں وسعت حوصلہ اس کا نمونہ ہے اسکی تشریح یہ ہے کہ جس طرح کہ بعض کمل بشری نفوس فراخی سینہ میں اعلیٰ مرتبہ میں ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم، مختلف معالات، متعدد کارخانوں سے دل تنگ اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر معاملہ پر توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر کام کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں اور ہر کارخانہ کو جیسا کہ اس کے لائق ہے چلاتے ہیں، نہ اتنی زیادتی کرتے ہیں کہ ایک ہی کارخانہ میں محو ہو جائیں اور دوسرے کارخانہ کو تباہ کردیں، یا اس کارخانہ کے لوگوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے

کارخانے والے رعایا کی طرح ان کے ہاتھوں میں مجبور ہو جائیں اور ان کو بھول جائیں اور نہ اتنی کمی کرتے ہیں کہ وہ کارخانہ بے رونق ہو جائے اور اس کے متعلقین چادر مذلت اوڑھ کر زاویۂ خمول و تعطل میں بیٹھ رہیں اور اسی طرح لوگوں سے ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں، مختلف الاستعداد، مختلف الطبائع، متغائر الحاجات والاغراض اشخاص میں سے ہر ایک کے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں جیسے اسکے لائق ہوتا ہے اور اس سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جو اس کے پیمانۂ استعداد کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے کہ جو تعلق اور خصوصیت مجھ سے ہے وہ ایسے شخص سے بھی نہیں ہے جو باعتبار خدمت و مرتبت کے مجھ سے ارفع و اعلیٰ ہے، خلاصہ یہ کہ وسعت حوصلہ کے مطلب کا اچھی طرح تصور کرنا چاہئے اسکے بعد سمجھنا چاہئے کہ جو فرق خدائی کارخانہ اور ان نفوس کاملہ کے کارخانہ میں ہے وہی فرق وسعت الٰہی اور ان اکابر کے وسعت حوصلہ میں ہے جو شخص وسعت الٰہی کا مطلب اچھی طرح سمجھ لے وہ جسقدر رنگارنگ کارخانوں اور گوناگوں معاملات پر نظر کرے گا اسی قدر وسعت الٰہی کا پھیلاؤ اس کے ذہن نشین ہوگا، منجملہ اسکے دشمنوں کی دشمنی سے بے پرواہی بھی ہے اس لئے کہ حضرت حق کے یہ دشمن اور اس جواد مطلق کے یہ ناشکر و احسان فراموش اس منعم حقیقی سے ضد کرنے میں اور اس مالک حقیقی کے احکام کی مخالفت، شریعتوں سے مقابلہ اور انبیاء کی تحقیر کرنے میں کیا کیا کوششیں نہیں کرتے، لیکن وہ منبع جود و کرم اپنی سخاوت

وفیض کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی حمایت و پرورش کے دامن ان کو نہیں نکالتا، بلکہ اگر بطریق تادیب ایک طریقہ سے ان سے مواخذہ فرماتا ہے تو ہزار طریقوں سے ان پر پے در پے نعمتیں نازل فرماتا ہے، مختصر یہ کہ اس دنیا میں اس کی دار و گیر و سرزنش بھی اکثر اوقات ایک مشفق باپ کی اس تادیب کی طرح ہوتی ہے جو وہ اپنے نافرمان لڑکے کی کرتا ہے کہ اگرچہ وہ شفیق باپ انتظام و تربیت کے لئے نافرمان لڑکے کی گوشمالی کرتا ہے لیکن عین اس سرزنش اور تادیب میں خیر خواہی و شفقت پدری پوشیدہ ہوتی ہے وہ اس کو بالکل برباد نہیں کر دیتا، اگرچہ یہ نفس تادیب خود شفقت و تربیت کی ایک قسم ہے لیکن اس مقام پر مقصد یہ ہے کہ یہ تادیب وہ اس طرح سے نہیں کرتا کہ وہ نافرمان لڑکا برباد ہو جائے بلکہ ہر دار و گیر اور ہر سرزنش میں اسکی نیت اچھی ہوتی ہے اگر وہ ناشکر اس مواخذہ سے کسی طرح بچ جائے اور اپنی ناشکری پر نادم ہو تو ہلاکت سے اس کو راہ نجات مل سکتی ہے، ان تمام شانوں کی اصل علو ذاتی ہے کہ اسی کا پرتو نفوس کاملہ پر پڑتا ہے، اور علو ہمت کہلاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص علو ذاتی کے اعلیٰ مرتبہ میں ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے ان ذلیل امور کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان افکار کے ہجوم سے اس کے دل میں تشویش پیدا ہو، یا اس کے معاملات میں تزلزل نمایاں ہو، اس لئے کینوں کے سب و شتم سے عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں انتقام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا

اور وہ اس کو خس وخاشاک کا غبار سمجھتے ہیں اور قابل انتقام نہیں خیال کرتے مختصراً اس علو ذاتی الٰہی کو باعتبار انشراح کے ان شانوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا، اور عالم امکان میں قانون حکمت کے اقتضا سے ان شانوں کے آثار کے ظہور کے اعتبار سے اسکو الوہیت کہا جا سکتا ہے، الوہیت کو ایک درخت کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ اور علو ذاتی کو بمنزلہ تخم کے اور ان ذکر کی ہوئی شانوں کو بمنزلہ شاخ و برگ کے اور عالم امکان میں ان کے آثار کے ظہور کو بمنزلہ ثمرہ کے سمجھنا چاہیئے، پس طالب راہ نبوت کو مراقبۂ عظمت کے آثار کے ظاہر ہونے کے بعد لازم ہے کہ مراقبۂ الوہیت شروع کرے مراقبۂ الوہیت سے مقصود محض الوہیت کے مطلب کا تصور نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کمال کا تصور کر کے اپنے نفس کے آئینہ میں اسکے انعکاس کے طالب بنیں کہ تخلقوا باخلاق اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے اور جب کبھی معاملات مذکورہ میں سے کوئی معاملہ پیش آئے مثلاً کسی جماعت کی سرداری ملے یا مختلف متفرق معاملات اس پر ہجوم کریں، یا کوئی مخالف اس کی مخالفت کرے الوہیت کا مطلب یاد کر کے اس شان الٰہی کے مطابق محض تشبیہاً باللہ عمل کرے، مختصراً اسکا حال اس شخص کا سا ہونا چاہیئے کہ نشست و برخاست، جامہ ولباس اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں محبوب کی وضع اس کے دل و دماغ میں بس گئی ہے اور تمام جسم میں رچ گئی ہے، جب وہ بات کرنے لگتا ہے تو اسی کی ڈھب آجاتی ہے جب وہ چلتا ہے تو چلنے میں بھی محبوب کی شباہت آجاتی ہے اسی طرح سے اخلاق الٰہی

مراقبہ کرنے والے کی طبیعت کی گہرائی میں بیٹھ جانے چاہئیں۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ مراقبوں کے آثار تین طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ طالب جس چیز کا مراقبہ کرتا ہے اس کے لوازم اسکی طبیعت میں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے کہ ایک کریم النفس شخص غذائے لطیف کھا رہا ہو اور ایک مفلس بھوک کا مارا اس پر نظر لگائے ہوئے ہو تو ضروری ہے کہ وہ کریم النفس اس کھانے کا ایک لقمہ اس مفلس کو بھی دیدے گا، اسی طرح جب طالب حق اپنے دیدۂ بصیرت کو فرط طلب اور کمال خواہش کیساتھ خداوندی شانوں میں سے کسی شان مثلاً عظمت یا الوہیت یا معاملات ربانیہ میں سے کسی معاملہ پر لگا دے گا تو وہ کریم مطلق ان شانوں کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں سے کچھ نہ کچھ طالب کی استعداد کے مطابق اس کی طبیعت کے اس آئینہ میں جو نامرضیات حق کے زنگ سے صاف ہے منعکس کر دے گا، مثلاً اگر اس نے مراقبۂ عظمت کیا ہے تو اس کو ملاء اعلیٰ میں کچھ وجاہت اور بعض کائنات پر کچھ اقتدار وحکومت حاصل ہو جائے گی، اگر اس نے مراقبۂ الوہیت کیا ہے تو اس کو فراخ حوصلگی اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی طاقت اور عفو وحلم کا ملکہ نصیب ہو جائے گا، اگر اس نے مراقبہ خلت کیا ہے تو خلت (محبت ودوستی) کے معاملات میں سے بعض معاملات مثلاً مکالمہ وسرگوشی ظاہر ہو گی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس طالب کیلئے ملاء اعلیٰ، ملاء اسافل ارواح مقدسہ اور صلحائے بنی آدم کے قلوب میں قبولیت پیدا ہو جاتی ہو اسکی

تفصیل باب اول میں حب ایمانی کے ثمرات کے ذکر میں گزر چکی ہے۔ تیسرا طریقہ نوافل عطایا کا ہے جیسے کہ ایک مفلس لذید کھانوں اور مزیدار پھلوں اور میووں اور نفیس لباسوں پر نظر لگائے رہتا ہو اور انہیں چیزوں کے حصول کا متوقع رہتا ہے اور ان اشیاء کا مالک کچھ ان میں سے بھی دیدیتا ہے اور کوئی دوسری چیز جو ان چیزوں میں سے نہیں ہوتی، لیکن اس مفلس کے مناسب حال ہوتی ہو اس کو ارزانی فرماتا ہو۔ مثلاً اگر اس شخص کی کھانے ہی میں نیت لگی ہے تو اس کو کھانے کا بھی ایک لقمہ دیدیتا ہے اور اس کے سوا کچھ نقد بھی دیتا ہو تاکہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کرے اور بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ شخص اس مطلوب شے کی لیاقت نہیں رکھتا، مثلاً بیمار ہے اور لذیذ فواکہہ کی خواہش رکھتا ہے پس ضروری ہے کہ ان فواکہہ کا مالک اس کو بجائے فواکہہ کے کوئی کلاہ یا قبا دیکر تسلی دے، ان عطیات کو جن کے حصول کی توقع نہیں ہوتی ہم نوافل عطایا سے تعبیر کرتے ہیں اسیطرح سے جب طالب حق خدا کی شانوں میں سے کسی شان یا اُسکے معاملات میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرتا ہو تو نوافل عطایا سے مشرف ہوتا ہو اور اس مراقبہ کے ثمرات کے حصول کیساتھ یا بغیر انکے حصول کے ان نوافل عطایا کا کسی قاعدہ یا قانون عقل کے جس کا عقول بشریہ ادراک کرسکیں مطابق ہونا ضروری نہیں اسلئے کہ عطیہ نافلہ کا تعین اس مراقبہ یا اس کے آثار کے مناسب نہیں ہوتا بلکہ طالب کی استعداد کے مطابق ہوتا ہو مثلاً کوئی شخص فطرتاً ذکی العقل پیدا ہوا ہو اور راہ نبوت کی طلب کے اثنا میں اسنے مراقبہ عظمت کی مزاولت کی ہو بس اسکے آثار مرتب ہوں یا نہوں لیکن

ذکاوت ذہن کی ترقی اور علوم مرضیہ حق میں فہم کی قوت اس کو حاصل ہوگی اسی طرح اگر طہارت فطرت پر پیدا ہوا ہے تو عبادات کی توفیق اور تقویٰ کا ملکہ اسکو حاصل ہوگا، اگرچہ یہ امور مراقبۂ عظمت کے آثار سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے اسی وجہ سے راہ حق کے اکثر طالبین اس طریق کے اعمال و اشغال کی مزاولت کرتے ہیں اور چونکہ اس کے آثار کما حقہ اپنے میں نہیں دیکھتے اس لئے صدائے محرومی بلند کرتے ہیں. اور یاس و ناامیدی کے کلمات ان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ شاید انھیں اعمال و اشغال کی برکت سے کوئی دوسری بات امور مقبولہ عند اللہ میں سے جو ان اعمال و اشغال کی جنس میں سے نہیں ہے انکو حاصل ہوئی ہو، اور اس کے اور ان اعمال و اشغال کے درمیان عدم مناسبت کی وجہ سے ان کے ذہن میں وہ بات نہ آتی ہو، اسی طرح سے اس راہ کے بعض طالب جو گزشتہ اہل کمال بزرگوں کے واقعات سنتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو فلاں فلاں شغل و عمل سے فلاں کمال حاصل ہوا تھا وہ خود بھی شغل و عمل کو کرتے ہیں لیکن اس کمال کا کوئی اثر نہیں پاتے وہ حیران ہوتے ہیں، کبھی ان واقعات کی تکذیب کی جراءت کرتے ہیں۔ کبھی سمجھتے ہیں کہ اس عمل کے شروط وارکان میں کچھ کمی رہ گئی ہے یا بے قاعدگی ہوگئی ہے، شاید وہ عمل دوسرا تھا اور یہ دوسرا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کمال نوافل عطایا کی جنس سے تھا نہ کہ اس عمل کے آثار میں سے واللہ اعلم بالصواب ھو الہادی الی طریق الرشاد

افادہ (۶) جب مراقبۂ الوہیت اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے اور اس کے

آثار بیش از بیش ظاہر ہوتے ہیں اور طالب کو مقام تکمیل و کمال عطا ہو جاتا ہے اور مرتبۂ خلافت من اللہ اسکو نصیب ہوتا ہے، اس وقت بعض اکملین کو ایسا مقام حاصل ہوتا ہے کہ خلعت تحریر و تقریر اس کے قد تصویر پہ نا زیبا و کوتاہ ہے، یہ مقام مقام انکشاف وجہ اللہ ہے اور آیت واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ اس مضمون کی وضاحت تقریر و کلام سے بہت مشکل ہے ع

لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

لیکن اس کا تخیل اگرچہ ناقص ہو ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے اسکی تشریح یہ ہے کہ امور محسوسہ و غیبیہ میں سے ہر امر کا ادراک اسی کے مثل کی وساطت سے ہو سکتا ہے مثلاً انوار شہادیہ کا احساس نور بصارت سے ہو سکتا ہے اسیطرح سے تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک انھیں آلات جسمانیہ ظاہرہ سے ہو سکتا ہے جن کو حواس کہتے ہیں، اسی طرح سے عالم مثال کا ادراک اس قوت خیال سے ہو سکتا ہے جو انسان کے قالب میں اس عالم کا تمثال ہے اور وہ امور جو تجرد و تعلق کے بین بین ہیں انکا تصور اس قوت واہمہ سے ہو سکتا ہے جو بین العقل والحواس ہے اسی طرح کے کلیات عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک اس قوت عاقلہ سے ہو سکتا ہے۔ جو تجرد و بساطت میں ان امور کی مماثل ہے اسی پر باقی لطائف انسانیہ کو قیاس کرنا چاہیے، مثلاً تجلی اعظم اور حقائق ملاء اعلیٰ کا ادراک لطیفہ سر سے اور وجود منبسط کا ادراک

لطیفۂ خفی سے ہو سکتا ہے جو حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے اور اس کو دل کہتے ہیں، پس سمجھنا چاہیئے کہ ذات بے کیف و بے چون و چگون و بے شبہ و بے نمون تمام تجلیات سے بلند و بالا ہے، یہاں تک کہ اس تجلی اعظم سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور تمام تنزلات سے معرا یہاں تک کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سب سے زیادہ شامل و جامع ہے اور ہر صفت میں تمام موجودات کی مماثلت سے منزہ ہے تو اس مرتبۂ ذات کا تصور کہ جس کو مجہول مطلق اور ممتنع التصور کہتے ہیں بجز نور قدسی الٰہی کے ممکن نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقیٰ علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اہتدیٰ ومن اخطأہ ضل، پس اللہ تعالیٰ نے اسی نور قدسی کو سعدائے کے عقول میں ابتدائے فطرت میں ودیعت کیا ہے، نور حق کا وہ قطرہ بمنزلہ اس نور بصارت کے ہے جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے اور جیسے کہ بینائی کا سبب درحقیقت وہی نور ہے اور تمام پردہائے چشم بلکہ خود جرم چشم اس کے قوالب ہیں اور تمام ظاہری روشنیاں جیسے چراغ، شمع آفتاب و ماہتاب کی روشنی اس کے مویدات میں سے ہے اس لئے کہ اگر اس نور بصارت کو مجمع النور میں ودیعت نہ رکھا جاتا تو یقیناً اس شخص کا شمار نابیناؤں میں ہوتا اور نابینا کو جرم چشم اور انوار ظاہرہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، پس اگرچہ عوام الناس ظاہر نظر میں یہی خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھ یا آفتاب یا ماہتاب کی روشنی کی وساطت سے دیکھتے ہیں لیکن اگر وہ غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ آلۂ بصارت

درحقیقت وہی نور بصارت ہے لیکن چونکہ وہ نور آنکھ کے راستہ سے آتا ہے اسلئے اس سببیت کی نسبت آنکھ کی طرف بھی کر سکتے ہیں اور چونکہ انوار ظاہرہ اسی نور بصارت کے مؤید ہیں اس وجہ سے ان انوار کو بھی اسباب بصارت کہہ سکتے ہیں حالانکہ خود ان انوار کا ادراک اسی نور کی وساطت سے ہو چہ جائیکہ دوسری چیزوں کا ادراک، اسی طرح سے، ذات بحت کے ادراک کا آلہ اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرۂ نور قدسی ہے کہ ارواح کے ظہور کی ابتدار میں اہل سعادت کے نصیب میں آیا اور اجسام کی خلقت کے بعد لطیفہ عقل کی تہہ میں پوشیدہ ہو گیا اور اسکی شعاع انسان کے باطنی لطائف میں رنگا رنگ انواع اور گوناگوں الوان کیساتھ ظاہر ہوئی (جسطرح سے کہ آفتاب کی شعاع بسیط مختلفۃ الالوان والاشکال شیشوں میں ظاہر ہوتی ہے) اور انوار قاہرہ غیبیہ کے ساتھ ظاہر ہوئی مثلاً کتب سماویہ کے نزول، انبیار کرام، علمار ذوالاحترام اور اولیار عظام کے وجود کے ساتھ اس نے انبساط وانشراح پایا، یہ بات نہیں ہے کہ یہ انوار غیبیہ نفس انسانی میں اس نور قدسی کے ظہور کا سبب ہیں بلکہ وہ نور قدسی ازل الآزال سے نفوس میں ودیعت ہے اور یہ انوار غیبیہ اس کے انبساط وانشراح کا سبب بنجاتے ہیں پس اگرچہ سالکان راہ ولایت اور طالبان راہ نبوت ابتدائی حالات میں خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفۂ قلب یا لطیفۂ سر یا لطیفۂ خفی وغیرہ سے حاصل ہوا ہے یا آسمانی کتابوں کے نزول اور انبیار واولیار کے وجود سے ہم کو توجہ الی اللہ

حاصل ہوئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے
جو ازل لآزال سے ان کے حصہ میں آیا تھا اور اس نے تمام لطائف باطنہ کو رونق
بخشی اور کتب انبیاء کی حقیقت اسی نور کے سبب سے ان کے ذہن نشین ہوئی
لہٰذا جو شخص ازل لآزال میں اس نور سے محروم رہا، جیسے ابوجہل وابولہب
اس کے حق میں یہ انوار قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ مفید نہیں اور
ایک مادر زاد اندھے کی طرح وہ عین روز روشن میں ٹھوکر کھائے گا اور گرے گا
ہاں اتنی بات ہے کہ اس نور قدسی کی شعاع لطائف انسانی کے رنگ میں ظاہر ہوتی
ہے اور لطائف کے اختلاف کے مطابق اسمیں تفاوت عظیم ہوتا ہے اور وہ ہر
لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی خاص قسم اور تجلیات ربانیہ کا مخصوص انکشاف اور حضرت
حق کے معارف کے خاص آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں بخشتی ہے اور
دوسرے لطیفہ میں ان چیزوں میں سے کوئی دوسری چیز پیدا کرتی ہے اس لطیفہ نورانیہ
کو ہم حجر بحت سے موسوم کر سکتے ہیں، اس حجر بحت کو عقل کے جگر میں اس طرح
تصور کرنا چاہیے، جیسے مختلف الالوان شیشوں کے پردہ میں ایک چراغ روشن
ہو۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب جاننا چاہیئے کہ جس طرح سے کہ اجرام علویہ کے
انوار رات کے وقت نمایاں ہوتے ہیں اگرچہ دراصل وہ آفتاب کی روشنی ہے
جو ان کواکب کے اجرام صیقلیہ میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گوناگوں لباسوں میں
ظاہر ہوتی ہے لیکن جب آفتاب اُفق سے طلوع ہوتا ہے تو تمام انوار مختلفہ آفتاب کے

نور بسیط میں ماند پڑ جاتے ہیں اور تمام علویات وسفلیات کے بساط پر ایک یکرنگی نورانی چادر تن جاتی ہے اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ آفتاب کی اس روشنی کے مراتب انعکاس اس کے مرتبہ اصلی میں ماند پڑ جاتے ہیں اور اس وقت فرع و اصل ایک ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب نفس کاملہ کا حجر بحت سے بے پردہ سابقہ پڑتا ہے تو حجر بحت کی ایک شعاع مقدس اٹھتی ہے اور تمام لطائف کو اپنا ہمرنگ بنا دیتی ہے اور اس سالک کے پورے باطن کو سرتاپا حجر بحت کر دیتی ہے جیسے کہ کسی شخص کے تمام بدن میں نور بصارت سرایت کر جائے اور اس کا تمام جسم نرگس کی طرح دیدہ وا ہو جائے، یہ حالت اس حالت سے مختلف ہے جو راہ ولایت کے سالک کو مبادی سلوک میں پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسکا قلب وسیع ہو جاتا ہے اور تمام بدن اس میں گم ہو جاتا ہے بس اس کا پورا وجود قلب ہو جاتا ہے اسلئے کہ یہ حالت حجر بحت کے انبساط کے مقابلہ میں دریا اخضر کے مقابلہ میں قطرہ کا حکم رکھتی ہے اس لئے کہ اسحالت کی نہایت یہ ہے کہ سالک کا تمام وجود تجلی قلبی کا آلۂ ادراک ہو جاتا ہے اور اس حالت کا مآل یہ ہے کہ اس صاحب کمال کا پورا باطن ذات بحت کے ادراک کا واسطہ بنجاتا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے وہ شخص جس کا تمام وجود قلب ہو گیا ہے اس شخص کے مقابلہ میں جس کا تمام باطن حجر بحت ہو گیا ہے کیا حیثیت رکھتا ہے، جب کوئی کامل شخص اس مقام کو پہونچ جاتا ہے تو وہ امور جو دوسروں کے لئے باعث کدورت وانقباض ہوتے

ہیں، اس شخص کے باطن میں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا، جیسے کوئی شخص علوم دقیقہ کی مزاولت رکھتا ہو اور اس کے تمام کاروبار کا تعلق قوت عاقلہ سے ہو تو وہ امور جو حواس ظاہرہ کی کدورت کے باعث ہوتے ہیں، مثلاً آنکھ کے سامنے پردہ کا آجانا یا کانوں میں روئی رکھ لینا، وہ اس کے کام میں کچھ خلل انداز نہیں ہو سکتے اس مقام کی جتنی تصویر تحریر و تقریر کے اندر آسکتی تھی اس کی کوشش کیگئی رہی اس مقام کی حقیقت فو را ۶ الو ر ا ۶ ثم و را ۶ الو را ۶ -

فائدہ:- طالبین راہ نبوت کی لوح خاطر حب ایمانی کے استیلا اور فنا، ارادہ کی پختگی کی وجہ سے امیدوں اور آرزوؤں کے نقوش سے صاف و سادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ حضرت حق کی رضا، کے سوا کسی چیز کی طلب اور دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی خواہش ان کے دل میں جگہ نہیں پکڑتی اور دنیا و آخرت کی خوشحالیوں اور عیش و عشرت کا شوق نہیں پیدا ہوتا یہاں تک کہ ایک بار زبان سے خدا کا نام لینے کے مقابلہ میں اگر ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں پیش کی جائیں تو وہ اس کو سب و شتم کی طرح سمجھیں گے اور وہ تمام کام اللہ کی خوشی کے لئے کرتے ہیں اور ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ میں انھیں لوگوں کی تعریف ہے اور چونکہ یہ ارباب طریق نشۂ محبت کے مقام سے آگے بڑھ چکے ہوتے ہیں اور مدارج عالیہ کو پہونچ چکے ہوتے ہیں ان کے دل میں مناسب طبع امور میں سے کسی امر کی رغبت اور مکروہات

دارین میں سے کسی امر کی کراہت بھی کبھی پیدا ہوتی ہے لیکن اس طرح نہیں کہ اپنی طاعات کے عوض میں کسی امر مرغوب کی استدعا کریں حاشا و کلا اس لئے کہ یہ بزرگوار اپنے اعمال کو اپنی طرف سے نہیں سمجھتے کہ اس کے عوض میں کسی جزا کے امیدوار ہوں بلکہ جس طرح کہ بادشاہ عالیجاہ کی رعایا میں سے کوئی شخص اسکو خوش کرنے کیلئے مدتوں حیران وسرگرداں رہا ہو اور سلطنت کے عہدوں سپہگری وجماعت داری وغیرہ میں منتقل ہوتا رہا ہو آخر بادشاہ کی خوشی اور قبولیت کے مقام اور شاہی کفالت وکالت میں پہونچکر بلند مرتبہ اور اس کے مصاحب خاص کا لقب پائے، پس اسحالت میں وہ تمام چیزیں جو اس کے آقا کے زیر حکومت اور اسکی مملکت میں موجود ہیں ان کی فرمائش کرنے کا اس کو حق ہے اس طرح نہیں کہ وہ اپنا حق خدمت یا صلہ محنت یا مصاحبی کا معاوضہ چاہتا ہے اس لئے کہ اس طرح کی فرمائش و خواہش اس کے لئے بہت بڑا عیب ہے اور اگر وہ یہ کرے گا تو اپنے کو اس مرتبہ عالی سے اُتار کر مزدوروں کے گروہ میں داخل کر دے گا بلکہ اس تعلق کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اپنی تمام ضرورتیں صرف اپنے آقا کے سامنے پیش کرے اسی طرح جب ارباب کمال انتخاب و برگزیدگی اور مقبولیت ومحبوبیت سے مشرف ہوتے ہیں اور اس مقام بلند میں راسخ القدم اور رفیق اعلیٰ سے مل جاتے ہیں تو بندۂ خاص اور عبد مخصوص کا لقب پاتے ہیں اور امور مرغوبہ کی طرف میلان ان میں باقی رہتا ہے نہ اس طرح کہ ان کے امور کو اپنے اعمال کے معاوضہ کے طور پر

طلب کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے بندگی کے تعلق کو رونق حاصل ہوتی ہے
پس حظوظ نفسانی کی طلب ان کے حق میں زیادتی قرب کی موجب ہوتی ہے نہ کہ بُعد کی

موسیٰ اندر درخت آتش دید　　　سبز تر می شد آں درخت از نار

شہوتِ حرص مرد صاحب دل　　　ایں چنیں داں ایں چنیں انگار

القصہ جب یہ ارباب کمال اس مقام وحال کو پہونچتے ہیں تو فطری استعداد کے اختلاف کے سبب سے ان کے تین گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ گروہ جو علو مرتبہ کے کمال کے سبب سے اور مقام قبولیت میں راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت کے مرغوبات و مکروہات اور مصائب و مشکلات کو ادنیٰ امور میں سے سمجھتا ہے اور ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ نشۂ محبت میں سرشار ہوتے ہیں اور پسندیدہ ناپسندیدہ میں ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی بلکہ بسبب اپنے علو مرتبہ اور ان اشیاء کی حقارت کے اور حق یہ ہے کہ ان کا پایہ اس بات سے بہت بلند ہے کہ ان امور کی طرف ان کا التفات ہو اور ان مناصب و درجات کی جو فرحت و مسرت ان کو حاصل ہے وہ اس سے کہیں بالاتر ہے کہ ان کو کسی اور فرحت کی تلاش ہو اگرچہ ان کو ضرورتوں کے پیش کرنے کا مرتبہ حاصل ہے اس لئے کہ عنایات ربانی اور کفالت یزدانی کی وجہ سے ان کی دعا واجب الاجابت اور انکی پناہ طلبی واجب القبول ہے۔
دوسرے وہ لوگ ہیں جو ضرورتیں پیش کرتے رہتے ہیں مشکلات کو دور کرنے

مرغوبات کے حاصل ہونے اور مکروہات سے بچنے کی دعاؤں میں مشغول اور اپنے تعلق بندگی کو مستحکم کرنے کے لئے اور اظہار ضرورت کے لئے (جو بندگی کا شعار ہے) اور پریشاں حال ضرورتمندوں پر شفقت کی وجہ سے لوگوں کی سفارشوں میں ہر وقت ساعی و کوشاں رہتے ہیں۔

تیسرا گروہ ان بزرگوں کا ہے جن کے دل میں مرغوبات کی طلب کا تقاضا مشکلات سے نجات اور ضرورتمندوں کی سفارش کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن بسبب کمال ادب کے اور حضرت حق کی کفالت پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اور یہ اعتقاد کرکے کہ وہ دنیا کی تمام پوشیدہ چیزوں اور رازہائے سربستہ سے واقف ہے اور اس کا علم محیط ہے زبان حال پر اکتفا کرتے ہوئے زبان قال کو استعمال نہیں کرتے حسبی سوالی علمہ بحالی ان کا مسلک ہوتا ہے، حق جل وعلا ان کی دعائے حالی کو ضرور قبول فرماتا ہے اور انکی حوائج قلبی کو ضرور پورا کرتا ہے اس طرح سے کہ ان کے تقاضائے قلبی کو خود بخود بلا تقریب ظاہر کردیتا ہے اور اُن کو بلکہ محافل قرب کے تمام مخصوصین کو اطلاع دیدیتا ہے کہ یہ محض اُن لوگوں کی رضاجوئی اور ان کے اقتضائے قلبی کو پورا کرنے کے لئے یہ کام کیا گیا ہے اور اس بات سے ان کا اعتبار اور بڑھتا اور ان کا فخر اور ترقی کرتا ہے اور ان کو اسوجہ سے اپنے امثال واقران میں بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ:- اگرچہ ان تین گروہوں میں سے کسی گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح

دینا ہر طرح سے غلط اور بیجا ہے ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

لیکن تیسری قوم کو ملاء اعلیٰ میں ترقی جاہ و اعتبار کے لحاظ سے فریق ثانی پر جو فضیلت ہے وہ اہل فہم سے پوشیدہ نہیں، اسی طرح سے دوسرے گروہ کو بلحاظ علاقۂ عبودیت کے مقتضیات کے ظہور کے اور اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان فیوض غیبیہ کے پہونچنے میں واسطہ بننے اور لوگوں کی حاجت روائی اور سفارش کرنے کی وجہ سے گروہ اول پر جو فضیلت ہے وہ اہل عقل سے مخفی نہیں۔ والعلم عند اللہ

باب چہارم (۴)

سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد آپکی جماعت کی مذہبی و سیاسی خدمات جماعت کی سیرت آپ کے خلفاء و مریدینؒ

مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم

اوپر گزر چکا ہے کہ سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد جماعت کے باقیماندہ لوگ تھانہ چلے گئے، جہاں انھوں نے اپنا مرکز قائم کر لیا، ہندوستان میں اس عظیم الشان تحریک جہاد، اصلاح و تنظیم کا مرکز عظیم آباد پٹنہ اور اسکا محلہ صادق پور تھا، سید صاحبؒ نے میدان جنگ سے دو بزرگوں مولانا سید محمد علی صاحبؒ رامپوری اور مولانا ولایت علی صاحبؒ عظیم آبادی کو تبلیغ و اصلاح کے لئے ہندوستان روانہ کیا تھا، مولانا ولایت علی صاحبؒ ۱۲۴۶ھ میں حیدرآباد میں تھے کہ بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی، سید صاحبؒ کے خلفاء عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علی صاحبؒ کا دم باقی تھا، مولانا محمد علی صاحب مدراس میں تھے اور سارا بار آپ پر تھا، آپ نے پٹنہ آکر کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی مسیحا نفسی، روحانیت، تنظیمی قابلیت اور جد وجہد سے

پژمردہ جسموں اور مردہ دلوں میں روح پھونک دی، لوگوں سے از سرِ نو بیعت لی بیت المال قائم کیا، مرکزی مساجد میں خطیب اور واعظ مقرر کئے، بنگال اور دوسرے صوبجات و اقطاع میں اپنے مبلغ بھیجے، قصبات و دیہات کی اصلاح و ہدایت کے لئے لوگ مقرر کئے، مجمعوں اور میلوں میں وعظ شروع کیا، گانوں گانوں دیہات دیہات دورہ کیا، اکثر آپ کو اپنے مرکز و مقام میں پہونچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے، درس، تزکیہ، اصلاح و تربیت کے مشاغل، سفر و حضر میں جاری رہتے آپ کا مکان اور پورا محلہ ایک معمور درسگاہ ایک آباد خانقاہ اور ایک منظم تربیت گاہ تھی، اس تمام مدت میں اس مرکز کا تعلق سرحد کے مرکز سے قائم رہا اور وقتاً فوقتاً آپ کے اعزہ و تلامذہ وہاں کے کاموں میں شریک ہوتے رہے، دو مرتبہ آپ خود تشریف لے گئے اور سنہ ۱۲۶۹ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

آپ کے بعد اور آپ کی زندگی میں، آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے جانشین و اعزہ مولانا فرحت حسین صاحبؒ۔ مولانا احمد اللہ صاحبؒ، اور مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے پورے انہماک اور قابلیت سے یہ خدمات انجام دیں اور ایک منظم سلطنت کی طرح اس نظام کو چلایا، یہ نظام اپنی وسعت و استحکام مبلغین کی سیرت و اخلاق اور جوش و ایثار میں ایک بے نظیر نظام تھا جس کی مثال مسلمانوں کے داخلۂ ہند سے لے کر اس وقت تک ہم کو ہندوستان کی

تاریخ میں نہیں ملتی، اس کا کچھ اندازہ مندرجۂ ذیل اقتباسات سے ہوگا۔

اس جماعت وتحریک کا سب سے بڑا دشمن ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "مسلمانانِ ہند" میں لکھتا ہے۔

"یہ لوگ مشنریوں کی طرح انتھک کام کرتے تھے وہ بے لوث و بے نفس لوگ تھے جن کا طرزِ زندگی ہر شبہ سے بالاتر تھا اور روپیہ اور آدمی پہونچانے کی انتہائی قابلیت رکھتے تھے ان کا کام محض تزکیۂ نفس اور اصلاح مذہب تھا۔"

"میرے لئے ناممکن ہو کہ میں عزت وعظمت کے بغیر ان کا ذکر کروں ان میں سے اکثر نہایت مقدس وستعد نوجوانوں کی طرح زندگی شروع کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اخیر تک مذہب کیلئے اپنی جانفشانی اور جوش قائم رکھتے۔"

"جہاں تک مجھے تجربہ ہے یہ یقینی ہے کہ وہابی مبلغین سب سے بڑے روحانی اور کم سے کم خود غرض نوع کے لوگ ہیں"

مولانا یحییٰ علی صاحب عظیم آبادی کے متعلق لکھتا ہے

"امیر جماعت یحییٰ علی کے مختلف فرائض تھے وہ ہندوستان میں فرقہ کے روحانی رہنما کی حیثیت سے تمام جماعتی مبلغین سے خط وکتابت رکھتے تھے اور انھوں نے ایک اصطلاحی زبان میں چند مبہم عبارتیں ترتیب دی تھیں، جن کو وہ خود استعمال کرتے تھے اور جن کے ذریعہ وہ اطمینان سے بڑی بڑی رقمیں سلطنت کے مرکز سے سرحد پار باغیوں کے کیمپ (ستھانہ) بھیجتے تھے،

وہ مسجدوں میں وعظ و تقریر کرتے اور مذہبی دیوانوں کی فوج کو بند وقین چاکر بھیجنے، طلبار کو روحانی اور دینی درس و تعلیم دیتے اور انھوں نے اپنے ذاتی مطالعہ سے عربی کے علمار و مصنفین سے اعلیٰ واقفیت پیدا کرلی تھی۔

لیکن اس سازش کا سب سے زیادہ نازک کام پٹنہ یا بالفاظ خود "چھوٹی خانقاہ" سے سرحد پار باغیوں کے مرکز "بڑی خانقاہ" کو رنگروٹ بھیجنا تھا، بنگالی متعین کو راستہ میں صدہا بے تکے اور پریشان کن سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا اس کو پنجاب اور شمال مغربی ہندوستان کے وسیع صوبوں میں سے ہوکر تقریباً دو ہزار میل کا سفر طے کرنا ہوتا تھا، جہاں ہر گاؤں میں اس کی جسمانی شکل اور زبان اس کو اجنبی ثابت کرتی تھی، اس خطرناک کام میں یحییٰ علی ہی کی ذہانت اور انتظامی قابلیت کام کر رہی تھی، انھوں نے تمام راستہ پر اپنے وہابی پیرو متعین کردئے تھے جو جماعت کے معتبر اشخاص کے ماتحت تھے، یحییٰ علی کی مردم شناسی اور حسن انتخاب قابل داد ہے کہ ان کے انتخاب کئے ہوئے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھی پکڑے جانے کا خوف و خطرہ، شناخت ہو جانا، انعام کا لالچ اپنے رہناؤں اور پیشواؤں کے خلاف آمادہ نہ کرسکا"۔

اس تنظیم کی وسعت اور جماعت کی سیرت کے متعلق بنگال کے کمشنر پولیس کی یہ شہادت پڑھنی چاہیے۔

" اس جماعت کے ایک ایک مبلغ کے پیرو اسّی اسّی ہزار ہیں جنھیں آپس میں مکمل

مساوات ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کے کام کو اپنا ذاتی کام سمجھتا ہے اور مصیبت کے وقت کسی بھائی کی مدد میں اس کو کسی بات سے عذر نہیں ہوتا۔"[1]

"مشرقی بنگال میں ہر ضلع بغاوت کے رنگ میں رنگ گیا تھا اور پٹنہ سے سمندر تک گنگا کے تمام راستہ میں مسلمان کسان باغیوں کے مرکز کے لئے بغتہ وار امداد دیتے تھے"

اس تحریک و تبلیغ سے عام مسلمانوں میں جہاد کا جو جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا تھا اس کی مثال کم سے کم ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں ملتی، ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے :-

"صوبہ متحدہ کے ایک انگریز کارخانہ دار نیل کا بیان ہے کہ اس کے دیندار مسلمان ملازم اپنی تنخواہ یا مزدوری کا ایک جز ستھانہ کیمپ کے لئے علیحدہ کر کے رکھ لیتے تھے، جو لوگ زیادہ جری تھے وہ تھوڑے بہت زمانہ کے لئے ستھانہ جا کر خدمت کرتے تھے، جس طرح ہندو ملازم اپنے بزرگوں (پرکھوں) کے شرادھ کے لئے چھٹی مانگتے تھے، اسی طرح مسلمان ملازم یہ کہہ کر چند ماہ کی رخصت لیتے تھے کہ انھیں فریضۂ جہاد کے ادا کرنے کے لئے مجاہدین کیساتھ شریک ہونا ہے"۔

"کوئی وہابی باپ اپنے کسی غیر معمولی دیندار بیٹے کے متعلق نہیں کہہ سکتا تھا، کہ وہ کس وقت (جہاد کے لئے) اس کے گھر سے غائب ہو جائے"۔

---

(۱) "مسلمانانِ ہند" ڈاکٹر ہنٹر، خطوط ۱۰۰ مورخہ ۱۳ مئی ۱۸۴۳ء و نمبر ۵ ۱۸۴۴ء

مسٹر جیمس او کینلی لکھتا ہے۔

"کمزور و بزدل بنگالی مسلمان، خونخواری اور جوشِ جہاد میں افغانوں سے کم نہ تھے"۔

جماعت کے نظام کا حال مندرجہ ذیل اقتباس سے معلوم ہوگا، ڈاکٹر ہنٹر اس جماعت کے ایک رکن کے متعلق لکھتا ہے۔

"اس کا تحصیل عشر و زکوۃ کا طریقہ بہت سادہ اور مکمل تھا، اس نے مالگزاری کی حیثیت سے متعدد گاؤں مجموعوں میں تقسیم کر دئے تھے، ہر مجموعہ پر ایک خاص محصل مقرر تھا، یہ افسر اپنی جگہ پر ہر دیہات کے لئے ایک تحصیلدار مقرر کرتا تھا۔ آئی ہوئی رقموں کو وہ جانچتا اور ضلع کے مرکز کو بھیج دیتا، قانوناً ہر دیہات میں ایک محصل مقرر تھا لیکن جن دیہاتوں میں آبادی زیادہ ہوتی تھی وہاں اس کام کے لئے ایک عملہ رکھنا پڑتا تھا جن میں کچھ دین کے سردار ہوتے تھے جو نماز پڑھاتے تھے اور چندہ وصول کرتے تھے، کچھ عام منتظم " دنیا کے سردار" ہوتے تھے جو جماعت کے دنیاوی امور کا انتظام کرتے تھے اور ایک افسر جو خطرناک خطوط اور بغاوت کے پیغامات پہنچاتا تھا"

حکومت برطانیہ کی مخالفت گزشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے کہ سید صاحبؒ کی تحریک ایک مستقل جہاد و اصلاح کی تحریک تھی، ناگزیر حالات کی بناء پر اس کا رُخ ابتداء میں سکھوں کی طرف تھا لیکن اس کے پورے پروگرام کا علم صرف جماعت کے

مخصوص لوگوں کو تھا، جو اسلامی غیرت و فراست ایک صوبہ میں غیر اسلامی اقتدار گوارا نہ کر سکی، وہ اس کو پورے ملک میں کس طرح گوارا کر سکتی تھی، لیکن ہر صاحب بصیرت کہے گا کہ واقعات واقدامات کی یہی طبعی اور مناسب ترتیب تھی جو ظہور میں آئی۔

کیپٹن کننگھم "تاریخ سکھ" میں لکھتا ہے

"سید احمد صاحب کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے، لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے، وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لئے کافی سبب تھا۔"

انگریزوں نے جب پنجاب فتح کیا تو مجاہدین کا رُخ ان کی طرف پھر گیا، مولانا ولایت علی صاحب اور انکی جماعت نے حالات کے تغیر اور خطرہ کا احساس کیا اور شروع سے اپنے دائرہ عمل کو وسیع رکھا۔

ہنٹر لکھتا ہے

"مجاہدین کی ضرب سکھوں کے دیہاتوں پر شدید تھی، لیکن وہ انگریز کافروں پر ضرب لگانے کے ہر موقع کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے، انھوں نے کابل کی جنگ میں ہمارے دشمنوں کی مدد کیلئے ایک بڑی قوت بھیجی اور ان میں سے ہزار ایک ہمارے مقابلہ میں موت تک جمے رہے، صرف غزنی کے سقوط میں ان کے تین سو آدمیوں نے انگریزی

سنگینوں سے شہادت کی خوشی حاصل کی"۔

"پنجاب کے الحاق کے بعد جو غصہ پہلے سکھوں پر اترتا تھا، اب ان کے جانشینوں (انگریزوں) پر اترنے لگا"۔

ہندوستانی مجاہدین کے متعلق ہنٹر لکھتا ہے کہ:۔

"ان کی تبلیغ تھی کہ غیر اسلامی اقتدار کے ماتحت مسلمانوں کو زندگی گزارنے کی شرعًا اجازت نہیں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہو، وہاں صرف دو صورتیں ہیں اگر قدرت ہو تو جہاد ورنہ ہجرت اس کے سوا کوئی صورت نہیں"۔

ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے (جس سے اسکی ساری کتاب رنگی ہوئی ہے) کہ جماعت کے مبلغین اور پٹنہ کے پیشوا حکومت ہند کے خلاف علانیہ تبلیغ جہاد کرتے تھے۔

حکومت ہند کے انتظامات

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے

در ۱۸۴۷ء میں سر ہنری لارنس نے یہ کارروائی قلمبند کی کہ مولانا ولایت علی اور عنایت علی پنجاب میں "غازی دین" اور مجاہد اسلام کے لقب سے مشہور ہیں، ان کو اپنے مکانوں میں پٹنہ میں نظر بند رکھا جائے پٹنہ کے مجسٹریٹ نے ان سے ضمانت لی اور جماعت کے دوسرے بہت سے دولتمند ارکان سے بھی "نیک چلنی" کے مچلکے لئے

لیکن ۱۸۵۰ء میں ان کو جنوبی بنگال کے ضلع راج شاہی میں بغاوت کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا جاتا ہے، جہاں ان سے حفظ امن کے لئے ضمانتیں

لی گئیں اور دوبارہ تبلیغ کرنے کی وجہ سے ان کا دو مرتبہ ضلع سے اخراج ہوا

۱۸۵۱ء میں سید صاحبؒ کے یہی خلفاء جو اپنے شہر میں نظر بند تھے سرحد پر بغاوت پھیلانے کی تبلیغ کرتے ہوئے پٹنہ میں پائے گئے۔

۱۸۵۲ء میں ان کو اپنی تجویز میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔ آدمی اور روپیہ ستھانہ کیمپ کثرت سے بھیجے گئے اور پنجاب کے حکام نے ہماری فوجوں سے ان کی ایک باغیانہ خط و کتابت پکڑی، ان کے پیشواؤں نے ہماری چوتھی فوج سے ساز باز کرنے کی بڑی مشاقی سے کوشش کی جو راولپنڈی میں باغیوں کے کیمپ سے بہت قریب ٹھہری ہوئی تھی اور اس رجمنٹ کا جز تھی جو ہمارے صوبہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے انکے خلاف کارروائی کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔

خطوط سے ثابت ہوتا تھا کہ بنگال سے باغیوں کے کیمپ کو آدمی اور اسلحہ بھیجنے کے لئے ایک باقاعدہ ادارہ قائم ہے، اسی زمانہ ۱۹؍ اگست ۱۸۵۲ء میں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ کی کہ باغی جماعت اور باغیانہ خیالات ترقی پر ہیں۔ انگریزی صوبہ کے اس دار السلطنت (پٹنہ) کے خاص باشندے علانیہ بغاوت کی تبلیغ کرتے ہیں، پولیس بھی ان سے ملی ہوئی ہے اور ان کے ایک سردار (مولوی احمد اللہ صاحبؒ) نے اپنے مکان میں سات سو آدمیوں کے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ اگر

مجسٹریٹ کی طرف سے مزید خانہ تلاشی ہوئی تو وہ ہتھیاروں سے مقابلہ کرینگے

حکومت برطانیہ اب زیادہ دنوں تک اپنے علاقہ میں ایک باغیانہ ادارہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کرسکتی تھی، ۱۸۵۲ء کی فصل خزاں میں لارڈ ڈلہوزی نے دو اہم کارروائیاں عملبند کیں انھوں نے اندرونی ادارہ کی پوری نگرانی اور ان سرحدی قبائل کے خلاف مہم بھیجنے کی ہدایت کی جنکی کافروں کے ساتھ وہمی نفرت کو ہندوستانی مجنونوں نے ہوا دیکر مشتعل کردیا تھا اسی سال انھوں نے ہمارے حلیف امب کے رئیس پر حملہ کیا اور ہم کو ایک برطانوی فوج اس کی امداد کے لئے بھیجنی پڑی ۱۸۵۳ء میں ہمارے متعدد دیسی سپاہی باغیوں سے خط وکتابت کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوئے

حکومت کا جارحانہ اقدام اور ۵۷ و ۱۸۶۰ء کی سرحدی جنگیں

"۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان سرحدی خلفشار کی وجہ سے ہم کو اپنی علیحدہ علیحدہ سولہ مہمیں بھیجنی پڑیں جس میں تینتیس ہزار باقاعدہ سپاہی تھے اور ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۳ء کے درمیان علیحدہ علیحدہ مہمونکی تعداد بیس کو پہونچگئی جنمیں بے قاعدہ مددگاروں اور پولیس کے علاوہ ساٹھ ہزار ۶۰۰۰۰ باقاعدہ سپاہی تھے اس دوران میں ستھانہ کیمپ سرحد میں دائمی تعصب اور مذہبی اشتعال کے باوجود عاقلانہ طریقہ پر ہماری فوجوں سے براہ راست الجھنے سے مجتنب رہا، وہ ہوشیاری کے ساتھ ہمارے خلاف قبائل کی

امداد کرتا رہا اور ان کو اشتعال دلاتا رہا، لیکن ان لوگوں کو اپنے حساب پر ہم سے جنگ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، ۱۸۵۷ء میں انھوں نے علانیہ ہم سے جنگ چھیڑ دی اور اپنی دیدہ دلیری سے ہم سے جزیہ کا مطالبہ کیا، مطالبہ نامنظور ہونے کے بعد وہ دلیرانہ ہمارے علاقہ پر اتر آئے اور اور انھوں لفٹنٹ ہارن کے کیمپ پر ایک شبخون مارا۔

۱۸۔ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ایک برطانوی فوج سات ہزار سپاہیوں کی جنرل چیمبرلین کی قیادت میں سرحد کو روانہ ہوئی، علاقہ میں پہونچکر جنرل کو معلوم ہوا کہ قبائل حریف سے مل گئے ہیں، حکومت پنجاب کے نام پریشانی میں تار پر تار آرہے تھے کہ امداد اور مزید امداد فوراً بھیجی جائے، فیروزپور، سیالکوٹ اور لاہور کے دستے فوراً روانہ کئے گئے، دو ہفتہ کے اندر اندر پنجاب کی چھاونیاں اس طرح فوجوں سے خالی ہوگئیں کہ میانمیر کا افسر کمانڈنگ بڑی مشکل سے لفٹنٹ گورنر کے لئے چوبیس آدمیوں کا محافظ دستہ بہم پہونچا سکا ۴ نومبر کو حکومت پنجاب کو ہراول کا ایک دستہ وائسرائے کے کیمپ سے مستعار لینا پڑا اور ایک دوسری ملٹری پولیس سوار اور پیادہ مواصلات (رسل ورسائل) کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے ۱۴۔ نومبر کو حالات اور زیادہ نازک ہوگئے اور کمانڈرانچیف آف برٹش فورسز لاہور آئے اور خود انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، حکومت پنجاب نے پندرہ سو ۱۵۰۰ کا ایڈیشنل بریگیڈ

بھیجے جانے کی درخواست کی، جنرل چیمبرلین کے تار نے اور ڈرا دیا،
۱۸۔ نومبر کو دشمن نے حملہ کیا، انگریزی فوج کو پسپا ہونا پڑا، ایک سو[۱۱۴] چودہ آدمی ہلاک ہوئے، دوسری مرتبہ پھر دشمن نے حملہ کیا جس میں جنرل چیمبرلین خطرناک طور پر زخمی ہوئے اور افسروں کے علاوہ ایک سو[۱۲۸] اٹھائیس آدمی ہلاک ہوئے ۲۰ نومبر کو چار[۴۲۵] سو پچیس بیمار اور زخمی بھیجے گئے، کل آٹھ سو سینتالیس[۸۴۷] انگریزی سپاہی زخمی اور ہلاک ہوئے، آخر کار حکومت پنجاب اپنی فوجوں کو واپس بلا لینے پر راضی ہوگئی"۔

لیکن یہاں بھی وہی تدبیر کارگر ہوئی، جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کم خطا جاتی ہے انگریز حکام اور مدبروں نے قبائل کو توڑ لیا اور مجاہدین تنہا رہ گئے، ڈاکٹر ہنٹر نے اس موقع پر یہ فخریہ الفاظ لکھے ہیں:۔

"جو کام ہمارے ہتھیار نہ کر سکے وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر لیا"۔

لیکن بہر حال یہ تجربہ بہت تلخ ثابت ہوا اور بقول ڈاکٹر ہنٹر یہ مقابلہ ہم کو بہت گراں پڑا"۔

"۱۸۶۸ء میں پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی ۸ ستمبر کو حکومت ہند نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجی قوت بھیجی ۳۰۔ اکتوبر کو کمانڈر انچیف کے زیر ہدایت اور جنرل وائلڈ سی۔ بی کے زیر قیادت فوجیں روانہ ہوئیں، جولائی میں پنجاب گورنمنٹ نے ارجنٹ تار بھیجا کہ طوفان کھڑا ہو گیا اور خطرہ سر پر ہے

فوری امداد کی سخت ضرورت ہے، سرحد پر فوجیں دوچند کردی گئیں لیکن متوقع خطرہ پیش نہ آیا، مگر انگریزی فوجیں مخالف کے قلب تک نہ پہونچ سکیں اور پنجاب گورنمنٹ کو افسوس رہا کہ یہ مہم ختم ہوگئی اور ہندوستان کے مذہبی مجنون نہ تو نکالے جاسکے اور نہ ہم انھیں مطیع کر کے ان کے گھروں کو ہندوستان واپس کر سکے"[1]

مقدمہ سازش سنہ ۱۸۶۴ء

حکومت کو اپنی متعدد شکستوں، زیر باری اور بدنامی سے سخت جھنجھلاہٹ تھی، اس نے اپنا یہ غصہ ہندوستان کے اُن رؤسا و شرفا پر اُتارا جن کا کچھ بھی تعلق سرحد کے مرکز یا اس تحریک سے ثابت ہوا اور ان سے انتقام کے جوش میں قانون بالائے طاق رکھ دیا، ۱۸۶۴ء میں اس نے آٹھ آدمیوں مولوی محمد جعفر صاحبؒ تھانیسری رئیس تھانیسر، مولانا یحییٰ علی صاحبؒ عظیم آبادی، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ عظیم آبادی، محمد شفیع سوداگر و رئیس لاہور انکے بعض کارندوں قاضی میاں جان، اور بعد میں مولانا احمد اللہ صاحب رئیس پٹنہ عظیم آباد پر سازش کا مقدمہ چلایا اور ان کو پھانسی کی سزا دی، پھر ایک عجیب و غریب نکتہ سے پھانسی کی سزا منسوخ کر کے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی کتاب "تواریخ عجیب" یا کالا پانی" کے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن سے حکومت کا غصہ اور ان حضرات کی استقامت معلوم ہوگی۔

---

(۱) انڈین مسلمانز از ڈاکٹر ہنٹر

"پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی بسواری شکرم دہلی کو روانہ ہوا، شکرم میں سوار کرنے سے پہلے مجھ کو بیڑی، ہتھکڑی، طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ڈور ایک اور زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور ایک دوسرا انسپکٹر پولس میرے دہنے بائیں بھرے ہوئے تمنچوں کی جوڑیاں لے کر میرے بدن سے بدن ملا کر بیٹھ گئے اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں اس تمنچے سے تم کو مار دوں گا، علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو در کنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اُتارے گئے جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے آخر بصد مصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے جہاں لیجا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا، دوسرے دن دہلی سے کرنال اور پھر کرنال سے انبالہ ہم کو لے گئے، جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے

دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ڈنکفیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یاجوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتلادو تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا، میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا جب میری مار حد کو پہونچی اور میں گر پڑا تو ٹائی صاحب اور ڈنکفیل صاحب کوٹھری سے باہر کھڑے ہوگئے اور جب اسقدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اُس دن مایوس ہو کر چلے گئے، میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہوگیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے میرے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی تھے۔ دوسرے دن سے میں نے اُن کی قضا رکھنی شروع کردی۔

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا، علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی مگر تھوڑی زدوکوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا، جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی ٹائی صاحب اور میجر ڈنکفیل صاحب بھی موجود تھے اُس دن انہوں نے میری بڑی چاپلوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکار اور معاونین جہاد کو بتلادو تو تم کو سرکار

کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیویں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہوگی، میں نے اس چاپلوسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا جہاں لیجاکر پھر مارنا شروع کیا، میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو لیکن بفضل الٰہی میں سب سہار گیا مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے تو مجھ کو اسوقت ثابت قدم رکھیو جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کے مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیجدیا میں تمام دن روزے سے تھا، بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہونچکر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اُس کو کھا کر اور شکر الٰہی کر کے سو رہا۔ جس دن میں ٹائی صاحب کے بنگلہ پر اس مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اُٹھا رہا تھا اسوقت منشی حمید علی صاحب تھانپوری تحصیلدار نرائن گڑھ صرف اس قصور پر کہ اُس نے میری گرفتاری سے چند برس پہلے اپنے کسی دنیوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عملہ کچہری نے جو اُس کے دشمن تھے اس خط کے معنی غلط بیان کر دئیے تھے جس پر وہ غریب معزز عہدہ دار معطل ہو کر باہر برآمدہ میں غمگین بیٹھا، میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف بھول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھ منحوس نالائق کو فقط ایک خط

لکھنے پر یہ بیچارہ بیگناہ بھی پکڑا گیا اگر اس کے بدلے بھی مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے، میں اپنی اس حالت زار میں اُس کے واسطے بہت دعا کرتا رہا، فضل الٰہی سے وہ ناکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا اور اب تک اول درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے اس تاریخ کے بعد پھر مجھ کو کبھی گواہ شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی"۔

"دسمبر سے اپریل تک یہ سب دار و گیر ہو کر بماہ اپریل مجسٹریٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچہری میں لے گئے اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کی دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملاں تھے ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے جاتے تھے مگر بے بس اگر گواہی نہ دیویں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا اور یہ سب گواہ تا ادائے شہادت تکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی سے ان کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا، چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بیجا کارروائیوں پر صرف ہو گیا اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی

کہ عباس نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا جب
مجسٹریٹی میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹھا اور
آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اُسی روز رات کو اس کو ایسی
سزا ر سخت دیگئی کہ وہ بچہ اسی صدمے سے قبل از درپیشی مقدمہ سشن
کے مرگیا، مگر رفع بدنامی کے واسطے پارسن صاحب نے اُس کا مرنا کسی
مرض سے مشہور کر دیا جس دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کیئے گئے تو
میرا بھائی بھی بزمرہ گواہان زیر حراست پولیس تھا، اس نے مجھ کو بذریعہ
ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیجدی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے
اوپر گواہ بنالیا ہے سو اب جسوقت برسر اجلاس میرے اظہار تحریر ہوں گے
تو میں اپنے اُس بیان سے جو مار پیٹ کر لکھایا ہے پھر جاؤں گا، اُس کے جواب
میں میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف
نہیں ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے اگر تمہارا اظہار بحلف ہوا ہے تو اب اس سے
پھر جانے پر بجرم دروغ حلفی تم کو سزائے سخت ہو جاویگی، میں تو پہلے
سے پھنسا ہوا ہوں، تمہارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر
ہلاک ہو جاوے گی اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھایا ہے وہی
اب بھی بیان کرو، لیکن بایں ہمہ جب اس کا اظہار میرے سامنے ہونے
لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا، صاحب لوگ برسر اجلاس اُسکا انکار سن کر

اول تو بڑے غصے ہوئے مگر بوجہ اسکی صغرسنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔
اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا، کثرت گواہوں کے سبب سے
ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچہری مجسٹریٹی میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا
تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیشی مقدمہ کے ہم نے یہ
درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جاوے
تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے ہم نے عین دوران مقدمہ
میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی، ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد
ہمارا مقدمہ سپرد سشن ہوا، اسوقت تک ہم پھانسی گھروں میں علٰحدہ علٰحدہ قید
تھے، بعد سپردگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا، اب بعد
ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو
بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی، میں تو سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

پائے در زنجیر پیش دوستاں   بہ کہ بابیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت
روحانی فائدہ ہوا تھا انوار الٰہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے،
نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں کے
چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی، اس وقت مولوی یحیٰی علی صاحب کی
صحبت ایک مغتنمات سے تھی"۔

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

"اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اول سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری رہا، مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کیا کرتے تھے ؎

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان للہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشأ یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ:۔ نہیں پرواہ کرتا ہوں میں جب کہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو پھر کر جانا میرا طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اوپر ملادینے ٹکڑوں پراگندہ کے۔

یہ وہ رباعی ہے جب حضرت خبیبؓ ایک صحابی کو کفار مکہ پھانسی دینے لگے تو اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رباعی پڑھ کر راہ خدا میں جان دی اور شہید ہوا اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا، مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحبؒ کے فراق میں پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزرے

"بعد التوائے دراز کے ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتوے سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایماء

گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے، اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے
چاروں اسیروں سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے
اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سُنا اب جو رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا
کہ یہ چاروں اسیر اُس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھر لاتے تھے
اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے مگر جب صاحب جج وکمشنر کی رائے کو
ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انھوں نے بھی لکھدیا کہ ہمارے نزدیک
بھی جرم مندرجہ فرد قرار داد ان پر ثابت ہے، پھر تو صاحب جج وکمشنر نے بعد
حصول اس حیلہ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی ہوئی رکھی تھی پڑھنی
شروع کی جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب
تھا اور پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند اور
ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو۔ تم نے اپنی ساری
عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا، تمھارے ذریعہ سے
آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا، تم نے سوائے انکار بحث کے
کچھ حیلتاً بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت
کرانے میں کچھ کوشش نہ کی، اسواسطے تم کو پھانسی دیجادے گی اور تمھاری
کل جائداد ضبط سرکار ہوگی اور تمھاری لاش بھی تمھارے وارثوں کو نہ دیجائیگی
بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاوے گی اور اخیر میں یہ

کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا، یہ سارا بیان صاحب موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سُنا مگر اُس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے، آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا، جسقدر سزائیں اُس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا لیکن اس وقت میرے منھ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اسوقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم دینے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ناگہانی موت سے راہی ملک عدم ہوا، مجھ کو اپنی اسوقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سُن کر ایسا خوش ہوا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اسقدر مسرور نہ ہوتا، اس حکم کے سُننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئیں تھیں۔ میرے بعد مولوی یحیٰی علی صاحب اور اُن کے بعد محمد شفیع اور ان کے بعد نمبر وار سب آدمیوں کو حکم سزا کا سنا دیا گیا، جنمیں میں اور مولوی یحیٰی علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تینؔ آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں کو دائم الحبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی کل جائداد کے سزا ہوئی، میں نے مولوی یحیٰی علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرہ کا رنگ

بدل گیا تھا، تاہم انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما، اُس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے قریب تمام کے احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا، حکم سنا کر اُس کا چپ ہونا تھا کہ صدہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیئے تم کس واسطے اتنا بشاش ہے، میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی اُمید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اُس کو کیا جانو۔ اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی، مگر خداوند تعالےٰ منتقم حقیقی تو موجود تھا، گو اس کے کام دیر اور سہولیت سے ہوتے ہیں، ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بخوف بھی دنیا ہی میں پاگل ہو کر راہی ملک عدم ہوا، اُسدن تماشہ بین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سُن کر اکثر زار زار روتے تھے، کوئی خدا کی مرضی اور راضی بقضا سے اپنے رنج کو روکتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت اردگرد سڑک کے ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے، اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لگئی اور وہاں پہنچ کر ہمارے کپڑے اور لباس معمولی اُتار کر ضبط کرلئے گئے، اور ہم سب کو گیروا لباس پہنادیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ

تین پھانسی گھروں میں بند کردیا، باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملادیا۔ ۲ مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ تاریک کوٹھریوں میں جو نواب سراج الدولہ کے بلیک ہول قلعہ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہوگیا، اُس کی صبح کو ہم نے اہالیان جیلخانہ سے اپنی یہ تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب ان کوٹھریوں سے باہر رکھا جاوے مگر سب اہالی جیلخانہ مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے، لیکن ان کا انکار کر کے جیلخانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک ضروری لفافہ لیکر پہنچا، لفافہ کھولکر جو دیکھا تو اسمیں یہی لکھا تھا کہ ان تین پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلایا کرو۔ یہ طرفہ تماشا تائید الٰہی کا دیکھ کر اسی دم جیلخانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سنا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اس کے ریشمی رسّے تیار ہوئے اور ادھر مثل مقدمہ کو واسطے منظوری پھانسی کے محکمہ چیفکورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔"

"۲ مئی تاریخ سنانے حکم پھانسی سے ۱۶ ستمبر تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے، اہالیان جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے۔ اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشہ بن رہے تھے، صدہا صاحب لوگ اور میم زنانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی پانے والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرحاں پاکر یہ یورپین زوارین بہت

تعجب کرتے اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہو گی۔ تم خوشی کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اسیقدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہی اس واسطے ہم کو خوشی ہے"۔

"اب اس تقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سنئے۔ جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں اور فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب صاحب لوگوں میں پھیلا تب اُن صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینی نہیں چاہئے بلکہ ان کو کالے پانی بھیجکر وہاں کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہئے۔ ہم نے دیکھا کہ مطابق اُسی ہماری پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سنا دیا کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمھاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمھاری پھانسی سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدلی گئی۔ مجرو سنانے اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر

منڈی بھیڑ سا بنا دیا، اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی"۔

۱۸۶۵ء میں یہ لوگ پورٹ بلیر انڈمان بھیجے گئے، ان لوگوں کے جانے کے بعد صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں جماعت کے لوگ ٹھہرتے تھے مع مکانات مسکونہ کھدوا کر پھنکوا دیئے گئے، ۱۸۷۰ء کے اخیر تک بہار اور بنگال میں گرفتاری کا سلسلہ جاری رہا، پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ، پٹنہ میں مولوی امیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک معمر و ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو گرفتار کیا گیا اور پرانے گواہوں سے گواہی دلوا کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا، امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کا کل خرچ پورا کیا۔ پورٹ بلیر میں مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے انتقال فرمایا۔

۱۸۸۳ء میں اٹھارہ برس کے بعد مولوی محمد جعفر صاحب اور ان کے رفقاء کی رہائی کے احکام جاری ہوئے اور یہ حضرات ہندوستان واپس آئے، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے صادق پور کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے

"صادق پور گیا تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کُل منہدم کر کے کف دست میدان بنا دیا گیا ہے اور اس پر بازار اور میونسپلٹی کے مکانات بنا دیئے گئے ہیں، میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو کہ جہاں چودہ پشت سے ہمارے آباؤ اجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر اللہ لہما کے

مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں مگر ہر چند
کوشش کی پتہ نہ ملا، بعد تجسس وتفحص بسیار غور وفکر کے قرینہ سے معلوم ہوا
کہ حضرت والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی
بنادی گئی ہے، اے حضرات ناظرین اسوقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کے ساتھ
کی گئی، جو صدمہ دل پر گزرا وہ بیرون از حیطۂ تحریر وتقریر ہے۔ اسوقت تک
انکی یاد سے بدن کے رونگٹے تک کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا
کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات وآباؤ اجداد کی قبریں کیوں کھودی گئیں اور
وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا، ہماری عادل گورنمنٹ نے کیوں یہ کام کیا۔"

جماعت کی سیرت و اخلاق سید صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ، آپکی
سب سے بڑی کرامت اور آپ کی زندہ یادگار، آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی وہ
بےنظیر جماعت تھی جس کی مثال اتنی بڑی تعداد میں اور اس جامعیت وکاملیت کیساتھ
خیر القرون کے بعد بہت کم ملتی ہو، انکی صحیح اور محتاط تعریف یہ ہے کہ وہ تیرھویں صدی
میں صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے اور یہ کسی مسلمان فرد یا جماعت کیلئے آخری تعریف ہے، یہ
لوگ بلا مبالغہ عقائد، اعمال واخلاق، توحید، اتباع سنت، شریعت کی پابندی، عبادات
وتقوٰے، سادگی وتواضع، ایثار وخدمت خلق، غیرت دینی، شوق جہاد وشہادت،
صبر واستقامت میں مہاجرین وانصار کا نمونہ تھے، مولانا حالیؔ مرحوم نے مسدس میں صحابۂ
کرامؓ کی نہایت سچی اور بولتی ہوئی قلمی تصویر کھینچی ہے، ان بزرگوں کا سراپا بھی اس سے زیادہ

مکمل نہیں کھینچا جا سکتا۔ اور یہ لباس صحابہؓ کے بعد ان کے بدن پر راست آتا ہی۔

سب اللہ کے حکم بردار بندے — سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے — یتیموں کے بیوؤں کے غمخوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے — کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دین پر جھکا دینے والے — خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا — تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا — خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت — نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت — فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امّت کے ایسے نگہباں ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپاں
مسلمان و ذمی کہ سب حق تھے یکساں نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اُن کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہئے واں کفایت سخاوت جہاں چاہئے واں سخاوت
بچی اور تُلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت

جُھکا حق سے جو جُھک گئے اس سے وہ بھی
رُکا حق سے جو رُک گئے اس سے وہ بھی

مولانا یحییٰ علی صاحبؒ مولانا یحییٰ علی صاحبؒ پٹنہ میں ہندوستان کی جماعت مجاہدین کے امیر تھے اور سید صاحبؒ کے رنگ میں سرتاپا غرق، اور آپ کی محبت میں سرشار تھے، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ صادقپوری نے "دُرِّ منثور" میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں ان سے آپکی عظمت اور اس جماعت کی سیرت و اخلاق کا اندازہ ہوسکتا ہے

ہمارے حضرت مولانا کا صبر و استقلال اس وقت کا قابل دید تھا، شب کو آپ اور میں ایک ہی جگہ رہتے، آپ پچھلی شب حسب معمول نماز و دعا و غیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ دیوان شاہ نیاز و حافظ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک نہایت وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی ہم لوگ سب ہوش باختہ ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش آپ کے چہرہ بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج و محن کے پائے نہیں جاتے، ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے، آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خبیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے مترنم ہوتے

فلست ابالی حین اقتل مسلما — علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

وذلک فی ذات الالہ وان یشأ — یبارک علی اوصال شلو ممزعی

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی اُس کیفیت وجدی و صبر و شکر کا ایک شمہ بھی بیان کر سکوں اور اس کی تصویر کھینچکر ہدیۂ ناظرین کرنا تو یہ ایک امر محال ہے۔"

"چونکہ موسم نہایت گرم تھا، یہ ممکن نہ تھا کہ آدمی ایک ہفتہ سے زیادہ اس کوٹھری میں رہے اور پھر جانبر ہو، لہٰذا ڈاکٹر نے حکم دیا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا رہے اور ایک پہرا سپاہی کا خاص اُس دروازہ پر مقرر ہو کہ یہ لوگ کوٹھری سے قدم باہر نہ لا سکیں، چنانچہ ہمارے حضرت اس قید تنہائی میں پھر تخمیناً دو ڈھائی مہینے رہے اور نہایت صبر و استقلال کیساتھ اُن ایام کو

آپ نے بسر کیا اور جب کوئی سپاہی پہرے والا یا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے سامنے آجاتا ہندو یا مسلمان، سب کو آپ توحید باری کا وعظ سناتے اور عذاب آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض ایک عجب طرح کا فیض آپ کا اس قید تنہائی میں بھی جاری رہا، سپاہی جو پہرے کے واسطے آتا وہ سکھ ہوتا یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا، آپ اس آیت کریمہ کا وعظ سناتے۔ ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار، سپاہی کھڑا روتا اور جب اُسکے پہرے کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا میں کچھ لکھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اس وقت پہرے والوں کو پہونچا اور کتنے موحد ہو گئے، اور کتنے دین آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے لا یعلمہ الا اللہ آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا، آپ کا جسم مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے اس پر کسی کی حکومت نہ تھی بجز اس حاکم حقیقی کے، اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا آپ امر معروف ونہی عن المنکر بجالاتے، بعد اس کے حکم پھانسی منسوخ ہوا اور حکم دوام حبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد ان تینوں پھانسی والونکے واسطے بھی صادر ہوا اور یہ لوگ قیدیوں میں ملا دئے گئے اور حسب دستور اُس جیل کے جیسے ہم لوگوں کی ڈاڑھی منڈادی گئی تھی ویسا ہی آپ کی ڈاڑھی منڈادی گئی اور ایک کرتا کمر تک کا گیروا رنگا ہوا اور ایک ٹوپی کان ڈھپی گیروا رنگی ہوئی پہنادی گئی یہ جوگیا

لباس اُس جیل میں قانوناً ہر ایک کو دیا جاتا تھا، اس کی صبح کو کپتان ٹائی صاحب مجسٹریٹ و ڈپٹی کمشنر انبالہ و پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس جیل میں آئے اور داروغہ کو حکم دیا کہ مولانا سے سخت تر مشقت لیجاوے، چنانچہ خود اُس نے اپنے روبرو کھڑے ہو کر ایک بڑے کنویں پر جو رہٹ چل رہا تھا عین تمازت آفتاب میں اس رہٹ کو آٹھ دس قیدی چلا رہے تھے اور وہ بمشکل چلتا تھا آپکو بھی اُس میں دیدیا، آپ دو تین روز تک تمام روز اُس کو چلاتے رہے آپ کو بباعث حرارت آفتاب خون کا پیشاب آنے لگا، آپ نہایت صبر و شکر کیساتھ اس کو انجام دیتا رہے، دوسرے قیدی جو نہایت قوی و توانا اس رہٹ کو کھینچتے کھینچتے بیٹھ جاتے مگر آپ صبح سے شام تک اس میں لگے ہی رہتے چونکہ اس وقت ڈاکٹر صاحب موجود نہ تھے مجسٹریٹ صاحب نے یہ کارروائی اپنے دل کا غصہ نکالنے کو کر لی، جب ڈاکٹر صاحب دو تین روز کے بعد جیل میں تشریف لائے اور نو آمد قیدیوں کا ملاحظہ کیا، جناب مولانا کو رہٹ کے کام میں دیکھ کر داروغہ پر نہایت خفا ہوئے کہ اس کو یہاں کیوں لگایا ہے، داروغہ نے عرض کیا کہ مجسٹریٹ صاحب خود تشریف لاکر لگا گئے ہیں چونکہ ڈاکٹر کو مجسٹریٹ سے چشمک تھی، فی الفور آپ کو وہاں سے چھڑا کر برعکس اس کے ایک نہایت آسان کام میں لگا دیا یعنی دری بافی کے کارخانہ میں چھت کے نیچے دری کا سوت کھولنے کا کام آپ کو دیا گیا، آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز

مصروف رہتے اور کام مفوضہ سرکاری کو بھی باحسن وجوہ انجام کرتے مثل اور قیدیوں کے تساہل و تکاہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑا پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو تب ضرور ہے کہ سرکاری کام کو انجام دو اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بدمعاشی وغیرہ کرتے اس سے ان کو روکتے اور نصیحت کرتے، بصدہا قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہو گئے کہ جس کو دیکھ کر داروغہ وغیرہ اہلکاران جیل حیران رہ جاتے۔"

"ہمارے حضرت نہایت باطمینان قلب نہایت خنداں و شاداں و فرحاں یاد الٰہی میں اور لوگوں کو استقامت دلانے میں شب و روز مصروف رہتے۔ دنیائے دوں کی بے ثباتی اور اس کے راحت و آرام کی بیقراری اور ثواب آخرت اور جنت نعیم کی پائداری یاد دلاتے اور رضوان من اللہ اکبر کو خوب کھول کر فرماتے اس وقت کی کیفیت آپ کی قابل دید تھی، قلم کو جو ایک کاہ خشک ہے کہاں وہ طاقت کہ جو اس کو بیان کر سکے فقیر مؤلف بھی اس زلزلہ میں گرفتار تھا، آپ کے قدموں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا کہ اغوائے شیطانی سے محفوظ رہ کر بیہودہ گوئی و ہفوات بکنے سے رکا رہا اور مغاک ہلاک میں نہ گرا فللہ الحمد علیٰ ذلک۔ اگر آپ کا ساتھ نہ ہوتا تو ایسے مہالک سے بچنا متعسر بل محال تھا صبر و استقلال تو مجھ ایسے نالائق کو کہاں میسر یہ تو بہت

بڑے لوگوں کا کام ہے، صرف اس قدر کہ زبان ناپاک باتوں سے بچی رہی ہزار ہزار شکر اُس قادر مطلق کا ہے اُس وقت ایک اور امتحان اس نالائق پر خاص کر کے آیا، کہ کمشنر صاحب وڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش ہوئی کہ بذریعہ کمترین مولوی عبداللہ ساکن افغانستان سے پیغام مصالحت کیا جائے کہ جن سے بمقام انبیلہ وغیرہ سرکار سے جنگ ہوئی تھی اور وہ اس کمترین کے چچازاد بھائی تھے اسی حالت میں قیدیوں کی چالان انبالہ سے لاہور جانے کو تیار کی گئی اس میں جناب حضرت مولانا و منشی محمد جعفر صاحب وغیرہ کل تیار کر لئے گئے مگر محمد شفیع و عبدالکریم و الٰہی بخش جو بوجہ گواہی ہم لوگوں سے علٰحدہ کر لئے گئے تھے رکھ لئے گئے اور یہ فقیر بھی بوجہ کارروائی صلح روک لیا گیا اور نیز میں تنفس سخت میں اسوقت مبتلا تھا کہ لیاقت سفر مطلق نہ تھی، اس وجہ سے بھی ڈاکٹر نے مجھے روک لیا اور جناب حضرت مع چھ آدمیوں کے روانہ جیل لاہور کئے گئے اب اسوقت سے عرصہ دو سال تک میں صحبت کیمیا خاصیت سے اپنی بداعمالیوں کے سبب مہجور کر دیا گیا، اب جو کچھ میں بیان کروں گا، ان دو سالوں کی کیفیت وہ سُنی ہوئی ہوگی الغرض آپ انبالہ سے روانہ ہو کر مع دوسرے ستر، اسّی قیدیوں کے جیل لاہور میں پہونچے اور وہاں قریب ایک برس کے آپ کا قیام رہا اور اس اثنار میں برابر قیدیوں کو آپ پند و نصائح کیا کرتے، چونکہ قید خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور، ڈاکو وغیرہ کا رہا کرتا ہے، آپ کا وعظ بھی انھیں افعال ذمیمہ کے بیان

میں ہوتا اور توحید وتاکید صوم وصلوٰۃ کی ہوتی، صدہا چور اور ڈاکوؤں نے توبہ
کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے، آپ اُن کو عذاب دائم مقیم سے ڈراتے،
صدہا موحد اور نمازی ہو گئے، ایک بلوچ ڈاکو کا ماجرا بیان کیا جاتا ہے اُس کا
نام مرزی تھا اس کے آباو اجداد سے چوری اور ڈکیتی کا پیشہ چلا آتا تھا، وہ
نہایت قوی ہیکل جوان تھا اس نے جیلخانہ میں آکر بھی بہت کچھ شرارت کی تھی
سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا، صدہا بید اُس کو لگائے گئے مگر اُس نے اُف
نہیں کیا اپنی بدچلنی سے باز نہیں آیا، بیڑی اور ڈنڈا بیڑی ہتھکڑی اور طوق
وقید تنہائی وغیرہ جو کچھ سزا وہاں ہے وہ سب اُس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ
باز نہ آیا، داروغہ وجمعدار سب اس سے ڈرتے وہ ان کو بھی موقع پاکر ہتھکڑی
سے پیٹ دیتا، خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اس کا ایک ہی جگہ ہو گیا خدا
کی قدرت کہ آپ کی نصیحت وپند سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت
بدل گئی، اس نے سرکاری مشقت کرنی شروع کر دی اور ایسا نیک چلن بنگیا
کہ داروغہ وغیرہ سب متحیر ہو گئے، ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اُس سے
دور کر دئے گئے اور پارچہ بافی کے کارخانہ میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں
دائم الحبس اور بڑے بڑے میعادی قیدی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام
کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید معاف بھی ملا کرتی ہے
اس نے وہاں جاکر بہت جلد پارچہ بافی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ کپڑا

سُننے لگا، میں جب لاہور کے جیل میں گیا خود میں نے اس مرزی بلوچ کو دیکھا
کہ وہ پانچوں وقت نماز قید کے ساتھ پڑھتا اور اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کرکے
خوف خدا سے اکثر روتا، اے بھائیو میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے جب اُس کو
دیکھا ایک ولی پایا اس قسم کے اور بہت سے ماجرے ہیں میں نے یہ ایک مثیلاً
بیان کیا، الغرض آپ کا وجود باجود اُس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں
کے بھیجدیا گیا تھا کہ ہزاروں فیضیاب ہو گئے اہل کاران جیل اس کرامات کو آپکے
دیکھ دیکھ کر نہایت متحیر و متعجب ہوتے، تمام ہندو آپ کو دیوتا اور اوتار کہتے
اور مسلمان ولی سمجھتے، اتوار کا روز جو فرصت کا قیدیوں کے ہوتا، فجر کو بعد ملاحظہ
ڈاکٹر آپ کے پاس جمع ہو جاتا آپ حسب حال اُن قیدیوں کے بدکاریوں سے
بچنے کا اور نیک چلنی اور توحید الٰہی کا بیان فرماتے اور صوم و صلوٰۃ کی تاکید
فرماتے، بعد اس کے آپ معہ دوسرے قیدیوں کے لاہور سے بسواری
ریل روانہ ملتان ہوئے وہاں ہفتہ عشرہ قیام کرکے بسواری مرکب دخانی
روڑی بھکر سکھر جو ملک سندھ میں واقع ہی ہوتے ہوئے کوٹلی پہونچے اور
وہاں سے بذریعہ ریل کراچی بندر اور وہاں ہفتہ عشرہ قیام کرکے بسواری مرکب
دخانی براہ سمندر بمبئی پہونچے اور وہاں سے بسواری ریل بمقام تھانہ (جو ایک
شہر کا نام ہے) اور وہاں بہت بڑا قلعہ جو مرہٹوں کا بنایا ہوا ہے اور اب
وہ جیل کا کام دیتا ہے اُس میں بھیجدئے گئے وہ نہایت سخت جیل ہے کہ

دوسرے جیلی اس سے زیادہ پناہ مانگتے ہیں وہاں کے اہلکار جیلر وغیرہ قسوت قلبی میں دوسرے جیلوں کے نسبت بدرجہا زیادہ تمام احاطہ بمبئی و پنجاب کے شریرترین قیدی اُس جیل میں بھیجدیئے جاتے ہیں آپ ہر جگہ اپنا کام کرتے رہے، چند مہینوں تک آپ کا وہاں قیام رہا، آپ کا فیض بدستور وہاں بھی جاری رہا۔ بعد اس کے آپ آٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء بسواری جہاز بادبانی مع دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ بلیر انڈمان ہوئے اور صعوبات و تکلیفات جہاز کو طے کرکے بتاریخ گیارھویں جنوری ۱۸۶۶ء آپ داخل جزیرۂ انڈمان ہوئے بعد اس کے جناب منشی محمد اکبر زماں صاحب نے جن کے اوصاف حمیدہ اور شریف پروری اوپر بیان ہوچکی ہے آپ کو اپنے مکان میں لیجاکر رکھا اور باجازت چیف کمشنر صاحب اپنی تائید میں لے لیا، چونکہ جناب منشی صاحب کو کام بہت سپرد تھے اکثر فرصت کے وقت میں آپ مکان پر بھی سرکاری کام کیا کرتے تھے لہذا جناب مولانا کو حاضری کچہری سے بچاکر اسی مد میں داخل کیا اب دونوں حضرات یعنی جناب مولانا احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہما ایک ہی جگہ جمع ہوگئے اور میاں عبدالغفار صاحب کو بھی منشی صاحب ممدوح نے کام نمبر سازی سکھاکر ان کو بھی اپنے ہی مکان میں جگہ دی بالجملہ یہ تینوں شخص ایک ہی مکان میں رہنے لگے جناب مولانا کا کام یہ تھا کہ بعد فرصت از کار سرکار لوگوں کو قرآن و حدیث پڑھاتے، نصیحت کرتے

گھر گھر پھرتے، عورتوں کو نماز کی تعلیم کرتے، قرآن پڑھاتے، صدہا مرد عورت کہ جنھوں نے اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر نہ جھکایا تھا پکے نمازی بن گئے اسی اثنا میں یہ کمترین بھی بعد ہجرت دو برس کے پورٹ بلیر میں پہونچ گیا اور تقریباً تین چار مہینے آپ کی حضوری خدمت سے پھر مشرف ہوا، دو برس بعد آپ وہاں اپنی عمر عزیز کو یاد خدا و تعلیم و تلقین خلق اللہ میں صرف کر کے بتاریخ بیسویں فروری ۱۸۶۸ء کو لبیک کہتے ہوئے داخل خلد بریں ہوئے۔"

جماعت کے بعض متفرق واقعات

اس پوری جماعت پر نظر ڈالنے کے لئے ہم اس گروہ کی بعض لوگوں کے چند متفرق واقعات نقل کرتے ہیں تاکہ ان میں سے اس جماعت کے متعلق تخیل قائم ہو سکے۔

جماعت مجاہدین اور سید صاحبؒ کے خدام کا ایک گروہ نواب وزیر الدولہ مرحوم کی درخواست و خواہش پر ٹونک آگیا تھا اور ان لوگوں نے وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی محلہ قافلہ اسی مناسبت سے آباد و مشہور ہوا کہ یہاں مہاجرین و مجاہدین کا قافلہ اترا اور بسا، یہ لوگ سید صاحبؒ کے اہل خاندان کے علاوہ لشکر مجاہدین کے معمولی سپاہی، اور سید صاحبؒ کے خادم تھے لیکن اعمال و اخلاق میں سلف کا نمونہ اور اسلامی اخلاق و آداب میں بہت سے علماء و مشائخ سے بہتر تھے، ان میں حد درجہ کی سادگی اور بے تکلفی تواضع و خاکساری اسلامی مساوات اور پوری پوری اسلامی معاشرت تھی، تہجد گزاری

تو اس جماعت میں ایسی عام تھی جیسے پانچ وقت کی نمازیں پابند مسلمانوں میں، دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ قافلہ کی مسجد میں تہجد پڑھنے والوں کا اتنا ہجوم اور جماعت ہوتی تھی جتنی اب مغرب عشاء میں (اسلامی ریاست کی مسجد کو ادھر کی مسجدوں پر قیاس نہ کیا جائے) عورتوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی، اس کے علاوہ بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری اور خدمت، بیماروں کی تیمارداری، موتیٰ کی تجہیز و تکفین و دفن میں شرکت کرنا، غمخواری ہمدردی، عام امداد و اعانت، اپنے ہاتھ سے محنت و مشقت کرنا انکا معمول و مشغلہ تھا۔

نواب وزیرالدولہ مرحوم سید صاحبؒ کے اہلبیتؓ اہل خاندان کے علاوہ کہ ان سے تو ان کا سلوک ایسا فدویانہ وخادمانہ تھا جو بڑے سے بڑا کسی پیر کا مرید و معتقد اپنے پیر سے نہیں کرسکتا، عام اہل قافلہ میں سے ہر شخص کو پیر کی طرح سمجھتے تھے اور نہایت اعزازو اکرام کرتے تھے لیکن ان کی زندگی و معاشرت میں کوئی تغیر نہ آتا اور دنیاداری یا درباداری کی بو بھی ان میں نہ آنے پاتی،

انھیں میں سے پورب کے نواح کے رہنے والے شیخ حسن علی صاحبؒ تھے، یہ محض ان پڑھ تھے لیکن شاہ اسمٰعیل صاحبؒ سے قرآن مجید کا درس سُن سُن کر یاد کرلیا تھا اور ٹونک میں ترجمۂ قرآن کا درس دیا کرتے تھے،

نواب وزیرالدولہ مرحوم نے چاہا تھا کہ آپ کا کوئی معقول وظیفہ مقرر کردیا جائے لیکن آپ نے اپنی ضروریات کا حساب لگا کر ایک نہایت معمولی رقم بتادی تھی جو آپ کو ریاست سے ملتی تھی۔

ایک بار آپ کے بھائی نے آپ سے کہا کہ انگریزی عملداری کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ جس کی جو جائداد یا زمین ہو وہ ثبوت پیش کر کے دوبارہ قبضہ کر سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہماری زمینداری کے کاغذات لاؤ، وہ جب لائے تو ان سے لیکر چولھے میں ڈالدئے اور کہا کہ جس کو خدا کے لئے چھوڑا تھا اس کو اب کیا لیں۔

آپ جہاد کی نیت سے ہمیشہ اونٹ پالتے تھے جس کو لوگ لیکر اپنا کام نکالتے اور واپس کر جاتے سالن میں ہمیشہ شوربا اور دال میں پانی زیادہ رکھنے کی تاکید رکھتے تاکہ پڑوسیوں اور ضرورتمندوں کے لئے کافی ہو۔ ایک مرتبہ دال کچھ گاڑھی تھی، بیوی سے پوچھا کہ یہ آج گاڑھی کیوں ہے انھوں نے کہا کہ تمھارے لئے الگ تھوڑی سی نکال لی تھی، کہا، بی بی یہ تو چار آدمیوں کے لئے کافی ہو گی یہ کہہ کر بہت سا پانی اسمیں ڈال دیا علماء سے دریافت کر کے اپنا مکان اسی پیمانہ اور حساب سے بنایا تھا جیسا حجرۂ نبوی تھا چھت اسکی کچھ نیچی تھی اور ایک بانس نکلا ہوا تھا، ایک مرتبہ آنے جانے میں وہ آنکھ میں گھس گیا اور پتلی نکل آئی، لوگوں نے علاج کے لئے کہا آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ حال کیا ہے وہ اچھا بھی کر دے گا، چنانچہ بغیر علاج کے وہ اچھی ہو گئی۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم سے بے تکلف فرمایا کرتے تھے" وزیر محمد بیبین میں (بیویوں میں) عدل کیا کرو،

ایک دوسرے صاحب تھے انکی ران میں میدان جہاد کی گولی گھسی ہوئی تھی لوگوں نے بہت کہا کہ اس کو نکلوا لیجئے فرمایا کہ اللہ کے یہاں اسکو اسیطرح لیکر جاؤں گا۔

ٹونک کے ایک پچھلے رئیس کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ رمضان میں سرکاری توپ سے پہلے کسی مسجد میں اذان نہ ہو، قافلہ کی مسجد کے مؤذن نے جو اسی جماعت سے تھے ایک مرتبہ غروب آفتاب کے بعد اذان دیدی سرکار نے ان کو قید کر دیا، آپ وہاں بھی وقت پر اذان دیتے رہے آخر نواب صاحب نے چھوڑ دیا،

یہ تو ان لوگوں کا ذکر ہے جو برسوں سید صاحبؒ کے ساتھ رہے لیکن خود نواب وزیرالدولہ مرحوم اس ریاست وامارت کے باوجود سید صاحب کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اس شان کے آدمی تھے جو خانقاہ نشین مشائخ اور عزلت گزیں زاہد و صوفیوں میں نہیں ملتی، آپ پورے متشرع متبع سنت پابند مذہب باخدا اور متواضع مسلمان تھے اور صرف رؤسا و امراء ہی کے طبقہ میں نہیں بلکہ علماء و صوفیہ اور دینداروں کے طبقہ میں بھی ممتاز تھے، سید صاحب اور آپ کی جماعت کیساتھ تو آپ کو عشق تھا، انکی خاک پا آپ کے سر کا تاج تھی، انکی ہر خدمت کو آپ اپنی سعادت سمجھتے تھے، سید صاحبؒ کی اہلیہ ٹونک تشریف لا رہی تھیں آپ نے حکم دیدیا تھا کہ جب پالکی فلاں مقام پر پہونچے تو مجھے اطلاع کر دینا یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس پر تھا آپ وہاں سے پالکی کو خود کاندھا دے کر ٹونک لائے۔

امیر شاہ خاں صاحب مولانا اسمٰعیل صاحب کاندھلوی سے روایت کرتے ہیں (اور یہ روایت میں نے ٹونک کے لوگوں سے بھی سنی ہے) کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید امیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیز گار تھے یہ صاحب نواب وزیرالدولہ کے

مقرب تھے اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ انھوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب صاحب نے وعدہ فرمالیا مگر کسی وجہ سے اس کا ایفاء نہ ہو سکا اسپر سید امیر علی صاحب کو غصہ آگیا اور سر دربار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا۔ نواب صاحب نے کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئے اس کے بعد سید صاحبؒ کے جو عزیز واقارب ریاست میں موجود تھے نواب صاحب ان کے پاس گئے اور ان سے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا بھی ملال نہیں ہوا مگر ان سے ذرا اتنا کہہ دیا جائے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اسمیں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سر دربار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے اس لئے دربار میں وہ اس کا لحاظ رکھیں اور تنہائی میں انھیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے مار لیں۔

سید صاحب کے ایک حبشی غلام یاقوت نامی تھے جو آپ کے داماد سید اسمٰعیل صاحب کیمپ میں رہتے تھے، نواب صاحب ان کا بہت احترام کرتے، پالکی پر ہوتے اور میاں یاقوت کو دیکھتے تو پالکی فوراً رکھوا دیتے اور فرماتے کہ یاقوت بھائی خیریت ہے، صاحبزادی کا کیا حکم ہے، ایک آدھ مرتبہ تو ایسا ہوا کہ آپ پالکی پر سوار ہیں میاں یاقوت کو دیکھ کر فوراً اتر گئے اور ان کے لئے دوسری پالکی منگوائی اور جب تک ان کو سوار نہیں کرالیا خود سوار نہیں ہوئے۔

سید صاحب کی بیعت وصحبت کے اثرات "وصایا وزیری" کی ہر سطر سے ظاہر ہیں جسمیں سید صاحبؒ کا بہت کچھ تذکرہ اور اپنے جانشینوں کو آپکے اتباع اور آپ کے طریقہ کی

اقتدار کی تاکید ہے۔

۱۸۷۰ء کے واقعہ کے بعد آگرہ میں گورنر جنرل کا دربار ہوا جس میں حاضری نواب وزیر الدولہ مرحوم کے لئے خصوصیت کیساتھ بعض وجوہ سے نہایت ضروری تھی اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، نواب صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دربار میں نہ شریک ہونگے نواب یوسف علیخاں والی رامپور اور سکندر بیگم رئیسہ بھوپال نے بہت سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں، پھر آپ موقع تہمت میں بھی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں یہ ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کیلئے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں، چنانچہ آپ نے اطلاع دیدی کہ میں دربار میں شریک نہ ہو سکوں گا، بمجھے نماز جمعہ میں شریک ہونا ہے اس کا جواب آیا کہ اگر ہمیں پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کرتے مگر اب اعلان ہو چکا ہے اس لئے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا آپ نماز جمعہ پڑھیں آپ کے لئے دربار خاص منعقد کیا جا دیگا (۱)

نواب خلد آشیاں کی اس دینداری اور تشرع سے مطابق الناس علیٰ دین ملوکھم، ریاست میں دینداری و اتقاء کی ہوا چل گئی تھی اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت کی ایک جھلک نظر آنے لگی تھی، سارے ہندوستان میں بلکہ شاید اس وقت ساری دنیائے اسلام میں ریاست ٹونک وہ جگہ تھی جہاں شرعی حکومت تھی

---

(۱) امیر الروایات

اور شریعت کا بازار گرم تھا، آپ کے مذاق طبیعت و رجحان کی وجہ سے ریاست میں متشرع اور دیندار اور متورع جمع تھے، ایک مرتبہ گھوڑوں کے ایک سوداگر نے آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا، آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سے گھوڑے لینا یاد نہیں اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا، عدالت نے ان کو مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کیا، آپ حاضر ہوئے تو قاضی صاحب اور اہل عدالت نے کوئی تعظیم واہتمام نہیں کیا اور مدعی کے برابر کھڑا کیا، مدعی کے پاس کوئی ثبوت وگواہ نہ تھا اس لئے آپ پر قسم واجب آئی، آپنے فرمایا کہ میں قسم نہیں کھاتا، قیمت دیدیتا ہوں، فیصلہ کے بعد قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کی اور جگہ دی اور فرمایا کہ اب آپکی حیثیت دوسری ہے اسوقت آپ مدعا علیہ تھے، آپ اس پر نہایت خوش ہوئے اور اپنے انتخاب پر خدا کا شکر ادا کیا۔

حدود ریاست میں تعزیہ داری کی سخت ممانعت تھی ایک مرتبہ سرونج (مالوہ) کے پرگنہ میں تعزیہ دار شورش پر آمادہ تھے، آپ نے حکم دیا کہ اس کام میں تساہل اور رعایت سے کام نہ لیا جائے اور یہ بدعت بند کر دی جائے۔

موسیقی ومزامیر کی بھی ممانعت تھی لیکن آپ ہمیشہ نہایت لطافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے، ایک جگہ باجے کی آواز آئی، آپ وہاں ٹھہر گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ آج یہاں کوئی نہایت خوش الحان چڑیا آئی ہے، میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کو پنجرے میں رکھوں گا، لوگوں نے گھر میں گھس کر اسکو توڑ ڈالا اور باہر آکر کہا

کہ وہ چڑیا اڑ گئی، مطلب حاصل ہو گیا تھا اس لئے آپ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

جہاد کے شوق و عشق میں یہ جماعت خاص طور پر ممتاز تھی، ہر شخص جہاد کے نشہ میں سرشار تھا، امن میں بھی اس سے غافل نہ ہوتا، اونٹ اور گھوڑے اسی نیت سے پالتا اور اس کا منتظر رہتا، مولوی احمد حسن صاحبؒ امروہی کا یہ حال تھا کہ جاڑوں میں جب ان کے پاس گھر سے رزائی پچھونا جاتا تو اپنے اعضاء سے کہتے کہ تم انمیں آرام سے سوگے؟ ان میں رہوگے؟ لیکن میں جب خوش ہوں گا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہوا خاک میں رلتا ہو اور بالآخر یونہی ہوا۔[1]

یہ لوگ انتہا درجہ کے جفاکش اور مصائب کو برداشت کرنیکے عادی تھے۔ ایک صاحب کا میں نے ذکر سنا ہے کہ سرحدی مجاہدین کے لئے امداد کیواسطے ہندوستان آئے ہوئے تھے ریل کے سفر میں حکومت کو اطلاع ہو گئی اور ان کی نگرانی ہونے لگی، ایک موقع پر جب پولیس کا کوئی آدمی ان کے پاس آکر ان کا حلیہ مطابق کرنا چاہتا تھا انھوں نے اپنے ہاتھ سے نہایت پھرتی سے اپنی ایک آنکھ نکال لی اور رومال سے خون پونچھ کر نہایت ضبط اور سکون کیساتھ بیٹھ گئے، اس نے دیکھا تو حلیہ مطابق نہ تھا مجبوراً ان سے کوئی تعرض نہ کر سکا اور وہ آزاد ہو گئے۔

حقیقت میں اس جماعت میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جنھوں نے اگرچہ سید صاحبؒ کا جمال جہاں آرا نہیں دیکھا اور انکی صحبت و زیارت ان کو نہیں نصیب ہوئی لیکن وہ آپ ہی کے

---

(۱) تذکرۃ الرشید

نقش قدم پر تھے، ہمیشہ آپ ہی کا دم بھرتے رہے اور اپنے کو آپ ہی کی جماعت و تبعین میں سمجھتے رہے آپ کی میراث اصلاح وارشاد کے وارث اور اپنی بساط کے مطابق آپ کی نیابت کا فرض انجام دیتے تھے اس گروہ والذین اتبعوھم باحسان اور والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان میں حضرت امام ربانی سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی جنکی بشارت بھی سید صاحبؒ نے دی تھی اور جو سید صاحبؒ کا نمونہ تھے، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی، حضرت سید ضیاء النبی رائے بریلویؒ، حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ[1]، مولانا سید محمد عرفان و مولانا سید محمد مصطفےٰ صاحب (نبیرگان حضرت سید صاحب)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے فضائل و حالات کے لئے الگ دفتر چاہیئے۔

---

(۱) خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دوست مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی استاد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر نے حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی کا تذکرہ مرتب کر لیا ہے جو "یادگار سلف" کے نام سے شائع ہو گیا ہے

مشہور خلفاء و اکابر جماعت

شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحب بڑہانوی

آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے داماد تھے اور شاہ صاحبؒ آپ کے پھوپھا بھی تھے، شاہ صاحبؒ آپ کے والد کے شاگرد تھے، اس لئے مولانا عبدالحی صاحبؒ سے بہت محبت و خصوصیت رکھتے تھے اور آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بابرکت خاندان ہی میں داخل و شامل تھے۔

علم و فضیلت میں آپ کا شمار ہندوستان کے علماء میں تھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور پورا خاندان ولی اللہی بلکہ پورا دہلی آپ کی فضیلت علمی و تبحر کا قائل تھا، شاہ صاحب تفسیر میں مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور اپنا نمونہ فرماتے تھے شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحبؒ نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے اور آپ کو اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کو تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علماء محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث فقہ و اصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علماء ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔

شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے بھی آپ سے پڑھا تھا اور اہل علم کے نزدیک

علوم رسمیہ میں مولانا عبدالحی صاحب کا پایہ سید صاحب کی جماعت میں سب سے بلند تھا، سید صاحبؒ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

آپ کی بیعت کا ذکر کتاب میں آچکا ہے، آپ ہی کی ترغیب سے حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب بھی سید صاحبؒ کی طرف رجوع ہوئے، بیعت ہوتے ہی شاہ صاحبؒ کے ساتھ آپ سید صاحبؒ کے رنگ میں رنگ گئے اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر تصدق کر دیا، ادنیٰ خادم بن گئے، آپ کی جوتیاں اُٹھاتے، آپ کی رکاب تھام کر چلتے یہ آپ کا سب سے بڑا ایثار و کارنامہ تھا اور یہ آپ کی پاک نفسی، نیک طینتی، للہیت اور اخلاص کی سب سے بڑی دلیل تھی، آپ کا علم، قلم اور زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت قابلیت اسلام کی خدمت اور حق کی اشاعت و نصرت کے لئے وقف تھی یہاں تک کہ آپ نے سید صاحب کے قدموں میں جان دے دی۔

سید صاحبؒ کی جماعت میں آپ کی وہ حیثیت تھی جو بلا تشبیہ صحابۂ کرام میں حضرت صدیق اکبرؓ کی، آپ پر شانِ صدیقیت اور شاہ صاحب پر شانِ فاروقیؓ غالب تھی نہایت حلیم، رقیق القلب تھے، چہرہ پر خشیتِ الٰہی و تواضع کے آثار اور عبادت و تقویٰ کے انوار ظاہر تھے، کوئی تعریف کرتا تو دل سے ناخوش ہوتے اور بُری لگتی، نصیحت کرتا تو دل سے خوش ہوتے اور سر جھکا دیتے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں نہایت چست و مستعد رہتے اور اس میں اپنے شیخ کا بھی جس سے زیادہ محترم ہستی آپ کی نظر میں کوئی نہ تھی لحاظ نہ کرتے، ایک مرتبہ شادی کے بعد سید صاحبؒ کو خلافِ معمول

جماعت میں کچھ تاخیر ہوگئی، دوسرے دن پھر اتنی تاخیر ہوئی کہ تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی، مولانا نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت، سید صاحبؒ خاموش ہوگئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، دیوبند میں ایک مرتبہ کسی وجہ سے صبح کی نماز میں سید صاحب کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی اس دن مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسی کا وعظ فرمایا، ایک مرتبہ سید صاحب نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کوئی بات خلاف سنت دیکھیے متنبہ کردیجیے گا، مولانا نے فرمایا کہ حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کیسا تو ہوگا ہی کہاں۔

ایک مرتبہ آپ نے رائے بریلی میں اس آیت پر وعظ فرمایا، لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم یعنی تم کسی کو نہ پاؤ گے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں (اور پھر) محبت رکھتے ہوں اللہ اور رسولؐ کے مخالفوں سے اگرچہ وہ انکے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں، اور نہایت خطابت و بلاغت سے یہ وعظ فرمایا کہ لوگ دنگ ہوگئے، آپ نے ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ کے اعمال و رسوم اس ترازو میں تولے اور سب کی کمزوریاں صاف صاف بیان کردیں، خاندان شاہ ولی اللہ و خاندان شاہ علم اللہ (خاندان سید صاحبؒ) کا بھی کچھ پاس نہیں کیا اور ان خاندانوں کے جو اعمال اس آیت کے خلاف تھے صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کردیئے اور فرمایا کہ حضرت (سید صاحب) ایک بات اگر اپنے خاندان سے دور فرمادیں تو اس آیت پر پورا عمل ہوجائے سید صاحبؒ یہ بات سن کر

بیتاب ہوکر اپنی جگہ سے اٹھے اور آپ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے، مولانا کا اشارہ بیواؤں کے نکاح ثانی کی طرف تھا جس کو شرفاء کے خاندانوں کی طرح یہاں بھی بہت برا اور حرام طبعی ورسمی سمجھا جاتا تھا، اس وعظ کا یہ اثر ہوا کہ نکاح بیوگان عام ہوگیا، اور خود مولانا نے شاہ صاحبؒ کی بیمار اور ضعیف بیوہ بہن سے محض اتباع سنت اور اجراء رسم کے لئے نکاح کیا

آپ کے علم سے جسقدر اسلام کو نفع اور آپ کے وعظ سے جسقدر اصلاح ہوئی کم خوش نصیب علماء کے علم و تقریر سے ہوئی ہوگی، لکھنؤ کے قیام میں برابر آپ کا وعظ ہوتا تھا جسمیں ہزارہا آدمی شریک ہوتے اور ہدایت پاتے، ایک مرتبہ آپ نے وذاالنون اذذہب مغاضبا الآیہ، پر وعظ کہا اور ایسا وعظ کہا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہوگیا، ہر ایک کے منہ سے واہ واہ سبحان اللہ کی صدا نکلتی تھی، سارا مجمع اور علماء فریقین آپ کی قوت بیانی و نکتہ دانی کے قائل ہوگئے، علماء نے کہا حق تو یہ ہے کہ ہماری ساری عمر جہل و نادانی میں گزری اور اس وادی معرفت کا آج تک پتہ نہ چلا، تین جمعے آئے اسی آیت کا وعظ رہا، ایک دوسرا وعظ آپ کا ان قوموں کے حالات وصفات و اخلاق پر ہوا جن پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا، آپ نے تفصیل سے ان کے اعمال و اخلاق، وضع و معاشرت، رسم و رواج، صورت و سیرت بتائی اور موجودہ مسلمانوں و اہل شہر کے حالات و اخلاق سے مطابق کیا، ان خطبات و مواعظ کا نہایت نفع ہوا اور ہزاروں کو ہدایت ہوئی۔

وزیر معتمدالدولہ کی دعوت میں ان کے میر منشی (شیعہ) نے الحیاء شعبۃ من الایمان کا مطلب پوچھا، سید صاحبؒ نے مولانا کی طرف اشارہ کیا، مولانا نہایت کم گو تھے اور جبتک کئی مرتبہ نہ کہا جائے تقریر نہیں کرتے تھے، میر منشی نے کہا جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہو اس لئے یا تو خود کچھ فرمائیں یا مولانا اسمٰعیل صاحب کو حکم دیں، یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ہوں کر کے الحیاء شعبۃ من الایمان پوری حدیث پڑھی اور سلسلۂ تقریر شروع کیا، پہلے ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیا تھے، شیطان بیحیا تھا اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیا ہونا انکی قوم کا بیحیا ہونا اسی طرح دوسرے انبیاء کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت فرمایا، آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیا ہونا اور آپ کے مخالفین کا بیحیا ہونا اس کے بعد صحابہؓ کا باحیا ہونا ان کے مخالفین کا بیحیا ہونا، فرق اسلامیہ میں اہل سنت کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت فرمایا اور خاتمہ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ سنت انبیاء اور ان کے متبعین کے مطابق عبدالحی باحیا ہے (شاید اسمیں سید صاحبؒ کے سامنے اور علماء کے مجمع میں تقریر کرنے میں تامل ولحاظ کی طرف اشارہ ہے) اور روافض بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بیحیا۔(۱)

لکھنؤ کے ایک محدث اور مشہور عالم نے ایک مرتبہ کہا کہ میں بھی قرآن وحدیث کا وعظ کہتا ہوں اور یہ دونوں عالم (مولانا وشاہ صاحب) بھی قرآن وحدیث کا وعظ کہتے ہیں

---

(۱) امیر الروایات وسوانح

مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمی سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے، مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس محدث خشک کی یہ بات سن کر فرمایا کہ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا، یہ سید صاحب کی برکت ہے۔

حج میں آپ مع اہلخانہ سید صاحبؒ کے ساتھ تھے اور آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمادیا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی پیسنی پڑے گی، روٹی بھی پکانی پڑے گی، پیدل بھی چلنا ہوگا جو ضروری کام ہیں سب کرنے ہوں گے، راستہ میں آپ کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی اور شریک قافلہ ہوئی، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو عورتوں میں بٹھادو عورتیں کسی طرح اس پر راضی نہیں ہوتی تھیں، آخر مولانا عبدالحی صاحب نے آکر فرمایا کہ تم اس نیکبخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں، آج اس نے برے کاموں سے توبہ کی ہے اسوقت یہ تم سب سے افضل ہے اور جو کچھ خدا و رسولؐ کا شرعی حکم تم پر ہے وہی اسپر ہے؟ عورتوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو اس کو پردہ کراکر چھت پر الگ بٹھادو، مولانا نے کہا کہ کیا چھت پر تم میں سے کوئی نہیں بیٹھ سکتی وہی کیوں نہ جاکر چھت پر بیٹھے آخر آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ چادر اوڑھ کر اتر آئیں، وہ اتر آئیں تو آپ نے ان کو گھر کا اقرار یاد دلایا، سید صاحب نے یہ دیکھا تو مولانا کو آواز دی کہ یہاں تشریف لائیے آپ نے فرمایا کہ حاضر ہوتا ہوں اور لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ دیکھو عبدالحی کی بی بی کھڑی ہے اور خدا و رسولؐ کے حکم کے مطابق شرعی پردہ اس کو کہتے ہیں، یہ تین بار فرمایا تاکہ وہ غرور ٹوٹ جائے، سفر میں اکثر لوگ اور بالخصوص عورتیں نماز کم پڑھتی ہیں اور بہلی گاڑی وغیرہ میں

دشوار بھی ہے، ایک مقام پر آپ نے پردہ کا انتظام کر کے اپنی بیوی کو اُتارا اور اُن سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو دیکھو لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

آپ نے سفر حج میں یمن کے مشہور محدث محمد بن علی الشوکانی (صاحب نیل الاوطار) سے خط و کتابت کی اور امام موصوف نے اپنی تصنیفات بھیجیں۔

حجاز میں اہل عرب کے نفع کے لئے آپ نے "صراط مستقیم" (فارسی) کا عربی میں ترجمہ کیا[1]۔

ہجرت و جہاد میں آپ سید صاحب کے ہمراہ نہیں جا سکے کسی خدمت کے سر انجام کے لئے ہندوستان ٹھہر گئے تھے اس خدمت کو انجام دینے کے بعد آپ تشریف لگئے سید صاحب کو آپ کی آمد کا ایسا انتظار تھا، جیسے عید کے چاند کا ہوتا ہو اور آپ کی آمد کی خبر سُن کر نہایت مسرور تھے، دریا تک آپ کو لانے کے لئے پالکی بھیجی اور خاص اپنے ساتھ اپنے خیمہ میں اُتارا اور اپنا مہمان رکھا، اسوقت مجاہدین پر بڑی تنگی تھی کبھی کبھی پتے کھانے کی نوبت آتی تھی، آپ اپنے ساتھ ہندوستان سے روپیہ بھی لائے تھے جس سے مجاہدین کو فراغت ہو گئی۔

سید صاحبؒ نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر فرمایا، مقدمات کا فیصل کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا۔

---

(۱) اس ترجمہ کا حجازی نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صاحب مرحوم کے کتبخانہ میں موجود ہے اور میری نظر سے گذرا ہے

سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولانا عبدالحی صاحب کو غصہ آتا ہے تو اسوقت انوار الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولانا کو غصہ آتا تھا تو سید صاحبؒ آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ کسی ولایتی نے کسی ہندوستانی کے تھپڑ مارا، اس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی، مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی، مدعا علیہ کے تھپڑ مارے مگر اس ولایتی مدعیٰ علیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہیں کیا، اس پر مولوی صاحبؒ کو نہایت غصہ آیا اور جوش غضب میں کھڑے ہو گئے، سید صاحب حسب عادت آپ کے پیچھے کھڑے تھے جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو آپ نے خیال کیا کہ مبادا بات بڑھ جائے اور ولایتی لوگ بگڑ جائیں اور جہاد کا معاملہ مختل ہو جائے، یہ خیال کر کے مدعی کو اشارہ سے بلایا اور بلا کر اس سے کہا تو مولوی صاحب سے کہہ دے کہ میں نے اللہ کے واسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا، اس نے مولوی صاحب سے آکر یہی کہدیا اسکے یہ کہتے ہی مولوی صاحبؒ کا غصہ بالکل فرو ہو گیا اور ایسے ہو گئے جیسا کہ غصہ آیا ہی نہ تھا،

آپ کی وفات مقام خہر میں ہوئی، انتقال کے وقت سید صاحب سے فرمایا کہ حضرت شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جائے، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا پانوں اس قابل کہاں ہے کہ اس سینہ پر رکھوں جو قرآن و حدیث کی علم کا خزینہ ہے آپ نے تسلی کے لئے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھ دیا اور اسی حالت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

آپ کی زبان سے آخری کلمہ اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ نکلا اور روح پرواز کر گئی

ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ،

اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کیلئے نکلے پھر اس کو موت پالے

تو اس کا اجر مقرر ہو چکا اللہ کے یہاں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ

آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے شجرۂ طوبیٰ کی ایک شاخ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نامور پوتے شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ذریعہ نجات ومغفرت فرزند، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وشاہ عبدالقادر صاحبؒ وشاہ رفیع الدین صاحبؒ کے محبوب وعزیز بھتیجے اور مایۂ ناز شاگرد تھے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ وہ شخص ہیں کہ جس اُمت اور جس قوم وملک میں پیدا ہوتے اس کے لئے قابل فخر ہوتے، اسلام کے ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری، اور غیر معمولی افراد میں ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں

آپ نے علماء کے سب سے بڑے مجمع اور سب سے بڑے علمی اور سب سے بہتر دینی ماحول میں آنکھ کھولی، بچپن سے کانوں میں قال اللہ وقال الرسول کی آواز پڑی، جو علمی باتیں اور جو مذہبی مسائل حلال وحرام وضروریات دینی لوگوں کو کتابوں اور مطالعہ سے آتی ہیں وہ آپ کو باتوں باتوں اور قصے کہانیوں میں معلوم ہو گئیں، تربیت کے لحاظ سے یہ تربیت نہایت مکمل تھی جو کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے لیکن آپ اس تربیت کے

محدود دائرہ سے بہت آگے تھے اور بہت جلد شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی آپ بہت ممتاز ہو گئے۔

تعلیم میں بھی آپ کی خوش نصیبی تربیت سے کم نہ تھی، ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے بھی فاضل ترین اساتذہ جن کے پاس سمرقند و بخارا، ایران و افغانستان کے طلباء شدّ رحال کر کے آتے تھے اور ایک سبق پڑھ لینا حاصل سفر سمجھتے تھے، آپکے گھر ہی کے تھے اور کون؟ باپ یا باپ سے بڑھ کر شفیق چچا، اسوقت کی اعلیٰ تعلیم جو کسی کو میسر آسکتی تھی آپنے حاصل کی اور اسمیں کوئی کمی نہیں رہی۔

آپ کی ذکاوت خبر متواتر ہو، آپ کی طالب علمی کے قصے علماء و مدرسین کی زبانوں پر ہیں، آپ عام مدارس عربیہ کے متوسط یا ذہین طالب علموں کی طرح نہیں تھے کہ جن کی سب سے بڑی ذہانت کتاب کا مضمون سمجھ لینا ہے، آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اور بہت سی درسی کتابوں کے مصنفین و شراح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے اگر آپ کو اشتغال اور تصنیف و تالیف و درس تدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے بہت سے مشہور معاصر علماء سے بہت آگے ہوتے، اور بہت سے فنون میں امام یا مجدد کا منصب آپ کو دیا جاتا جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کو انھیں علوم یا صنائع میں خارق عادت کمال دیتا ہے جو ان کے زمانہ میں رائج و شائع ہوتے ہیں تاکہ حجت اور معجزہ ہو سکے اسی طرح حکیم مطلق نے خود اس کا سامان کیا کہ شاہ صاحب کو جن سے اس کو علماء کی اصلاح اور حق کی نصرت کا کام لینا تھا، ان تمام علوم و فنون میں

غیر معمولی کمال حاصل ہو جو اسوقت عام طور پر رائج و جاری تھے اور جن پر علماء فخر کرتے تھے اور جن کے بغیر وہ کسی کو عالم اور قابل التفات نہیں سمجھتے تھے، شاہ صاحبؒ کے طریقہ تعلیم اور انکی ذکاوت کے جو واقعات مشہور ہیں اور بزرگوں سے منقول چلے آرہے ہیں انکی تصدیق وہ حضرات مشکل سے کریں گے جن کا اعتقاد ہی کہ علم و فہم نبوت کی طرح کتب معقولات کے مصنفین اور اُن کے شراح پر ختم ہو گیا تھا اور اب صرف انکی بات سمجھ لینا اور سمجھا دینا ہماری عقل و اجتہاد کی آخری حد ہی جس کے آگے الحاد کی سرحد شروع ہوتی ہے مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ کی روایت ہی (جو غالبًا انھوں نے اپنے اساتذہ و اکابر سے سنی ہو گی) کہ شاہ صاحبؒ شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے الافق المبین پڑھتے تھے (اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کس درجہ کی کتاب ہی) اور اسطرح پڑھتے تھے کہ دو دو چار چار ورق پڑھتے کہ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کچھ پوچھ لیتے کہیں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کچھ بتا دیتے ورنہ یونہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحبؒ خیرآبادی صدر امین ہو کر دہلی آئے ہوئے، اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہو رہا تھا وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے، اتفاقًا شاہ صاحب اثناء سبق میں کسی ضرورت سے اُٹھے تو انھوں نے کہا "صاحبزادے کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو وہ بپاس ادب چپ ہو رہے لیکن شاہ صاحب آگئے اور انھوں نے سُن لیا فرمایا کہ مولوی صاحبؒ اس لڑکے سے کچھ پوچھئے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو، پہلے تو مولوی فضل امام صاحبؒ

گریز کیا لیکن آخر انھوں نے ایک مسئلہ افق المبین کا پوچھا، مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس کا نہایت شائستگی سے جواب دیا، پھر انھوں نے اس کو رد کیا پھر انھوں نے جواب دیا اس رد و قدح کی یہاں تک نوبت پہونچی کہ مولوی صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی پیچیدہ تقریر کا غور کر کر کے جواب دینے لگے اسوقت خاموش ہوئے۔

ایک ولایتی طالب علم خیالی پڑھنے کی غرض سے ہندوستان آیا یہاں آکر اسنے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ ذہین اور ذکی ہے معلوم ہوا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ ہیں ان کے پاس آیا اور استدعا کی، پیشتر انھوں نے فرصت نہ ہونے کا حیلہ کیا، آخر الامر جب اس نے زیادہ مجبور کیا تو فرمایا اچھا فرصت کے وقت، اس نے بغل سے نکال کر ایک کتاب دی، انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا خیالی کا عبدالحکیم ہے آپ نے کہا کہ یہ کیوں یہاں چھوڑے جاتے ہو؟ اس نے کہا، بے عبدالحکیم کے خیالی حل نہیں ہوتی، اس پر مولانا نے فرمایا کہ عبدالحکیم بیچارہ کیا ہے جو میرے خیال میں باتیں باتیں آتی ہیں وہ عبدالحکیم کے خیالوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اس نے کتاب تو اٹھالی، لیکن بہت ہی بد دل ہوا کہ جب انکی یہ کیفیت ہے کہ عبدالحکیم کو کچھ نہیں سمجھتے تو خیالی خاک سمجھتے ہوں گے لیکن چونکہ صرف خیالی ہی کی غرض سے اس نے اتنی مسافت طے کی تھی، ٹھہر گیا اور وقت مقررہ پر آیا، جب سبق شروع ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ واقعی ان کی نازک خیالیوں کے سامنے عبدالحکیم کوئی چیز نہیں ہے۔[1]

---

(۱) ارمغان احباب،

ہمارے یہاں ہندوستان میں مدت سے معقول بھی منقول بنا ہوا ہے جسمیں سوائے نقل و شرح کے نہ کسی نقطہ کا اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم، نہ کسی نظریہ پر نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ اجتہاد، سر سید احمد خاں مرحوم نے "آثار الصنادید" میں شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ منطق میں آپ کا ایک رسالہ ہے جسمیں آپ نے بدلائل براہین ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اجلی البدیہیات میں سے ہے اور شکل اول اس کے برعکس اور آپکے معاصرین میں سے کوئی اس کا رد نہ کر سکا، سر سید لکھتے ہیں کہ :-

"اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو اپنے دلائل کو تار عنکبوت سے سست تر سمجھتا"۔

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم آپ کے معاصر تھے ان سے اور شاہ صاحب سے بہت سے علمی مباحثے اور دینی مناظرے ہوئے جن سے شاہ صاحبؒ کی دماغی قابلیتیں اور علمی تفوق اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ :-

"مولانا رشید الدین صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلباء سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو دینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے مطلب یہ تھا کہ مولانا کو معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں، اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو

ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خاں صاحب عیادت کو تشریف لے گئے، مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی اور انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہوگیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ اعتراضات پیدا ہوئے، مولانا رشید الدین خاں صاحب بالکل ساکت رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں، فرمایا کہ بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔[1]

یہ تو آپ کا حال معقول میں تھا جس کو آپ نے ہتھیار کے طور پر حاصل کیا تھا، اب منقول تو یہ آپ کے گھر کی میراث تھی لیکن آپ نے صرف اس میراث ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے کسب سے اس میں اضافہ کیا، اور ساری دنیا نے اسمیں آپ کی امامت کی شہادت دی۔

تقریروں کا تو اب موقع نہیں جنکی عالم میں دھوم ہے اور ان میں آپ کا کمال تو اتم سے ثابت ہے لیکن دینی مسائل پر آپ کی تحریریں اور صرف "منصب امامت" ہی پڑھو، معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صحیفے اور کتب خانے آپکی آنکھوں کے سامنے کھلے ہیں، جہاں سے چاہتے ہیں نقل کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کتابیں سفر اور ایسی حالت میں لکھی ہیں کہ آپ کے پاس مشکل سے کوئی کتاب رہی ہوگی، استدلال

---

(۱) روایات الطیب۔

ایسا صحیح ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا حدیث اسی موقع کے لئے تھی، پھر استنباط استخراج اور نکتہ آفرینی تو آپ کا حق ہے۔

پنجاب میں علماء کی مؤتمر میں جس میں دو ہزار علماء اور دو ہزار کے قریب طلباء شریک تھے، آپ نے امام کی مخالفت کا حکم بتایا اور فرمایا کہ فقہ کی فلاں فلاں کتابوں کے فلاں فلاں باب فلاں فلاں فصل میں دیکھئے، کتابیں علماء کے پاس تھیں انھوں نے دیکھیں تو کچھ فرق نہ پایا۔

لکھنؤ میں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد نے آپ کے اس سوال کا جواب کہ تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے؟ بڑی عرق ریزی، مشورہ اور کتابوں کے حوالہ سے بہت طویل لکھ کر بھیجا، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے جواب کے لئے بہت بڑے کتب خانہ کی ضرورت ہے جو سفر میں میسر نہیں، مولانا اسمٰعیل صاحب نے قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیا۔

آپ کی تصانیف اور علم میں وہ سب خصوصیتیں موجود ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حصہ ہیں اور جو ہندوستان کے علماء و مصنفین میں نایاب ہیں اور جو امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے یہاں ملتی ہیں، یعنی اجتہاد، علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی سلامت ذوق، قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار، خطابت۔

یہ تو علم کا حال تھا، لیکن ایک چیز علم ہے اور دوسری چیز علم سے انتفاع، اس دوسری چیز میں شاہ صاحبؒ خاص طور سے ممتاز تھے، آپ کا گھر قرآن و حدیث کا

سب سے بڑا مدرسہ تھا، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے وقت سے یقیناً قرآن و حدیث ان لوگوں کا وظیفہ تھا، سنت و شریعت کی نہریں ہندوستان و ہندوستان سے باہر یہیں سے جاری ہوئیں، لیکن اس کے باوجود آپ کے وقت تک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحب کی موجودگی میں اس خاندان میں بہت سی بدعات و رسوم رسمًا جاری تھیں۔ بیوہ کا نکاح ثانی اسی طرح حرام تھا جس طرح دوسرے خاندانوں میں، بی بی کی صحنک ہوتی تھی، گیارھویں کا کھانا آتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے قولاً و عملاً اسکی مخالفت کی اور یہ چیزیں موقوف ہوئیں۔

بی بی کی صحنک کے خاص آداب و احکام ہیں مثلاً کھانیوالی کوئی ایسی عورت نہ ہو جس نے دوبارہ شادی کی ہو۔ کوئی بیوہ یا کنواری نہ کھائے۔ اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی، مولانا نے منع فرمایا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے اس میں کیا حرج ہے، مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنی ہیں، وقالوا هٰذه انعام وحرث حجر لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم (الانعام) (اور انھوں نے کہا (کفار عرب نے) یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے ان کو صرف وہی کھائیں گے جن کو ہم چاہیں اپنے خیال سے)[1] ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے

(۱) مفسرین لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بھی خاص خاص آداب و احکام تھے سب نہیں کھا سکتے تھے اسی طرح سے ایک دوسری آیت ہے وقالوا ما فی بطون هٰذه الانعام خالصة لذكورنا ومحرم على ازواجنا وان يكن ميتة فهم فيه شركاء

ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا، اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار اس کو ہرگز نہ کرنا، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بادشاہ کے یہاں سے گیارھویں کا کھانا آیا ہے اور دسترخوان پر لگا دیا گیا ہے، آپ نے دسترخوان کا ایک کونا اور دوسرا کونہ پکڑا اور سارا کھانا الٹ دیا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے دیکھا اور کچھ نہیں کہا۔

دوسری اور بہت ممتاز خصوصیت آپکی یہ ہے کہ علماء کا ایک دائرہ تھا جس سے وہ باہر نہیں جاتے تھے اس دائرہ کے حدود درس تدریس، تصنیف تالیف اور جمعہ وغیرہ کا وعظ تھے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اشاعت حق کا جتنا کام اس دائرہ کے اندر رہ کر ہو سکتا تھا وہ کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی اُن بزرگوں کا ذکر ہے جو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے یا ان میں تصنیف کرتے تھے، یا وعظ و تقریر کرتے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا بھی تھا جن کے یہاں معروف و منکر کی کوئی تقسیم نہ تھی، ہدایت ضلالت بے معنی الفاظ تھے، سنت و بدعت کے الفاظ ان کے معجم میں نہیں تھے، یہ ساری عمر معقولات کی کتابیں پڑھاتے، اگر کچھ لکھتے تو وہ کسی متن کی شرح یا کسی شرح کا حاشیہ ہوتا، کچھ کہتے تو وہ کسی مسئلہ کی تقریر یا کسی تقریر کا رد یا مخالف سے مناظرہ ہوتا، عام اصلاح و ارشاد کا کام دونوں کے دائرہ سے خارج تھا، میدان ان سے خالی پاکر دجالوں شیطانوں، جاہلوں اور شکم پروروں نے اپنے جال بچھا دئے تھے، اور اللہ کی مخلوق کا زیادہ حصہ ان میں پھنسا ہوا تھا، یہاں مریضوں کی کثرت تھی مگر اطباء کتبخانوں میں بیٹھے ہوئے تھے تاکہ نئی تحقیقات کریں کہ اسکی نیت بھی خیر ہے یا مدرسوں میں طلباء کو

پڑھا رہے تھے کہ یہ بھی ایک نیک کام ہے اور علم کی خدمت ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا، اور وہاں وہاں پہونچے جہاں آج تک سورج نہیں پہونچا تھا، وہاں بھی گئے جہاں مقدس و پاکباز جاتے شرماتے ہیں جہاں سے علماء و صلحاء کتراتے ہیں، واذا مروا باللغو مروا کراما۔ ہر اس جگہ گئے جہاں ان کی ضرورت تھی، جہاں حق کی آواز نہیں پہونچی تھی، اور جہاں "جاہلیت" کی رات تھی، اسلام کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے اپنا خیال نہیں کیا ضرورتمند کا خیال کیا، وہ یہ بھول گئے کہ وہ اس شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں جن کا نام لینا معصیت و غفلت کے ان سیاہ خانوں میں گناہ ہے۔ اس عبدالعزیزؒ کے بھتیجے ہیں جو اپنے علم و فضل سے بادشاہت کر رہا ہے، ان کو صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک عالم ہیں جن پر تبلیغ و امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے اگر انھوں نے اس میں کوتاہی کی تو سارا دہلی قیامت میں ان کا دامن پکڑے گا، قرآن و حدیث کی وعیدوں کا ان سے زیادہ جاننے والا کون تھا، ایسے اصحاب عزیمت یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں اور لوگ بھی ہیں اور یہ فرض ان کا بھی ہے شاہ صاحب شہر میں کوئی شرک و بدعت، کوئی فسق و فجور اور کسی قسم کی معصیت و منکر دیکھتے تو ان سے زیادہ اپنے کو گناہگار سمجھتے، اور میدان حشر کا نقشہ ان کے سامنے پھر جاتا کہ جب یہ خدا کے سامنے علماء کا دامن پکڑیں گے کہ ان بیناؤں نے ہم نابیناؤں کا ہاتھ نہیں پکڑا، ابھی تک اطباء اُمت منتظر رہتے تھے کہ مریض ان کے پاس آئیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ نے خود مریضوں کے یہاں حاضری دینی شروع کی

اس لئے کہ یہ اسوقت تھا کہ مریضوں کو اپنے مرض کی طبیبوں سے زیادہ فکر ہو، لیکن یہاں معاملہ بر عکس تھا۔

شاہ صاحبؒ نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا، جامع شاہجہانی سے لے کر فسق و معصیت کے مرکزوں تک خدا کا پیغام پہونچایا، شریعت کے احکام سنائے اپنی مخصوص و شہرہ آفاق جرات و شجاعت سے شرک بدعت کا رد کیا، توحید و سنت کی منادی کی۔

چند ہی دنوں میں لال قلعہ سے لیکر جھونپڑوں تک زبانوں پر آپ کا نام تھا، گھر گھر آپ کے مواعظ اور "نئے عقائد" کا چرچا تھا کہیں بھلائی سے کہیں برائی سے لیکن برائی سے زیادہ۔ اکثر لوگوں کو یہ باتیں نئی معلوم ہوئیں، عورتیں اور دلی کے بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ یہ اسمٰعیل کون سا نیا عالم پیدا ہوا ہے جو روز نئی نئی باتیں کہتا ہے جو آجتک دہلی کے عالموں نے اور ہمارے بزرگوں نے نہیں کہیں، چند ہی دنوں میں دہلی ایسے شہر میں جہاں آپ کے خاندان کا سکہ چل رہا تھا، آپکے سیکڑوں مخالف پیدا ہو گئے، ہر وقت آپ کی جان کا خطرہ تھا، مسلمان احبار و رہبان نے اہل کتاب کے احبار و رہبان کی عادت کے مطابق جیسا کہ قرآن میں ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا ان کثیرا من الاحبار و الرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔	اے ایمان والو بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے خلاف آگ لگادی اور وہ سارے ہتھیار آپ کے خلاف استعمال کئے جو اہل ہوا و علمار سو اہل حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر عوام آپ کے نام سے بیزار ہو گئے، دلّی کے اوباش آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ سر بازار آپ کو گالیاں دی جائیں، اور سارے شہر میں آپ سے برا کوئی نہ تھا، عبداللہ بن سلام کی طرح لوگ آپ کے باب میں بھی بھول گئے کہ آپ کس کے پوتے اور کس کے بھتیجے اور خود کیا ہیں[1]۔

آپ سے لوگ اکی شکایت کرتے، تو آپ فرماتے کہ بھائی ان کا قصور نہیں ہے یہ ہمارے علمار کا قصور ہے کہ کیوں انھوں نے پہلے ہی سے واشگاف بیان نہیں کیا جسکے سننے سے اب ان کو وحشت ہوتی ہے[2]

مولانا محمد یعقوب صاحب (نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) فرماتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے

---

(۱) حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود بڑے مکر کرنے والے لوگ اور بہتان طراز قوم ہیں آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کیجئے پھر میں اپنے اسلام کا اظہار کروں گا، آپ نے پوچھا کہ عبداللہ تم میں کیسے آدمی ہیں، کہا کیا کہنا ہم میں سے سب سے بہتر عالم ابن عالم سید بن سید۔ یہودی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ کلمہ طیب پڑھتے ہوئے سامنے آگئے یہودی فوراً کہنے لگے کہ یہ خود جاہل اس کا باپ جاہل یہ خود ذلیل اس کا باپ ذلیل ہم میں سب سے بدتر شخص ہے (بخاری عن انس باب ہجرۃ النبی)

(۲) ارمغان احباب۔

وعظوں کی وجہ سے دلّی کے شہدے اور بدمعاش آپ کے یہاں تک دشمن ہو گئے تھے کہ قتل کی فکر میں تھے، اس لئے ہم لوگ ان کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ عشار کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازہ میں کو چلدئے جو قلعہ کی جانب ہے میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ میں اسوقت تنہا تمھیں نہ جانے دوں گا، اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں تم مجھے جانے دو، اور میرے ساتھ نہ آؤ، میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چل دئے میں بھی ذرا فاصلہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اس کا نام موتی تھا، مولانا اس کے مکان پر پہونچے اور آواز دی، تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے انھوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں وہ لڑکی یہ سن کر چلی گئی اور جاکر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے، رنڈی نے کچھ پیسے دئے اور کہا کہ جاکر دیدے وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا، مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کے میری لینے کی عادت نہیں، تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سُن لیں اس نے جاکر کہہ دیا، رنڈی نے کہا اچھا بلالے، وہ بلا کر لیگئی، مولانا نے جاکر صحن میں رُومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپ نے سورۂ والتین ثمّ رددناہ اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی[۱] ہیں

---

(۱) اہل علم ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ یہ آیات کسقدر حسب حال تھیں، ان میں انسان کا فطری جمال اور بدنی تناسب اور اس سے پہلے اس کی جنسی بلندی بیان کی گئی ہے کہ اسی میں سے اولوالعزم انبیاء پیدا کئے گئے اس کے بعد اس کا روحانی وجسمانی انحطاط بیان کیا گیا ہے ثمّ رددناہ اسفل سافلین کہ انسان اپنی بلندی سے جب گرتا ہے تو معاذاللہ اس سے زیادہ پست تر بھی کوئی نہیں ہوتا چنانچہ وہ بہائم اور حیوانات سے بھی ادنیٰ ہو جاتا ہے فطرت مسخ ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ اعمال جو انسان کرتا ہے حیوانوں میں بھی نہیں ہوتے۔

بھی وہاں پہونچ گیا اور مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا، مولانا نے اسقدر بلیغ اور پُر تاثیر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرا دیا، اس رنڈی کے یہاں بہت سی رنڈیاں اور تھیں اور انکے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے ان پر ان کا یہ اثر ہوا کہ سب چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا، اور انھوں نے ڈھولک اور ستار وغیرہ توڑنا شروع کئے اور موتی اور اس کے علاوہ اور کئی رنڈیاں تائب ہو گئیں، اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اُٹھ کر چلدئے میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہونچے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے تمہارے چچا ایسے اور تم ایسے خاندان کے ہو جسکی سلامی بادشاہ دیتے رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے، اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا، آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں، میں تو اس روز سمجھوں گا کہ میری عزت ہوئی ہے جس روز دلی کے شہدے میرا منھ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا قال اللہ کذا و قال الرسول کذا، یہ سنکر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اور اس کے بعد کبھی مجھے ان سے آنکھ ملا کر بات کرنیکی ہمت نہیں ہوئی۔(۱)

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان مواعظ وغیرہ کا نتیجہ صرف مخالفت ہوا، ہزاروں بندگان خدا کو نفع بھی ہوا۔ ہزاروں جاہلیت سے نکلکر اسلام میں آئے، شاہ صاحبؒ کی تقریروں کی کامیابی

---

(۱) امیر الروایات۔

اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ دہلی میں اس سے ہنگامہ مچ گیا، اور آپ کی آواز جہاں نہ پہونچ سکتی تھی دشمنوں کے ذریعہ سے پہونچ گئی، اور حجت تمام ہوگئی۔

آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ پتھر موم اور دشمن دوست، منکر معتقد ہو جاتا تھا، اس کے لئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہوگا جو حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی اپنا چشمدید بیان کرتے ہیں۔ حکیم خادم علی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اور کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لئے چلے، قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گشائیں رہتا تھا جو مرتاض تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے، اسکی کٹی کے اطراف مور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے مور کا شکار کیا، اس پر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گشائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کیلئے تیار ہوکر ادھر کو چلے، مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم ذرا نرمی کرو۔ ہم انشاء اللہ مور اس کو کھلا کر چلیں گے، یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گشائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا میری بات سن لیجئے اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے، ہم آپ کے پاس موجود ہیں، کہیں جاتے نہیں، غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اس کو نرم کیا، اس کے بعد آپنے مناسب طور سے اسے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی اس کے بعد وہ گوشائیں اور اس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے

اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے، مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور پکوا کر اس کو کھلایا۔[1]

کبھی آپ باتوں باتوں اور چٹکلوں میں ایسا شرح صدر کر دیتے، جو طویل تقریروں اور مناظروں سے نہیں ہو سکتا، بادشاہ کی ایک عزیزہ تھیں جنکا نام بی چھکو تھا بڑی تیز مزاج اور آتش زبان تھیں، ان سے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں وعظ کی حیلہ سے یا کسی اور حیلہ سے آپ کو ان کے یہاں بلایا گیا تاکہ ذلیل کیا جائے مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور خالی الذہن تھے۔ آنے کے بعد آپ کو حال معلوم ہوا مولانا نے بیگم صاحب کو اس طرح سلام کیا جسطرح چھوٹے بزرگوں کو کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو فرمایا کہ اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے۔ بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں، کہا یہ کیسے؟ آپنے کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار یا حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، پڑھ کر اس پر بحث کی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو انکی رضامندی ہی کے لئے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

ایک روز آپ دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور و شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے

---

(۱) ارواح ثلاثہ

مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے، یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کو اس کی شکایت پہونچی، بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور ان سے واقعہ دریافت کیا، مولانا نے واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ تبرکات مصنوعی ہیں اور انکی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں، بادشاہ نے تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ انکو مصنوعی کہتے ہیں، مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں، مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے ہی ہیں اور معاملہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، اکبر شاہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیسے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کیلئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی انکی زیارت کے لئے نہیں تشریف لیگئے۔ یہ سُن کر اکبر شاہ چپ ہو رہے۔ پھر آپنے کسی سے کہا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری لاؤ، آپ نے ان کو ہاتھ میں لیکر واپس کر دیا اس کے بعد فرمایا کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن ان کو اگر اصلی مان بھی لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جنہیں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اسی طرح بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس لئے اس کا بھی کلام رسول ہونا ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ اور کلام رسول کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے

کلام خدا و کلام رسول آپ کے سامنے آیا مگر آپ نے کوئی تعظیم نہ دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں، اثنار تقریر میں بادشاہ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پانوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے اسکی بھی حرمت بیان کی، بادشاہ نے فوراً اتار دیے ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا تھا جسکی داڑھی منڈی ہوئی تھی اس نے داڑھی رکھ لی۔(۱)

سب سے بڑھ کر آپ کا اخلاص، حرص ہدایت اور نیک نیتی تھی، اور حقیقت میں سب تاثیر اسی کی تھی، مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی جو خلقاً و خلقاً شاہ صاحب سے بہت مشابہ تھے۔ اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ خطیب تھے، سید صاحبؒ کے دیکھنے والوں نے انقراض صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سنا، البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انکا وعظ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے وعظ سے بہت ملتا ہے۔(۲)

مولانا بہت کم وعظ فرماتے تھے اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو کہہ دیتے ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا۔

"وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا اور انھیں کا وعظ مؤثر بھی تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اسوقت تک بےچینی رہتی ہے، جب تک وہ ان سے فراغت

(۱) امیر الروایات۔ (۲) ارمغان احباب

حاصل نہ کرے اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اسوقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اسکی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر تقاضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے، ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے، ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جبتک وہ ہدایت نہ کرلیتے تھے ان کو چین نہ آتا تھا، چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے، اس لئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا۔(۱)

شاہ صاحب کے خلوص نیت اور ہدایت کی حرص کے لئے یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ آپنے وعظ کہا، وعظ کہہ کر بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ کیا وعظ ہوگیا؟ لوگوں نے کہا، ہاں ہوگیا، کہا افسوس میں وعظ سننے ہی کے لئے اتنی دور سے آیا تھا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا افسوس نہ کرو میں تمھیں پھر سنائے دیتا ہوں، چنانچہ اس کے سامنے پورا کہا ہوا وعظ دہرا دیا کہ شاید اسی ایک کو ہدایت ہو جائے۔

لیکن شاہ صاحب اس کوشش اور اس کے نتیجہ پر قانع نہ تھے، انکی اولوالعزم

---

(۱) امیرالروایات

طبیعت اسلام کی صحیح اور پائدار خدمت کے لئے بیچین رہتی تھی، انھوں نے سالہاسال کے عملی تجربہ سے محسوس کیا کہ ان مواعظ سے چند سعید روحیں اور چند سلیم طبیعتیں ضرور فائدہ اٹھائینگی، اگرچہ یہ اپنی نجات و برات ذمہ کے لئے کافی ہو لیکن اس سے کوئی خاص انقلاب نہیں ہوگا اس کے لئے کہ شریعت حکومت سے لیکر گھر تک کا قانون ہو، ملک میں سنت ہی کا سکہ چلے قوت کی ضرورت ہے اور قوت کیلئے جہاد کی ضرورت ہے[1]

شاہ صاحب اسلام کے سپاہی بننا چاہتے تھے اور سپاہی کو ان تمام ہتھیاروں سے مسلح ہونا چاہیئے، جو دشمن کے پاس ہوں یا جنگی ضرورت پڑے اور پہلے بھی آپنے علم کو ہتھیار کے طور پر حاصل کیا کہ اسلام کی خدمت کے لئے علم بھی ایک ہتھیار ہے، پھر اپنے کو جہاد کے لئے تیار کیا، اسوقت کے تمام اسلحہ کا استعمال سیکھا، میدان جنگ کی تمام سختیوں اور جفاکشیوں کا عادی بنایا اس لئے کہ مقصود اسلام کی خدمت تھی، خواہ عالم بن کر خواہ واعظ بن کر خواہ میدان کا سپاہی بن کر مآل سب کا ایک تھا۔

یہ کس قدر تفقہ اور حکمت و فراست تھی اور صرف علماء ہی کے گروہ میں نہیں بلکہ اُس وقت بلحاظ نسبت عام مسلمانوں میں کتنی نئی اور عالی ہمتی کی بات تھی جسوقت تیموری شاہزادے بابر و ہمایوں کی تلواروں سے فتح کی ہوئی سلطنت کھو کر اپنے عشرت خانوں میں میٹھی نیند سوتے تھے، یہ اللہ کا بندہ اس دھن میں ہوتا تھا کہ اپنے جد امجد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سلطنت عادلہ و شرعیہ دنیا میں دوبارہ لوٹ آئے۔ اور یہ اسی مقصد کے لئے جس کو

(۱) ملاحظہ ہو "سید صاحب کی سیرت پر ایک نظر"۔

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ۔	وہ لوگ جن کو ہم جب زمین میں قدرت دیں نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، برائی سے روکیں۔

اسوقت آپ کا ہر لمحہ اسی کی تیاری کے لئے صرف ہوتا تھا، دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جب لوگ خسخانوں میں ہوتے اور کوئی اپنے عافیت خانہ سے منھ نہ نکالتا، آپ جامع مسجد، فتحپوری کے توے کی طرح جلتے ہوئے پتھر پر ننگے پاؤں چلتے تاکہ میدان جہاد میں اگر کبھی اس کا موقع ہو تو تکلف نہ ہو، مسلسل ہفتوں جگنے کی عادت ڈالی، عین نیت پر بلا تاخیر سو جانے اور عین وقت پر جگ جانے، کئی کئی روز مسلسل بھوکے پیاسے رہنے کئی کئی روز مسلسل پانی میں رہنے اور پیرنے کی مشق کی، ہر فن کے اہل کمال سے مردانگی کے فنون، بنوٹ، شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی حاصل کئے اور ان میں پورا کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ دور دور آپ کا جواب نہ رہا، اکثر ایسا ہوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو جامع مسجد یا مسجد فتحپوری کے فرش پر دوپہر کو تن تنہا ٹہلتے ہوئے دیکھ کر آپ پر حملہ کرنے کے لئے آئے، جیسے ہی پتھر پر پیر رکھا معلوم ہوا جلتے ہوئے توے پر پیر پڑ گیا، بیتاب ہو کر اُٹھا لیا، معاً یہ خیال آیا کہ یہ شخص ولی ہے جو اس بے پرواہی سے اس آگ پر چل رہا ہے اور فوراً معتقد ہو کر تائب ہو گئے اور جاں نثار بن گئے۔

کبھی لوگوں نے ایسے وقت آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یکلف اللہ

نفساً الّا وسعہا، اللہ کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، فرمایا یہی دیکھتا ہوں کہ میری وسعت اور طاقت کتنی ہے؟

گولی لگانے کی ایسی مشق تھی کہ اعتماد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ نا ممکن ہے کہ کوئی چڑیا سامنے آئے اور بچ جائے کسی نے کہا کہ اگر اسکی قضا ہی نہ ہو، فرمایا کہ جسکی قضا نہ ہوگی وہ میرے سامنے آہی گی نہیں، آئیگی وہی جس کی قضا ہوگی۔

ان فنون میں بھی آپ کے کمالات، آپ کے کمالات علمی و دماغی سے کم نہیں رہے۔ بعد کی سرحدی جنگوں میں آپ کی مردانگی اور پختگی کے جوہر کھلے اور معلوم ہوا کہ یہ شخص مفسر و محدث و فقیہ کے ساتھ کتنا بڑا جنرل اور کتنا بہتر فوجی اور سپاہی ہے۔ لشکر مجاہدین کے آپ ہی سپہ سالار اعظم تھے، اور آپ کی فوجی قابلیت و جنگی مہارت نے بڑی ناقابل تسخیر مہموں کو چٹکیوں میں سر کیا، اور بڑے بڑے نازک موقعوں پر آپ نے اپنے فن اور تدبر سے میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

آپ کا یہ کمال آپ کے دشمنوں کو بھی تسلیم تھا، آپ کی ہیبت ان کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ سکھ مائیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لیکر ڈراتی تھیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر اہل کمال نادانستہ طریقہ پر ایک دوسرے صاحب کمال کے منتظر و محتاج ہوتے ہیں، قدرت ان کے سارے کمالات کیساتھ ان میں ایک خلا رکھتی ہے جو صرف اسوقت بھرتا ہے جب یہ دوسرا آدمی ان کو ملجاتا ہے، پھر یہ کیمیا بنجاتے ہیں، جسطرح بغیر دو تاروں کے ملے ہوئے بجلی نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح اس

اتصال واشتراک کے بغیر وہ قوت کہربائی نہیں پیدا ہوتی جو دلوں اور قلعوں کو تسخیر کرتی ہے۔ عام طور سے ایسے مخلص باکمال قیادت سے گھبراتے ہیں، قسمت سے اگر ان کو خضر طریق ملجائے تو انکی قابلیتیں اور ابھر آتی ہیں، قوت دگنی ہو جاتی ہے، اور وہ سکندر ہو جاتے ہیں جو کبھی چشمۂ حیات سے تشنہ کام واپس نہیں آیا۔

حضرت سید صاحبؒ سے خاندان عزیزی کا بچہ بچہ واقف تھا، بچوں نے بزرگوں سے ان کا نام عزت واحترام اور تعریف کیساتھ بارہا سنا تھا، اور انکی گودوں میں کھیلے تھے، جوان انکے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، شاہ صاحب بھی اس خاندان کے ان جوانوں میں تھے جو آپ سے اچھی طرح واقف تھے مگر ایسے ہی کہ بڑے چچا کے پاس آتے جاتے دیکھا تھا، چھوٹے چچا کو تعریف کرتے سنا تھا، بارہا مسجد میں دیکھا تھا، اور اگر روایت صحیح ہے تو کچھ پڑھایا بھی تھا لیکن معتقد کبھی نہیں ہوئے۔ اپنے خاندان کا کفش بردار وخوشہ چین سمجھتے رہے، ایسے غیر معمولی و پختہ لوگ اتنی جلدی کسی کی تعریف سے معتقد نہیں ہو جایا کرتے، کبھی نہ معتقدانہ گئے نہ نیاز مندانہ بیٹھے۔

شیخ العالم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ہوتے کسی شیخ کی کیا ضرورت تھی، پھر جو عمر میں چھوٹا اور علم میں کم ہو، لیکن ایک مرتبہ مولوی عبدالحی صاحبؒ نے جو عمر میں بڑے اور علم وفضل میں بڑھے ہوئے تھے اور ثقہ ومعتبر آدمی تھے ایک مرتبہ کہا کہ میاں اسمٰعیل کبھی ان سید صاحبؒ کے پاس بھی جا کر دیکھو، کہا خیر کیا مضائقہ ہے، چنانچہ ایک مرتبہ امتحاناً تشریف لے گئے، سید صاحبؒ لال مسجد میں تھے، آپ جاتے ہی

بیٹھ گئے، سید صاحبؒ نے فرمایا، مولانا حدیث میں آیا ہے کہ جب مسجد میں جاؤ تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، پہلی تنبیہ ہوئی، اور آپ نماز کے لئے تیار ہوئے رد و قدح کے بعد سید صاحبؒ آگے بڑھے، نماز میں کیا پایا۔ اس کو کون بتائے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد'

لیکن سلام پھیرتے ہی بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔

ممکن ہے کہ شاہ صاحبؒ نے سید صاحبؒ کے کمالات وحالات کا خود مطالعہ کیا ہو اور مناسبت طبعی کی وجہ سے خود میلان ہوا ہو، یا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس کا مشورہ دیا ہو، کیونکہ اس خاندان کے اکثر افراد شاہ صاحبؒ کی حیات میں سید صاحبؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔

مولانا محمد حسین صاحبؒ سہارنپوری کی روایت ہے کہ دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ نے فرما دیا تھا کہ جس کو جو کچھ حاصل کرنا ہو وہ ان (سید صاحبؒ) سے حاصل کرے، میرے پاس جو نعمت تھی وہ انھوں نے لے لی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے جب سنا تو وہ حاضر ہوئے اور دشکار بند اس وقت جو تھا ما ہے تو مرتے مرتے نہیں چھوڑا۔

بیعت کے بعد شاہ صاحبؒ فنا فی الشیخ ہو گئے، وہ شخص جو مخالفین میں سے بے ادب گستاخ بلکہ بے ادبی کا بانی اور بے ادبوں کا امام مشہور ہے اور ان کے دوست بھی انکو

خدا جانے کیا سمجھتے ہیں، ان کا یہ حال تھا کہ سید صاحبؒ کی جوتیاں اٹھاتے، پالکی کے پیچھے پیدل چلتے، رکاب تھامتے، شکار بند پکڑ کر چلتے، مولانا محمد حسین صاحب کہتے ہیں کہ

"راستہ میں حضرت فرماتے کہ مولانا خدا نے سواری دی ہے سوار ہو لو، بس جا کر سوار ہو جاتے، بیس قدم چل کر پھر اتر پڑتے اور شکار بند آکر پکڑ لیتے، پھر حضرت فرماتے مولانا منزل تک سوار چلو، ہاتھ باندھ کر عرض کرتے حضرت اتنی بھی مفارقت گوارا نہیں"[۱]۔

مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی فرماتے ہیں کہ

"جب حضرت سید صاحبؒ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو دیوبند کے بوڑھے بوڑھے لوگ استقبال کو نکلے، شہر کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں تک پہونچے کہ سید صاحب نظر آئے، ایک ٹانگھن پر سوار تھے اور دونوں طرف دو شخص رکاب تھامے ہوئے چلے آتے تھے، ان لوگوں نے آگے بڑھ کر ملاقات کی، اس وقت تک ان دونوں بزرگوں کی ظاہری وضع و ہیئت سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا .... کہ یہ کون ہیں؟ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ان سے ملو یہ مولانا محمد اسمٰعیل و مولانا عبدالحی ہیں"۔

یہ بھی فرمایا کہ :-

"ان اطراف میں دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ شب کے وقت سید صاحبؒ

---

(۱) ارمغان احباب

چارپائی پر استراحت فرماتے تھے اور ایک جانب مولانا عبدالحی صاحبؒ دوسری جانب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیٹھ کر صبح کر دیتے تھے، رات میں جس وقت سید صاحب کی آنکھ کھلتی تھی فرماتے تھے مولانا! وہ کہتے تھے حضرت! آپ کہتے تھے فرمایئے ان کو جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا وہ پوچھتے تھے، سید صاحب مختصر الفاظ میں جواب دیتے، پھر سو رہتے اور یہ دونوں بزرگ اسی جواب کے مزے لیا کرتے اور اس کے وجد و محویت میں رہتے، پھر جب آنکھ کھلتی پھر کچھ پوچھتے"[1]

"ایک مرتبہ سید صاحبؒ نے شاہ صاحب کو خاص اپنی سواری کا گھوڑا دیا اور دہلی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خبر وفات کی تحقیق و اطلاع کے لئے بھیجا، مولانا شہید ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ سید صاحب کا خاص گھوڑا ہے بلکہ لکھنؤ سے دہلی تک اسکی لگام تھام کر آئے۔"[2]

مولانا محمد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"ایک شخص نے شاہ صاحبؒ سے کہا حضرت آپ کی عمر اور سید صاحب کی ایک ہے؟ فرمایا کہ عمر، عمر سید صاحبؒ کی ہے، میری کیا عمر میں ان کا غلام ہوں اس لفظ کو مکرر کہتے رہے"[3]

تکیہ (رائے بریلی) کے قیام میں یہ فاضل بے بدل سید صاحب کے فرمائے ہوئے مضمون کو تختی پر لکھتا اور سید صاحب کو سناتا، سید صاحب کبھی کبھی پانچ پانچ مرتبہ دُھلوا تے

(۱) ارمغاں (۲) روایات الطیب (۳) ارمغاں۔

اور لکھواتے اور آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آتا، صراطِ مستقیم میں تین تین چار چار سطروں کے القاب میں سید صاحبؒ کا نام لیتے ہیں،

مولانا عبدالحیؒ و شاہ اسمٰعیل صاحبؒ سے زیادہ بصیرت کیساتھ سید صاحبؒ کا معتقد اور ان کے فضل کا معترف کوئی نہ تھا، شاہ صاحبؒ محسوس کرتے تھے کہ انھیں سید صاحب سے کیا حاصل ہوا، شاہ صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت جو آپ کے ابتدائی حالات سے نمایاں ہو یہ تھی کہ آپنے اتباعِ شریعت میں اپنے کو مٹا دیا تھا، اور آپکی بالکل وہ صفت تسلیم تھی جو قرآن میں مذکور ہے۔

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما	پس نہیں تمہارے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم کو حکم کریں اپنے اختلافات میں پھر اپنی طبیعتوں میں کوئی تنگی نہ پائیں تمہارے فیصلہ سے اور پورے طور پر تسلیم نہ کرلیں۔

لیکن اس باب میں بھی آپ سید صاحبؒ کی تاثیر کے قائل ہیں، کسی نے آپ سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحبؒ آپ پر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے خدام میں سے ہیں پھر کیا وجہ ہو کہ آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہو گئے، آپ نے فرمایا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا

میری بہن کو ترغیب ہوا اور وہ نکاح کرلیں، لیکن جب سید صاحب کی صحبت حاصل ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر ان کا نکاح کروا دیا، اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں"۔(۱)

بیعت کے بعد سے سفر حضر میں دونوں بزرگ سید صاحبؒ کے ساتھ رہے، رائے بریلی کے قیام میں ہر حال میں شریک حال رہے، فاقے کئے، لکڑیاں کاٹیں، گھاس چھیلی، اینٹیں تھاپیں، مکانات و مسجدیں بنائیں، ابھی تک لوگ بیان کرتے ہیں کہ کھانا آتا تو مسجد کے فرش کا ایک کونا دھو کر دال روٹی جو کچھ ہوتی رکھ دیتے اور نعمت سمجھ کر کھا لیتے۔

مولوی محمد جعفر صاحب "سوانح احمدی" میں آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

"جس تاریخ سے یہ دونوں بزرگ داخل خدام ہوئے تھے اس تاریخ سے تا مرگ بلا کسی دینی ضرورت کے آپ کی خدمت بابرکت سے ایک دم بھی علیحدہ نہیں ہوئے اور حق تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سید صاحب کو خوب پہچانا تھا، ان کی جاں نثاری اور فرمانبرداری ضرب المثل ہے یہ دونوں بزرگ آپ کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنے کو فخر دارین جانتے تھے اور ان دونوں سرتاج علماء دہلی نے جن کی تعظیم بادشاہ دہلی تک کرتے تھے اپنے تئیں بالکل مٹا دیا تھا، پاخانہ کمانے، چکی پیسنے، دانہ دلنے، گھاس کھودنے، بوجھا اٹھانے، سائیسی کرنے، غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی آپ کو عار نہ تھا، روحانی برکات حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں

---

(۱) امیر الروایات

خاندانی بزرگ مقتدائے قوم وامیر زادے ناز و نعمت میں پلے ہوئے، دہلی سے
خوش خوراک اور خوش وضع شہر کے باشندے اب کبھی کبھی کھچڑی یا سکی کھرچن کھاکر
یا دو تین وقت کڑاکے کے فاقے کھینچکر اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سوکر ایسے خوش و
خرم اور شاداں و فرحاں رہتے تھے کہ وہ خود کبھی ان کو دہلی کے پلاؤ و قورمہ و توشک
تکیہ میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی"۔

رائے بریلی سے سید صاحب کی معیت میں آپ لکھنؤ تشریف لیگئے اور سید صاحب کے
ساتھ قیام فرمایا اور اصلاح وارشاد کا کام اسی زور شور سے شروع کر دیا، جیسے دہلی میں آپ
کرتے تھے، آپ کے مواعظ میں سارا شہر ٹوٹ پڑتا تھا، اور مسجدوں میں تل دھرنے کی
جگہ نہیں ہوتی تھی، لکھنؤ میں آپ کی قدرت لسانی و سحر بیانی کی شہرت پہلے سے تھی، امرا
وحکام سے لے کر غربا تک آپ کے وعظ کے مشتاق تھے، آپ کی بیباکانہ تقریروں اور
مدلل بحثوں سے فسق و فجور کفر والحاد شیعیت و رفض کی سرحدوں میں کھلبلی پڑگئی اور ان کی
بنیادیں متزلزل ہو گئیں، علماء مخالفین و مجتہدین نے اس کو ایک بلائے بے درماں سمجھا
اور آپ کے جانے کے لئے ایک ایک منٹ گننے لگے، بادشاہ سے لیکر عوام تک ان
تقریروں سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ میں اصلاح خیال کی ایک ایسی رو بہہ نکلی جسکی پشتہ
بندی علماء و مجتہدین سے مشکل ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپ نے اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عید گاہ میں وعظ کہیں گے، چنانچہ
آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عید گاہ تشریف لیگئے، اس اعلان کی اطلاع عام طور پر

ہوگئی تھی، اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہوگئے اور بڑا مجمع ہوگیا۔ مولانا منبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع کیا، وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اُڑائیں، اس وعظ میں دو نوعمر لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے، جنمیں سے ایک کا نام محمد ارتضیٰ تھا، اور دوسرے کا نام محمد مرتضےٰ، مولانا کے قریب ہی دونوں بیٹھے ہوئے تھے، ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر سُن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دُبلا پتلا آدمی ہے، نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار، پھر باوجود اس بیکسی و بےبسی کے جو یہ اسقدر جرات دکھلا رہا ہے تو وہ کون سی بات ہے جو اس کو اس بیباکی و سرفروشی پر آمادہ کررہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں، ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اسقدر قوی اور شجاع تھے کہ انکی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہونچتی تھی اور نہ جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اسقدر کرتے تھے کہ مخالف تو در کنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے، اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا، کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا انکی تقیہ کی کہانی غلط ہے اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج کا جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہلسنت جماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت باایمان تھے، اور انکی شان لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم تھی اور

ان کا مذہب وہی تھا جو اہلسنت کا مذہب ہے اور جو باتیں انکی طرف شیعہ منسوب کرتے ہیں وہ ان کا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہلسنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہلسنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر سے اتر آیئے مجھے کچھ عرض کرنا ہے، مولانا سمجھے کہ شائد میری تردید کریگا، یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے، اس لڑکے نے منبر پر جا کر اپنا یہی شبہ وضاحت کیساتھ پیش کیا اور کہا کہ اگر کسی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہو گا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا، آخر وہ منبر پر سے اترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا اب آپ وعظ فرمائیں، مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا۔ اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے، جب یہ سُنّی ہو گئے تو انھوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور مولانا کے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ جہاد میں آپ کے ساتھ شہید ہوئے۔[1]

---

(۱) امیر الروایات

ایک روز آپ سپاہیانہ لباس پہنے تلوار گلے میں حمائل کئے ہوئے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد کے مکان پر تشریف لیگئے، اسوقت مجتہد صاحب طلباء کو سبق پڑھا رہے تھے، مولانا سلام مسنون کرکے بے تکلف بیٹھ گئے، سلام اور وضع کی اس غرابت پر مجتہد صاحب نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آنا ہوا؟ مولانا نے فرمایا کہ ایک مسافر سپاہی ہوں، ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوا ہوں، کہا کیا مسئلہ ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے؟ مجتہد صاحب نے بہت سے دلائل سے دونوں کا فرق واضح کیا، مولانا نے وہ سب دلائل رد کردئے اور ان کا اتحاد ثابت کیا، دیر تک ردّ و قدح ہوتا رہا، اور مجتہد صاحب عاجز ہوگئے۔ پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا عبداللہ فرمایا ایسے مسائل زبانی طے نہیں ہوسکتے، تحریریں آنے چاہئیں، آپ سلام کرکے رخصت ہوگئے، مجتہد صاحب نے پیچھے آدمی بھیجا کہ یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب تھے، مجتہد صاحب نے باصرار دوبارہ تکلیف دی اور بہت معذرت کی آپ کے جانے کے بعد علماء کو جمع کرکے اس مسئلہ پر ایک مبسوط علمی تحریر لکھ کر آپکے پاس بھیجدی، شاہ صاحب نے قلم برداشتہ اسکا جواب لکھ کر بھیجا جو اس سلسلہ کی آخری کڑی تھی۔

فضائل صحابہؓ اور ترتیب خلافت وغیرہ پر آپ کی تقریریں ہوئیں جنسے اہلسنت میں صحابہؓ کی محبت اور ایمان میں تازگی و پختگی پیدا ہوئی اور شیعہ حضرات کو غور کرنیکا خیال پیدا ہوا۔

نواب معتمد الدولہ کی دعوت میں مولانا عبدالحی صاحبؒ کی تقریر کے دوران میں

کئی مرتبہ سوال وجواب کی نوبت آئی، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات اوران منافع کا ذکر کیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہونچے اس پر سبحان علیخاں نے باواز بلند حدیث پڑھی، ان اللہ یوید ھذا الدین بالرجل الفاجر (اللہ اس دین کی فاجر شخص سے (بھی) مدد کرتا ہے) اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اُٹھے اور فرمایا کہ اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور سبحان علی خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے دین کو مدد پہونچی، انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں، آپنے کئی مرتبہ یہی سوال کیا اور سبحان علی خاں نے اقرار کیا، تب آپ نے فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاجر تھے یا نہ تھے لیکن اسوقت آپنے تسلیم کرلیا کہ حضرت عمر رضی اللہ کی ذات سے دین کو مدد پہونچی اب اتنا اور ذرا بتا دیجئے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہونچایا اصول سنت کے مطابق اس کے جواب میں سبحان علی خاں خاموش ہو گئے، آخر خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہونچا اس لئے ضرور یہی کہا جائے گا کہ اصول اہلسنت کے مطابق نفع پہونچا، پس ثابت ہوا کہ دین حق مذہب اہلسنت ہے۔

ایک مرتبہ سبحان علی خاں نے حدیث لحمک لحمی ودمک دمی (تمھارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمھارا خون میرا خون ہے) آپ نے فرمایا کہ اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور برتقدیر ثبوت، میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر، اس کے جواب میں سبحان علی خاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر، اس کے جواب میں

مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صحیح نہیں ہوا، سبحان علی خاں خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سبحان علی خاں نے کہا کہ آپ کے یہاں حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے بلکہ ان کے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کا جزیہ نہ لینا خود اس حدیث کی بنا پر ہوگا پس یہ تعمیل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی، نہ کہ نسخ حکم نبوی۔

لکھنؤ کے کامیاب سفر کے بعد آپ برابر سید صاحب کے ساتھ مقیم رہے، اسی زمانہ میں آپ نے "تقویۃ الایمان" لکھی، جس نے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اسکی مخالفت میں جو کچھ کہا یا کیا گیا ہے اس کی تاثیر اور اہمیت کی دلیل ہے۔ مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں اس سے دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اسکا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا،

آپ نے پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی، اس کے بعد اردو میں لکھی، لکھنے کے بعد خاص خاص لوگوں کو جمع کیا، جنمیں سید صاحب، مولانا عبدالحی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولانا یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب مرادآبادی، مومن خاں صاحب شاعر، عبداللہ خاں صاحب علوی (استاد امام بخش صاحب صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ یہ کتاب میں نے لکھی ہے

اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے، ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی، اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اسوقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے، اس لئے میں اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں، اس لئے میں نے یہ کتاب لکھدی ہے، گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کیجائے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے، اسپر ایک صاحب نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے، اس پر مولانا عبدالحی صاحبؒ، شاہ اسحٰق صاحبؒ اور عبداللہ خاں صاحب علوی و مومن خانصاحب نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیئے، چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی، اشاعت کے بعد مولانا شہیدؒ حج کو تشریف لیگئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینہ دہلی میں قیام رہا، اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل صاحبؒ گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ مساجد میں، چھ مہینہ کے بعد جہاد کے لئے تشریف لیگئے۔(۱)

---

(۱) امیر الروایات

حج سے آنے کے بعد آپ نے گلی کوچہ اور شہر و قریہ میں جہاد کا وعظ کہا، اور ہزاروں آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سر دینے پر آمادہ کر لیا، آخر برسوں کے بعد دل کے ارمان نکلنے کا وقت آیا اور وہ دن آیا جس کے لئے آپ ایک ایک منٹ گنتے تھے، میدان جہاد میں آپ کے کارنامے سید صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

نگینہ کے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جو جہاد میں شریک تھے بیان کرتے ہیں کہ بالاکوٹ میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے سید صاحبؒ نے میدان جنگ میں جانیکی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جائیے، آپ کے جہاد لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگان خدا کو بہت فائدہ پہونچے گا۔ مولوی صاحبؒ نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ حضرت یہ سر تصدق کرنے کو لایا ہوں آپ مجھ کو اجازت ہی دے دیجئے، سید صاحبؒ خاموش ہو گئے اور مولانا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھے میں لگی، انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے، سید صاحبؒ نے پھر منع فرمایا مگر مولانا نے پھر الحاح و زاری سے اجازت مانگی اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین مرتبہ سید صاحبؒ نے روکا، آخر کو مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی پیشانی پر ایک زخم کاری لگا اور آپ شہید ہو گئے۔[1]

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

---

(۱) ارمغان

جسد مبارک کو شناخت کرکے ندی کے ایک کنارے اپنے مولد اور اپنے اجداد کرام کے مدفن سے سیکڑوں میل دور نہایت سادہ طریقہ پر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا تذکرہ میرے نزدیک اُسوقت تک مکمل نہ ہوگا جبتک کہ اس سلوک کا ذکر نہ کیا جائے جو ان کی زندگی کو چھوڑ کر انکی شہادت کے بعد انکے ساتھ اس قوم نے کیا، جس کی عزت و آبرو کے لئے انھوں نے اپنا سر کٹایا اور جس کے زندہ رہنے کے لئے وہ مرگئے۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ سے لیکر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جس کی اور فضیلتیں برطرف اس کی شہادت مسلم اور شہدار کی مغفرت مسلم، تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو۔ لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، علمار کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی امیہ کے دربار میں نہیں کی گئی، فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا، اور یہ ان لوگوں نے کہا، جنکے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر اسکا ان کے

یہاں کیا ذکر اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت وعصمت بچانے کے لئے اس نے اپنا سر کٹایا، تو کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جسوقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین وایمان، جان ومال، عزت وآبرو محفوظ نہ تھی، سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں، مساجد کی بیحرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے اسوقت یہ غیرت ایمانی وحمیت اسلامی والے جو ایک "کلمۂ کفر" برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں۔

ممکن ہو کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو، لیکن

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مولانا سید محمد علیؒ صاحب رامپوری آپ علامۂ معقول ومنقول مولانا حیدر علی صاحبؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی، سید صاحبؒ کے جلیل القدر خلیفہ، فاضل بے بدل اور مقبول ومشہور سالک وہادی تھے،

مقام سوات سے آپ کو اور مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو سید صاحبؒ نے ہدایت واصلاح کے لئے جنوبی ہند بھیجا، ان کے حق میں دعا خیر فرمائی اور انکی

کامیابی کی اُمید ظاہر کی، راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے آپ حیدرآباد (دکن) پہونچے، حاسدوں اور بدخواہوں نے بدنام و کام کرنے کی بہت کوشش کی حکام کو غلط اطلاعیں پہونچائیں، لیکن آپ کے پہونچنے پر نائب السلطنت نے آپ کا ایسا عظیم الشان استقبال کیا، جو صرف نواب سکندر جاہ کا ہوتا تھا، اور ڈھائی سو روپیہ نذرانہ مقرر کیا، ہزارہا آدمیوں نے بیعت کی، نواب ناصر الدولہ کے بھائی نواب مبارز الدولہ بھی مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، بیعت سے نواب صاحب کی حالت بدل گئی، آپ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، آپ نے چار کے علاوہ باقی کو چھوڑ دیا۔

چلتے وقت آپ نے نواب منیر الملک سے ملاقات کی، انکی مجلس میں دستور تھا کہ موت کا ذکر صریحاً نہیں ہوتا تھا بلکہ بطریق کنایہ و تعریض، مثلاً کسی کے مرنے کے متعلق کہتے کہ " علاج ناموافق آیا" اور اگر رعایا یا ملازمین میں سے کوئی مرتا تو کہتے کہ فلاں شخص تصدق ہوگیا" لیکن آپ نے وہاں جاکر سکرات موت سے لے کر تاریکی قبر، نزع، فزع اکبر، عبور صراط، دخول جنت و نار کا ذکر اس طرح کیا کہ اگرچہ موت کا لفظ نہیں آنے پایا، مگر عالم برزخ اور میدان حشر کی تصویر کھنچ گئی اور نواب صاحب کا رومال آنسوؤں سے تر ہوگیا، نواب صاحب نے قیام کی درخواست کی، آپ نے عذر فرمایا اور مولانا ولایت علی صاحب کو ٹھہرا کر خود مدراس روانہ ہوگئے [1]

---

(۱) تاریخ احمدیہ

محرم ۱۲۴۵ھ میں آپ مدراس پہونچے اور مولوی عبدالعلی صاحب بحرالعلوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرب صاحب کے مدرسہ میں فروکش ہوئے اور ترویج حق اور اشاعت توحید وسنت کا کام شروع کیا، چند دنوں میں شہر میں آپ کے وعظ کی دھوم مچ گئی اور ہزارہا آدمی تائب اور آپ کی بیعت میں داخل ہونےلگے نواب محمد خان عالم خان بہادر تہور جنگ مدراس کے ایک فاضل رئیس تھے، وہ ایک روز دوسو آدمیوں کیساتھ آپ کیخدمت میں حاضر ہوئے، تھوڑی گفتگو کے بعد آپنے بیعت کرلی، نواب صاحب نہایت شوقین رنگین مزاج، آزاد طبیعت رئیس تھے، موسیقی اور باجوں کا خاص ذوق تھا، ایک کمرہ صرف باجوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے لئے ایک عملہ نوکر تھا، بیعت ہونے کے بعد مولانا کے کچھ فرمائے بغیر تمام باجوں کو توڑوادیا، اور تمام منہیات شرعی سے توبہ کی۔ مدراس کے شوقین رئیسوں کو اطلاع ہوئی تو ہزاروں روپیہ دے کر خریدنا چاہا مگر آپ نے "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند" کے مطابق ان کو کسی کے استعمال کے قابل نہ رکھا، بیعت کے بعد آپ کی کیفیت اور آپ کے گھر کا کارخانہ بدل گیا، بجائے شراب وموسیقی کے ہروقت قرآن وحدیث کا مطالعہ اور وعظ ونصیحت کا مشغلہ تھا، گھر کے مرد وعورت چھوٹے بڑے سب مولانا کے مرید ہوگئے تھے، صرف آپکی والدہ باقی تھیں جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھیں، وہ بھی خواب میں حضرت شیخ کی ہدایت کے مطابق مولانا کی بیعت سے مشرف ہوئیں، آپ کی صاحبزادی بہو بیگم نواب صاحب

مدراس نواب عظیم جاہ بہادر کے عقد میں تھیں اور والد کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور مردانہ استقامت رکھتی تھیں، نواب صاحب کی کوشش کے باوجود ذرہ برابر بھی اپنے عقائد صحیحہ سے نہ ہٹیں، نواب صاحب نے طلاق کی دھمکی دی تو خان عالم خاں صاحب نے فرمایا کہ آپ طلاق دیدیں گے تو میں آپ ہی کے اصطبل کے سائیس سے اس کا نکاح کردوں گا، بہو بیگم نے نواب صاحب کو جواب دیا اگرچہ میں آپکی لونڈی اور آپ میرے آقا ہیں لیکن خدا کے سامنے ہر ایک کو اپنا اپنا جواب دینا پڑیگا، اسلئے میں آپ کی وجہ سے اپنی آخرت برباد نہیں کرسکتی،

صوبۂ مدراس میں اسوقت بڑی ظلمت وجہالت تھی، مسلمانوں میں گھر گھر بت پرستی ہوتی تھی مسلمانوں کی معاشرت ہندوؤں کے رنگ میں رنگ گئی تھی گائے کا گوشت کھانا حرام ہو گیا تھا، مولانا کے قیام اور مؤثر مواعظ سے انقلاب عظیم ہو گیا شراب بکنی بند ہو گئی، مدراس کے کلالوں نے حکومت میں عرضی پیش کی کہ سیندھی اور شراب کا مقرر ٹیکس ہم نہیں ادا کرسکتے اس شہر میں ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے اس نے تمام مسلمان خریداروں کو سیندھی اور شراب نوشی سے منع کردیا ہے، اس لئے شراب اور سیندھی کا بکنا بند ہو گیا ہے، کلکٹر کے حکم سے پولیس نے اسکی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ کلالوں کا استغاثہ صحیح ہے، کسبیوں اور طوائفوں نے نواب صاحب کرناٹک کی سرکار میں عرضی گذرانی کہ ہمارے روزگار میں اس نو وارد سید کے وعظ و نصیحت سے بڑا خلل پڑ گیا ہے، سرکار میں ہماری جسقدر باقیات ہیں وہ مرحمت ہو جائیں تاکہ روزمرہ کا

خرچ چلے۔(۱)

بڑی کامیابی کے بعد بالاکوٹ کے حادثہ کی خبر سن کر، مدراس میں اپنے بہت سے جانشین چھوڑ کر آپ وطن رامپور تشریف لائے۔

چار برس کے بعد نواب عظیم جاہ بہادر کی والدہ کی درخواست پر دوبارہ مدراس تشریف لے گئے، بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، لیکن اس مرتبہ اہل بدعت و نفاق نے آپ کے خلاف قیامت برپا کردی، حکام کو آپ کے خلاف کردیا، بڑی شورش ہوئی۔ مولوی جمال الدین لکھنوی اس فتنہ کے قائد تھے، آپ کی تکفیر ہوئی "تقویۃ الایمان" جلائی گئی، مولوی خان عالم خان کی تنخواہ نواب صاحب نے بند کردی، آپ صبر و تحمل سے کام لیتے رہے، کمانڈر انچیف نے ایک عرضی آپ کے دستخط کیلئے بھیجی، آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا، آخرکار پولیس کے جبر اور فتنہ سے بچنے کیلئے ان کو مدراس چھوڑنا پڑا۔

۱۲۵۲ھ میں آپ واپس ہوئے اور ۱۲۵۸ھ میں برابر اصلاح و ارشاد میں مشغول رہ کر انتقال فرمایا۔

آپ کا علم و فضل مسلم تھا، زبان میں نہایت تاثیر تھی، کشف بہت بڑھا ہوا تھا صاحب مقامات و کرامات تھے۔

مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے، مولوی فتح علی صاحب کے بیٹے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب کے نواسہ تھے، جو

---

(۱) سوانح احمدی

صوبہ بہار کے ناظم رئیس اور عمائد میں سے تھے، آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے ہر وقت عمدہ ریشمی یا زریں لباس یا ڈھاکے کی جامدانی اور تن زیب کا جوڑا آپ کے زیب تن ہوتا تھا اور خوشبو وعطر سے معطر رہتے، انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور چھلّے ہوتے، لکھنؤ میں تھے تو وہاں کے شوقین خوش پوشاک اور رنگین مزاج نوجوانوں میں آپ کا شمار تھا۔ اُستاد کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریر سُنی اسی وقت سے حضرت مصعب بن عمیرؓ کی طرح کیفیت بدل گئی[1]۔ اب وہ عظیم آباد و لکھنؤ کے بانکے نوجوان نہ تھے، بلکہ سید صاحب کی جماعت کے ایک جفاکش مزدور اور معمولی خادم تھے۔

رائے بریلی میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے حدیث پڑھتے اور آپکی جماعت میں آپ کے نائب تھے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر لاد کر لاتے، اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے، مٹی گارے کا کام کرتے[2]۔

سید صاحبؒ کی جماعت میں آپ سے زیادہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے کوئی مشابہ نہ تھا، آپ سید صاحبؒ کے رنگ میں ایسے رنگے اور آپ کی محبت میں ایسے ڈوبے کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے رنگ میں رنگ دیا، اور سید صاحبؒ کا مخلص اور جانباز سچا نام لیوا بنا دیا، سید صاحبؒ کے بعد آپ ہی نے سب سے زیادہ آپکی نیابت وجانشینی کا حق ادا کیا، اور آپ کے خاندان نے سید صاحبؒ کی محبت کی

---

(۱) مصعبؓ مکہ کے ایک ناز پروردہ امیر زادے تھے جس وقت چلتے بدن پر کئی کئی سو روپیہ کی پوشاک ہوتی، سواری کیساتھ آگے پیچھے غلام ہوتے، اسلام کے بعد مدینہ میں بدن پر ایک کمل ڈالے اسلام کی منادی کرتے پھرتے شہید ہوئے تو اسی کمل میں دفن ہوئے ۱۲ (بخاری)۔ (۲) دیکھو باب اول۔

سب سے گراں قیمت اور سب سے بھاری تاوان ادا کیا، آپ کی ترغیب سے خاندان کے سب مرد و زن، خورد و کلاں سید صاحبؒ سے بیعت ہو گئے تھے، سید صاحبؒ حج کو تشریف لیگئے تو آپ وطن میں نیابت انبیاء کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر سید صاحبؒ کے ہمرکاب جہاد کے لئے تشریف لیگئے، سید صاحب نے آپ کو کابل سفارت پر بھیجا، ڈیڑھ مہینہ آپ کا وہاں قیام رہا اور روزانہ توحید و اتباع سنت کا وعظ اور جہاد کی ترغیب فرماتے رہے، سوات سے سید صاحبؒ نے آپ کو اور مولانا سید محمد علی صاحبؒ کو تبلیغ و اشاعت دین کے لئے ہندوستان روانہ فرمایا، مولانا ولایت علی صاحبؒ پر آپ کی جدائی اور میدان جہاد سے علیحدگی بہت شاق تھی، سید صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں یعنی اس ایک تخم سے ہزاروں درخت پیدا ہوں گے، آپ وہاں بمبئی و حیدرآباد (دکن) آئے، چند روز میں حیدرآباد کے گلی کوچہ میں آپ کا شہرہ ہو گیا نواب مبارز الدولہ نے بیعت کی، لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہو گئے، آپ کو اسی اثناء میں بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی، سید صاحبؒ کی خبر شہادت سے سارا بار آپ پر پڑ گیا، ہندوستان میں سید صاحبؒ کے خلفاءِ عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علیؒ کا دم باقی تھا، تمام ہندوستان میں سید صاحبؒ کے حلقوں میں آپ کی شہادت سے ایک انتشار و پژمردگی چھائی ہوئی تھی، مولانا محمد علی صاحبؒ مدراس میں مشغول تھے، آپ نے بمطابق آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم، سید صاحبؒ کے کام کو

سنبھالا، وطن پہونچ کر تبلیغ دین و تنظیم جماعت کا کام شروع کیا، لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، بیت المال قائم ہوا۔ آپ نے شاہ محمد حسین صاحبؒ کو جامع مسجد نمونہیہ کا امام اور چھپرہ، مظفر پور، ترہت اور اطراف پٹنہ کے تلقین ہدایت کے لئے معین کیا، مولوی عنایت علی (برادر حقیقی) کو اہل بنگال کی ہدایت وارشاد کے لئے روانہ کیا، مولوی زین العابدین اور محمد عباس حیدرآبادی کو خلعت خلافت عطا فرما کر اڑیسہ اور صوبہ الہ آباد وغیرہ کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا، شہر پٹنہ میں نواب فخر الدولہ کی مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کیا، جہاں جمعہ کے بعد آپ کا وعظ ہوتا، اس کے علاوہ دوسرے اصحاب کو گاؤں اور قصبات کی اصلاح وہدایت کے لئے مقرر کیا، مجمعوں اور میلوں میں خود جاکر وعظ و تبلیغ کرتے، جلاہوں کو ان کے کارگاہوں میں جاکر اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں پہونچکر اللہ کی اطاعت وبندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانیوں اور غصوں کو شربت کے گھونٹ کی طرح پیتے، گاؤں گاؤں دیہات دیہات خود دورہ کرتے اور اللہ رسول کا حکم پہونچاتے، اکثر آپ کو اپنے مرکز اور مقام پر پہونچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے، مکان پر ظہر کی نماز کے بعد قرآن وحدیث کا درس دیتے، مولوی عبداللہ صاحب بڑے صاحبزادے قاری ہوتے، دوسرے علماء تفسیریں لیکر بیٹھتے، علماء ومریدین کی بڑی جماعت شریک ہوتی، قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ، مردوں، بچوں اور عورتوں کو پڑھاتے، آپ ہی کی کوششوں سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ، کا ترجمہ

قرآن اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے رسائل (جو آپ نے شاہ اسحٰق صاحبؒ سے دہلی سے منگائے تھے) پہلی مرتبہ طبع و شائع ہوئے، اس کیساتھ اصلاح باطنی اور تزکیہ نفس تعلیم سلوک میں وقت صرف کرتے، غرض ایک مشین تھی جو ہدایت و اصلاح کا کام ہر وقت کرتی رہتی تھی، آپ میں صحابہ کرامؓ کے سے اوصاف اور اہل اللہ کے کمالات تھے، رہائش نہایت سادہ تھی، نفس پر نہایت قابو تھا، آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے سرد ہو جاتا اور دین کا جوش اٹھتا، چہرہ سے غربت و مسکینی خضوع و خشوع، حزن و ملال و فکر ظاہر ہوتا، رات کو اور کبھی دوپہر کو اکثر آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے رہتے، لباس اکثر موٹا اور پرانا ہوتا۔ کھانا بھی موٹا جھوٹا باسی، کھانا مساکین کے ساتھ کھاتے اور انھیں کیساتھ رہتے گھر والے بھی ویسے ہی سادہ زندگی گزارتے، اپنی کل آمدنی بیت المال میں داخل فرمائے، اور ہدایا مساکین اور مؤلفۃ القلوب پر صرف کرتے، لوگوں کو دنیا سے بے رغبتی اور انکساری کی تعلیم دیتے، امتیاز نفس کے دور کرنے کے لئے مختلف عنوان سے ان سے عمداً انکساری کراتے تاکہ شریفوں سے فخر انساب، عالموں سے امتیاز، عابدوں سے اپنی عبادت پر بھول اور بھروسہ، دولتمندوں سے کبر و نخوت، محدثوں سے شدت دور ہو اور ان میں بغیر حصۂ نفس کے حق کی تلاش و جستجو ہو وہ مسکینوں اور نیچوں سے محبت کریں، ناخواندوں کے عمل کی قدر کریں اور فساق و فجار کے اعمال بد سے ان کے دل میں ٹیس اُٹھے اور انھیں ہم آغوش کر کے انکے

ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے ان کے دل میں شکر و احسان پیدا کریں اور فروعی مسائل میں مخالفت کے عوض رواداری پیدا ہو، ہر کام میں خود پیش پیش ہوتے اور ہر موقع کے لحاظ سے ملفوظات طیبہ فرماتے، جو بجلی کی طرح لوگوں کے دلوں میں تیر جاتی، لوگوں کو دعا و عبادت، خصوصاً تہجد کی ترغیب دیتے اور آپ کی صحبت یافتوں میں دعا اور تہجد کی بیحد پابندی تھی، آپ کے صحبت و تعلیم یافتہ نہایت باوضع تھے، انکے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا، آپ کی تربیت صاحب ایمان کو راہ حق میں سر فروشی کے لئے بیتاب و سرشار کر دیتی، آپنے اپنے شیخ اور ان کے مخصوص خلفار کی طرح بیسیوں مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، اپنے ہاتھ سے اپنے خاندان میں متعدد بیواؤں کا نکاح ثانی کیا، شادیوں اور تقریبوں میں رسوم کی اصلاح کی، جمعہ و جماعت کی شان دوبالا کی، رمضان و تراویح کی رونق بڑھائی، دو برس کے بعد آپ راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے، حج و زیارت سے فراغت کے بعد آپ یمن تشریف لیگئے اور نجد و عسیر، مسقط، حضر موت کی سیر کی، اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے حدیث کی سند لی۔

حج سے واپسی کے بعد مجاہدین کے طلب پر آپ نے اپنے بھائی مولوی عنایت علیصاحب کو گلاب سنگھ کے مقابلہ کے لئے سرحد بھیجا، کچھ عرصہ کے بعد خود تشریف لیگئے اور خود انتظام شروع کیا، گلاب سنگھ نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا اور انکی حمایت حاصل کی اور انگریز افسروں نے مفتوح ملک میں غدر کرا دیا۔

اور آپ کے عمال واہل پولیس قتل کر دئے گئے، رئیس بالاکوٹ جو مجاہدین کا معاون تھا اور جس کی درخواست پر آپ تشریف لے گئے تھے، بدل گیا، آپ نے سوات جانا چاہا اور انگریز افسران سے انکی عملداری سے گزرنے کی درخواست کی، انہوں نے منظور کی اور اقرار نامہ لکھ دیا لیکن جب دونوں بھائی مع لشکر مجاہدین کے انگریزی عملداری میں پہونچے تو فوج نے ان کا محاصرہ کر لیا، انگریز کمانڈر نے اس عہد نامہ کو اس دلیل سے کالعدم کر دیا کہ ان افسروں کو ایسا عہد کرنے کا اختیار نہ تھا، اور اسکی تعمیل ہم پر ضروری نہیں، افسروں نے بجائے سوات کے ان کو لاہور روانہ کر دیا۔

سر جان لارنس نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ آپ وطن واپس جائیں، اور تمام اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر دیں اور روہیلوں کو ان کا بقایا دے کر رخصت کر دیں، چنانچہ اسی طرح آپ پٹنہ واپس تشریف لائے، جب یہ حضرات پٹنہ پہونچے تو پہلے (حسب الحکم) کمشنر کی کوٹھی پر تشریف لے گئے، کمشنر نے آپ کو اطلاع دی کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ آپ دونوں آدمیوں سے دو دو سو روپیہ کے مچلکے دو برس کے لئے لئے جائیں، آپ نے مچلکے داخل کئے، اس روز تمام شہر آپ کی ملاقات کے لئے کمشنر کی کوٹھی پر ٹوٹ پڑا تھا، وہاں سے آپ مکان تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصائح تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت کو ہندوستان واپس آنے کا بڑا رنج وملال تھا، اکثر دوپہر کو اور راتوں کو

آسمان کے نیچے کھڑے ہوکر سجدے میں سر رکھ کر نہایت بیقراری اور اضطراب کے ساتھ اس ملک سے نکلنے کی دعائیں کیا کرتے تھے اور کبھی یہ شعر اپنے حسب حال ترنم فرماتے۔

خدا کے واسطے ابکی نکالو مست گلستاں سے
مراد اس بندہ کی ہے تو باندھ دو گل کے گریباں سے

جب مچلکہ کی میعاد ختم ہونے میں چند مہینہ باقی رہے تو آپ نے اپنے دولتخانہ کو فرش فروش جھاڑ فانوس شیشہ آلات سے بہت آراستہ پیراستہ کیا، اصطبل میں عمدہ عمدہ گھوڑے خرید کر باندھ دیے اور خوشرنگ کبوتروں سے کبوترخانہ سجایا، دیکھنے والوں کو یقین ہوتا تھا کہ اب آپ خوب دنیا میں پھنس گئے، اب کبھی اس مکان اور آرائش کو چھوڑ کر نہ جائیں گے، لیکن جب میعاد پوری ہوگئی تو آپ یک بیک ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہوگئے، اور اپنے چند مخلص احباب کو ساتھ لے کر ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوگئے، لوگوں کو بعد کو خبر ہوئی تو بڑی تعداد میں آپکے ہمراہ ہوگئے۔

راستہ میں ہدایت و ارشاد کرتے ہوئے ڈیڑھ برس کے عرصہ میں آپ دہلی پہونچے، ایک مہینہ قیام فرمایا، جمعہ کے دن کبھی جامع مسجد میں اور کبھی فتحپوری میں آپ کا وعظ ہوتا، لوگ دور دور سے آکر شریک ہوتے بادشاہ (بہادر شاہ مرحوم) اور زینت محل کی طرف سے آپ کو دعوت کا پیام آیا، ان کے نہایت اصرار سے آپ لال قلعہ تشریف لیگئے، بادشاہ نے دیوان خاص میں اجلاس فرمایا اور

تخت سے اتر کر لب فرش تک استقبال و معانقہ و مصافحہ کیا اور فرش پر اپنے پاس بٹھایا، رزیڈنٹ اور دوسرے امرا موجود تھے، مولانا نے انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو و زینۃ و تفاخر الآیہ پر وعظ فرمایا اور دنیا کی بے حقیقتی و بے ثباتی کا ایسا بیان کیا کہ سامعین کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی، وزیر اعظم نے جھک کر آپکے کان میں کہا کہ دوزخ و عذاب کا بیان بادشاہ کے سامنے مت کیجئے، بادشاہ کو تکلیف ہوگی، یہاں دستور ہے کہ جو علما وعظ کہتے ہیں، وہ صرف جنت کا بیان کرتے ہیں، مولانا نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور عذاب قبر، ہنگامہ حشر اور دوزخ کا بیان اس صراحت کیساتھ کیا کہ بادشاہ اور حاضرین مجلس زار زار رونے لگے، اثناء وعظ میں بادشاہ نے کہا کہ میں نے بھی کچھ اشعار ترک دنیا میں کہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا، و اذا قرئ القران فاستمعوا لہ وانصتوا، یہ بے ادبی ہے، بادشاہ چپ ہوگئے۔ بعد میں آپنے خود فرمائش کرکے شعر سُنے، بادشاہ نے رزیڈنٹ سے کہا کہ آپ کو قلعہ کی سیر کرائیے، جبتک آپ دہلی میں قیام رہا، بادشاہ خاطر و تواضع کرتے رہے اس عرصہ میں ہر طبقہ کے صدہا لوگ بیعت و توبہ سے مشرف ہوئے، بادشاہ کی خواہش تھی کہ آپ رمضان قلعہ میں گزاریں اور تراویح میں سب لوگ شرکت کریں۔ لیکن رزیڈنٹ لوگوں سے روز پوچھتا کہ مولوی صاحب کا کام کیا ہے، کہاں سے تشریف لائے، کدھر کو جاتے ہیں، اس لئے مولانا نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور دہلی سے کوچ کرکے لدھیانہ ہوتے ہوئے ستھانہ پہونچگئے، اسوقت

مجاہدین کی یہ چھاؤنی ایک مدرسہ اور خانقاہ بن گئی،

محرم ۱۲۶۹ھ میں آپ کو خناق کا مرض ہوا، اور چونسٹھ برس کی عمر میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

مولانا علیہ الرحمۃ کا پورا خاندان صادق پور سید صاحبؒ کے سچے معتقدوں اور اسلام کے پکے مجاہدوں کا خاندان تھا جس کا بچہ بچہ سید صاحبؒ کی محبت میں چور اور اسلام کے لئے سر بکف تھا، ان لوگوں نے فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی سید صاحبؒ کی وفاداری اور اسلام کی جاں نثاری کا ایسا حق ادا کیا جسکی نظیر کسی دوسرے خاندان میں نہیں ملتی، مولانا عنایت علیصاحب غازی (برادر مولانا ولایت علی صاحبؒ) مولانا احمد اللہ صاحبؒ، مولانا یحییٰ علی صاحبؒ، مولانا فرحت حسین صاحب میں سے ہر ایک اپنے وقت میں امام احمد بن حنبلؒ کا نمونہ تھا، اور اس آیت کا صحیح مصداق۔

فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیأتھم ولادخلنھم جنت تجری

پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو، پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی ان لوگوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور مارے گئے، البتہ دور کروں گا میں اُن سے برائیاں اُن کی اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے

من تحتہا الانہار ثوابا من عند اللہ	بہتی ہیں نہریں، یہ بدلہ ہے اللہ کے یہاں سے اور
و اللہ عندہ حسن الثواب ہ	اللہ کے یہاں ہے اچھا بدلہ۔

یہ لوگ فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی کے پورے مصداق تھے۔ مقدمہ سازش میں حکومت نے ان کے مکانات مسکونہ تک مسمار کر دیئے اور صادق پور کا وہ محلہ جہاں محل کھڑے تھے کف دست میدان بنا کر اور مکانوں پر ہل چلوا کر بلدیہ کی عمارت بنوادی اور قدیم تعمیر کی ایک ایک یادگار اور ایک ایک نشان مٹا دیا، قبریں بھی شتبہ کہہ کر کھود کر پھینک دیں حتیٰ کہ کھجور کا ایک درخت رہ گیا تھا جو اس چمن خزاں دیدہ کی یادگار تھا اس کو بھی اکھڑوا دیا، مولانا یحییٰ علی صاحب علیہ الرحمۃ کو جب ان مکانوں کے کھدنے کی اطلاع انڈمن میں ہوئی تو آپ نے اپنی اہلیہ کو ایک خط لکھا جو خوش قسمتی سے ہم کو مل گیا ہے اس کا کچھ مضمون جو اس واقعہ سے متعلق ہے نقل کیا جاتا ہے :۔

"ضروری لکھنا یہ ہے کہ خط سے نور چشم محمد حسن مدعمرہ کے حال انہدام دونوں مکانوں کا معلوم ہوا۔ البتہ دل کو قلق ہوا اور صدمہ بہت گزرا۔ کیونکہ مکان سکونت قدیم سے خصوصاً وہ مکان جس میں ذکر اللہ بہت ہوا ہو اور کار دربار فریضہ (فرضیہ) بہت اجرا پائے ہوں۔ مومنین کو ان سے محبت بطور اہل وعیال کے ہوتی ہے اسی روز شب کو زیارت روح انوار سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف ہوا میں۔ تبسم کناں فرمانے لگے کہ البتہ انہدام سے مکانوں کے

مالکان مکان کو خصوصاً نسوان کو رنج والم بہت ہوا ہے اور ہونے کی جگہ ہے
اور ان آیات کریمہ کو زبان سے ارشاد فرمایا۔ وبشر الصابرین الذین اذا
اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ اولئک علیهم
صلوات من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون ۰ ربنا افرغ علینا
صبرا وتوفنا مسلمین ۰ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرا منها انا الی ربنا
راغبون ۰ اور فرمایا کہ ان آیات کریمہ کو ورد زبان رکھو، عبادت خانے اور
مسجد اقصیٰ اور مکانات انبیا علیہم السلام بخت نصر اور جالوت کے ہاتھ سے
انہدام پائے تھے۔ آخر منہدم کرنے والے نسیاً منسیا ہوئے اور یہ اماکن متبرکہ
از سر نو بنا ہوئے اور پہلے سے زیادہ آباد ہوئے، تم بھی اپنے رب کے فضل
سے ایسا ہی اُمید رکھو۔ عنقریب یہ بشارتیں ہونے والی ہیں۔ اللہ تعالےٰ
چاہتا ہے کہ دشمنان خدا ان کے دوستوں کو اچھی طرح ستالیں بعد اس کے
اچھی طرح اس کا بدلہ پادیں (دشمنان خدا منافقین ہیں وہ حکام سے جھوٹی
جھوٹی باتیں مسلمانوں کے حق میں لگا کے ان کو ایذا دلواتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا
بہت شکر کرو کہ تم ایسے امتحانوں کے لائق ٹھہرے۔ بعد اس کے فرمایا کہ اس
مکاشفہ کو بعینہ ام یوسف کے پاس لکھ بھیجو کہ سب نسوان و مالکان مکان کو
سنا دے۔ اور رجال مالکان مکان بھی اس کو دیکھیں اور یہ غفلت کو کانوں
سے نکالیں۔ اس کے بعد دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور تشریف لیگئے۔

سیّد صاحب کے خلفاء و مریدین کی فہرست

مطابق حروف تہجّی

جن کے حالات دستیاب ہوسکے ہیں درج ہیں

(الف)

(۱) مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگرہنسوی | مولانا ابراہیم ۱۲۲۵ھ - ۱۲۸۲ھ فضلائے عصر میں سے تھے، مولانا نورالاسلام بن سلام اللہ دہلوی مفتی شرف الدین مولانا حیدر علی ٹونکی مفتی صدرالدین دہلوی شیخ حسن علی شاہ اسحٰق سے تلمذ تھا، اٹھارہ برس تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے اتلامذہ میں مشاہیر علماء ہیں، تصنیفات میں محبی شرح دیوان المتنبی ضابطۃ الادبا، اور شمسیہ کا حاشیہ یادگار ہے (نزہہ)

(۲) میاں جی احسان اللہ برہانوی

(۳) شیخ احمد بن ادریس وزیر سلطان مغرب | شیخ احمد علماء واعیان مغرب اقصیٰ میں سے تھے، بخاری مع شرح قسطلانی حفظ یاد تھی، سفر حج میں ۱۲۳۷ھ سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔

(۴) سید احمد علی شہید | سید احمد علی باپ کا نام سید عبدالسبحان تھا۔ سید صاحبؒ کے

بھانجے تھے، جہاد میں آپ کے ساتھ شریک رہے ۱۲۴۶ھ میں شہادت پائی، صالح ذی علم اور باوقار تھے تین صاحبزادے تھے، سید زین العابدین عرف میاں عابد سید حسن مثنیٰ عرف محمد موسیٰ اور سید ابوالقاسم۔

(۵) مولوی احمد الدین پھلتی

(۶) مولانا احمد اللہ عظیم آبادی

مولانا احمد اللہ ۱۲۲۳ھ – ۱۲۹۸ھ جلیل القدر مجاہدین اسلام میں سے ہیں، باپ کا نام مولوی الٰہی بخش ہے جو پٹنہ عظیم آباد کے رؤساء عظام میں سے تھے آپ مولانا یحییٰ علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ کا اصل نام احمد بخش تھا، سید صاحبؒ نے بدل کر احمد اللہ رکھا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور وقت کے مشاہیر علماء میں ہوئے، صادقپور میں پچھلے زمانہ میں جتنے عالم ہوئے وہ سب آپ کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد تھے، آپ بڑے منتظم، صاحب تدبیر و تجربہ، بارسوخ اور سرآوردہ رئیس تھے، حکومت رفاہ عام کے کاموں میں اکثر آپ سے مشورہ لیتی، وائسرائے کے دربار میں آپ درجۂ اول میں شمار ہوتے، حکومت و رعایا کے اختلافی قضیوں میں آپ ہی حکم اور ثالث بنتے، جج سے اگر آپ کو اختلاف ہوتا تو آپ ہی کی رائے پر مقدمہ صادر سے فیصل ہوتا، ۱۸۵۷ء کے بعد آپ پر غلط الزام لگانے کے جرم میں مسٹر ٹیلر کمشنر پٹنہ برخواست کر دئے گئے لیکن ۱۸۶۴ء میں مجاہدین سرحد کی امداد اور حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کے جرم میں حکومت نے آپ پر مقدمہ

چلایا اور تمام سابقہ خدمات اور تعلقات پر خاک ڈال دی، مولانا کو حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم ہوا۔ تمام شہر عشرہ محرم ہوگیا۔ لیکن آپ کو کوئی حزن وملال نہ تھا صابر و شاکر راضی بقضا تھے، آپ پورٹ بلیر انڈمن بھیجے گئے۔ وہاں آپ نے خارق عادت استقامت و ثبات کے ساتھ اٹھارہ سال تکالیف مصائب میں بسر کر کے انتقال فرمایا رحمہ اللہ رحمۃ المجاھدین والمھاجرین آپ کے صاحبزادوں میں خاقانی ہند علامہ حکیم عبدالحمیدؒ، مولانا اشرف علی ایم۔اے مرحوم اور مولانا عبدالحکیمؒ تھے۔ مولانا عبدالحکیم کے صاحبزادے مولانا حکیم عبدالخبیر اب اپنے خاندان کی یادگار ہیں اطال اللہ بقائہ۔

(۷) مولانا اسمعیل شہیدؒ (۸) مولوی اکرام الدین دہلوی صاحب تفسیر سورۂ فاتحہ

(۹) خواجہ الماس | مدینہ منورہ میں اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔

(۱۰) الٰہ بخش خاں مورانوی

(۱۱) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی | مفتی الٰہی بخش ۱۱۶۲ھ سے ۱۲۴۵ھ۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔ پھر سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے، ملہمات احمدیہ سید صاحب کے طریقہ اور اذکار میں لکھی، تصنیفات میں مثنوی مولانا روم کا تکملہ مشہور ہے

(۱۲) مولوی الٰہی بخش (۱۳) مولوی امام الدین (۱۴) امام خاں خیر آبادی (۱۵) امام الدین خاں رامپوری (۱۶) سید امیر علی

(۱۷) مولانا سید اولاد حسن قنوجیؒ | سید اولاد حسن سنہ ۱۲۰۰ھ سے ۱۲۵۳ھ سید صاحبؒ کے خلفائے عظام میں سے ہیں، نواب انور جنگ بہادر سید اولاد علی خاں قلعدار گولکنڈہ کے صاحبزادے اور امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کے والد ماجد ہیں لکھنؤ میں مرزا حسن علی محدثؒ اور دہلی میں شاہ رفیع الدینؒ سے حدیث و فقہ و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے حدیث و وظائف و ادعیۂ ماثورہ کی سند لی اور مولانا شاہ عبدالقادر سے بھی استفادہ کیا، اپنا آبائی مذہب تشیع ترک کیا، تمام اہل خاندان سے جو شیعہ تھے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ اور مراسم شادی و غمی کو یک قلم اٹھا دیا۔ سید صاحبؒ کے سفر جہاد کے موقع پر حاضر ہو کر بیعت کی اور رفاقت اختیار کی۔ سید صاحب محبت و خصوصیت کے بنا پر سید برادر کے لفظ سے مخاطب کیا کرتے تھے، آپ کے نام سید صاحبؒ کا ایک خط ہے جس سے خصوصیت و تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ قنوج اور اطراف قنوج کے لوگ آپ کے مرید ہوئے اور کئی ہزار ہندو مشرف باسلام ہوئے۔ مختلف مقامات میں بہت سے مساجد و مدارس کی بنیاد پڑی، تورع و استغنا میں سلف کا نمونہ تھے اسی تقوے و احتیاط کی بنا پر والد کی عظیم الشان جائداد چھوڑ دی، ایک مرتبہ سید صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ:۔

"سید برادر! شما اموال کثیر والد خود کہ حساب‌ش بہ لکوک میرسد چرا گذاشتید
امروز آں زر بسیار اگر بدست شما می بود بکار مسلمانان می آمد"۔

مولانا نے جواب دیا کہ :۔

"مخدوم گذاشتم پدر من شیعی بود و مال بسیار فراہم آوردہ و عمارات بسیار برائے نام آوری بنیاد نہادہ ندانم کہ از وجہ حلال است یا حرام اگر حرام است خود گرفتنی نیست و اگر حلال است حق تعالیٰ مرا عوض آن دولت علم بخشیدہ ازاں مستغنی فرمودہ است۔

فان المال یفنی عن قریب   وان العلم یبقی لا یزال

بلکہ گمان کراہت و حرمت قوی است زیرا کہ "ہر کہ در دین خود امین و ناقد نباشد در امر دنیا از وجہ امانت خیزد"

اللہ تعالیٰ نے اس قربانی و ایثار کا سید صاحب مرحوم کو جو اخروی اجر عطا فرمایا ہو اس کو وہ بہتر جانتا ہے مگر دنیا میں اس کا جو معاوضہ ملا اس کو دنیا جانتی ہے، والد نے خدا کیلئے جائداد چھوڑی تھی خدا نے بیٹے (نواب صدیق حسن خاں مرحوم) کو سلطنت عطا فرمائی وھل جزاء الاحسان الا الاحسان

اس واقعہ کے علاوہ ایک روز تمام اسناد و تمسکات اور شہر قنوج کی جائداد کے کاغذات آگ میں جلا دئے اور فرمایا:۔

"محتاج چند قطعات زمین و چند باغ برائے معاش نیستم و فی السماء رزقکم وما توعدون"

شاہ ما را دہ دہ و منت نہد   رازق ما رزق بے منت دہد

اسلام اور مسلمانوں کی خدمت عبادت، تصنیف وتالیف کے علاوہ صبح و شام ورزش کرنا ان کا معمول تھا، سپاہیانہ وضع میں ہمیشہ رہا کرتے تھے شمشیر و عصا کمان و تفنگ سے مسلح رہتے، آپ کے پوتے صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں مرحوم نے سیرت والاجاہی میں آپ کے حالات لکھے ہیں، آپ کا خاندان لکھنؤ، بھوپال اور قنوج میں موجود ہے۔

(۱۸) اولاد علی مادھوی

—— :(ب): ——

(۱۹) بازخاں خالص پوری (۲۰) شیخ باقر علی عظیم آبادی (۲۱) شیخ بخارامی مدرس مدینہ منورہ (۲۲) شیخ بڈھن۔ (۲۳) برکت اللہ بنگالی

—— :(ج): ——

(۲۴) مولوی جعفر علی نقوی | مولوی جعفر علی سید قطب علی نقوی کے بیٹے بستی کے رہنے والے ممتاز علماء وقت میں سے تھے شاہ اسمعیل کے شاگرد اور حضرت سید صاحبؒ کے مرید اور رفیق سفر و کاتب خاص تھے، جہاد میں شریک رہے، واقعۂ بالاکوٹ کے بعد اپنے وطن مجھوا (جو نیپال کی ترائی میں ضلع بستی کا ایک قصبہ ہے) واپس آئے اور مدت العمر وہیں رہے۔ مادھو پور اور سمرا وغیرہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم کے لئے مدارس مکاتب قائم کئے اور اس جہالتکدہ میں علم کی روشنی پھیلائی، آپ کی ذات سے ان اطراف میں

بڑا فیض پہونچا اور حق کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تواریخ احمدیہ (فارسی) جس کا نام منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء ہی آپ ہی کی تالیف ہی۔

(۲۵) جواہر خاں لکھنوی (۲۶) مولوی شیخ جیون

(چ)

(۲۷) مولوی چشتی کاندھلوی

(ح)

(۲۸) مولوی حبیب اللہ قندھاری

مولوی حبیب اللہ، مولوی عبداللہ غزنوی آپ ہی کے مرید تھے، مرید کے رنگ سے شیخ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲۹) حسن خاں سندھی (۳۰) شیخ حسن علی (۳۱) سید حمزہ (مکہ مکرمہ) (۳۲) سید حمزہ ساکن برہما

(۳۳) سید حمیدالدین ٹونکی

سید حمیدالدین ٹونکی عالم وفاضل اور فارسی کے قادرالکلام شاعر ومنشی تھے۔ سید صاحب کے بھانجے اور مولوی سید محمد علی صاحبؒ تذکرہ مخزن احمدی کے بھائی تھے، سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہم رکاب تھے اس سفر کے حالات آپ ہی کے خطوط سے ماخوذ ہیں، نواب وزیرالدولہ مرحوم کی قدردانی سے ٹونک میں اپنے بھائیوں اوراعزا کے ساتھ اقامت اختیار کی، ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ سید محمد سعید اور سید عبدالمجید، سید محمد سعید کے چار صاحبزادے سید عبدالرزاق کلامی صاحب فتوح الشام (منظوم) وحسام الاسلام وگوہر مخزون

احمد سعید، ابو سعید، حمید الدین، سید حمید الدین رعنا کے چھ صاحبزادے، پہلی بیوی سے سید عبدالرحمٰن، سید خلیل الرحمٰن و سید سعید الدین اور دوسری بیوی سے تین صاحبزادے ہیں مولوی سید ابراہیم ندوی، ایم۔اے رکن دارالترجمہ حیدرآباد دکن، سید اسمٰعیل۔ایم۔اے ال۔ال۔بی ناظم سائرات ریاست ٹونک، حافظ سید محمد اسحٰق، ایم۔ایس۔سی، آئی سی ایس

(۳۴) حیات خاں بریلوی (۳۵) مولانا حیدر علی دہلوی ثم ہوشیارپوری۔

(۳۶) مولانا حیدر علی رامپوری مولانا حیدر علی علامہ عصر تھے، دہلی میں ولادت ہوئی، صغر سنی میں رامپور چلے گئے، نحو و عربیت میں سید غلام جیلانی اور مولانا عبدالرحمٰن قہستانی اور شیخ رستم علی رامپوری کے شاگرد تھے، لکھنؤ میں ملا مبین سے ایک عرصہ تک پڑھتے رہے، پھر دہلی جاکر شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالعزیزؒ سے استفادہ کیا اور حکیم شریف صاحب سے طب پڑھی، حضرت سید صاحبؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، ذکاوت سرعۃ ادراک، جامعیت معقول و منقول، کتاب و سنت و اختلاف ائمہ سے واقفیت، تبحر علمی میں سرآمد روزگار اور علوم حکمیہ میں بحر ذخار تھے، رامپور میں شادی کی اور عرصہ تک وہیں رہے اس لئے رامپوری مشہور ہوگئے، پھر کلکتہ کا سفر کیا، پھر ٹونک تشریف لے گئے نواب وزیرالدولہ مرحوم نے پوری جوہرشناسی اور قدردانی فرمائی اور ریاست کا مدارالمہام مقرر کردیا، آپ نے وہیں سکونت اختیار فرمائی، درس و افادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا، پرانے ٹونک میں آپ کی مسجد جسمیں آپ درس دیتے تھے موجود ہے۔ آپ کے خاندان کے لوگ ٹونک میں موجود ہیں، شاگردوں میں مشاہیر وقت ہیں۔

(خ)

(۳۷) خدا بخش جمنی

(۳۸) مولوی خرم علی بلھوری مولوی خرم علی مشہور علماء اور سید صاحب کے مریدین میں ہیں۔ تصانیف میں در مختار کا ترجمہ غایۃ الاوطار (ناتمام) مشارق الانوار کا ترجمہ، اور شرح شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل نصیحۃ المسلمین اور مثنوی جہادیہ ہے۔

(د)

(۳۹) دین محمد خادم (۴۰) دین محمد کور ہرستانوی

(ر)

(۴۱) مولانا رجب علی جونپوری مولانا رجب علی جون پور کے مشہور فقیہہ اور عالم و واعظ تھے، مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا قدرت علی ردولوی اور مولانا احمد علی چریاکوٹی سے کتابیں پڑھیں، سید صاحبؒ سے بیعت مرید تھے ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۴۲) شیخ رمضانی مورانوی

(ز)

(۴۳) سید زین العابدین ٹونکی سید احمد علی شہید خواہر زادہ سید صاحبؒ کے صاحبزادہ سید زین العابدین عرف میاں عابد اسم بامسمّٰی عابد و زاہد، راست گفتار صداقت شعار، غریب پرور، غریب نواز، ہر وقت زبان پر یاد الٰہی اور دل میں عزیز و ں کی کاربر آری اور انکی امداد کی فکر رہتی تھی، اعزہ میں اگر کوئی ٹونک پہونچ جاتا تو بغیر اس کے کہے اسکی

ملازمت کی فکر میں لگ جاتے، بیسیوں اعزہ واحباب کو برسر کار کردیا، نواب وزیر الدولہ مرحوم سید صاحب کی وجہ سے اور آپ کے اوصاف اور بزرگی کے بنا پر نہایت احترام کرتے تھے، نہایت سادہ لباس اور متواضع تھے دنیا سے بے رغبتی اور خدمت خلق و شفقت علی الناس میں سلف کا نمونہ اور اخلاق حسنہ میں شرافت کا مجسمہ تھے، ۶۱ سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ میں انتقال کیا رحمہ اللہ علیہ۔

(س)

(۴۴) سادل خاں خیر آبادی

(۴۵) مولانا سخاوت علی جونپوری

مولانا سخاوت علی جونپوری قصبہ منڈیاہو میں جو شہر جون پور سے ۱۱ میل جنوب میں واقع ہے ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا رعایت علی ابن مولوی درویش علی فاروقی ہیں جو حضرت شیخ محمد کوفی فاروقی کی اولاد میں ہیں حضرت شیخ محمد کوفی کا مزار ظفر آباد متعلقہ جون پور میں مخدوم چراغ ہند کی قبر کے متصل ہے، آپ کا سلسلۂ نسب بواسطہ فرخ شاہ کابلی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ مولانا سخاوت علی کا خاندان جونپور کے مشہور رؤسا و شرفا کے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا مولانا رعایت علی "خاں" رزیڈنسی کے میر منشی تھے اور دہلی میں اکثر قیام رہا، خان کا خطاب بھی تھا، مولانا سخاوت علی نے ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علی ردولوی مرحوم سے پڑھیں اور پھر مولوی احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلوی سے تکمیل علوم نقلی عقلی فرمائی، مولانا عبد الحیٔ دہلوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی سے بھی تلمذ تھا، اور سند

حدیث حاصل تھی، حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ رائے بریلوی سے بیعت تھی، مولانا کی درخواست پر سید صاحبؒ قصبہ منڈیاہو میں بھی تشریف لائے تھے اور بہت سے لوگ مشرف بیعت ہوئے اور مولانا کے اعزا میں سے مولوی فتح علی برادر مولوی فیاض علی مرحوم بیعت کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے ہمراہ جہاد میں بھی تشریف لیگئے اور وہیں شہید ہوئے۔ سید صاحب نے مولوی فتح علی کا نام بدل کر عبدالقدوس کر دیا تھا۔
مولانا سخاوت علی تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے محض حسبتہ للہ طلباء کو درس دیتے رہے اور ان کی کفالت بھی کرتے رہے، مولانا کا دولتکدہ ایک مستقل مدرسہ بنا رہا بہار، غازیپور، بنارس، اعظم گڈھ، جونپور سے بکثرت طلباء مولانا کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، جامع مسجد شاہی جون پور میں ایک مدرسہ قرآنیہ بھی قائم فرمایا جس سے اطراف واکناف میں بکثرت حفاظ قرآن مجید پیدا ہوئے اب تک وہ مدرسہ قائم ہے اور مولانا کے خاندان کے زیر اہتمام ہے۔ تھوڑے دنوں نواب ذوالفقار علیخاں بہادر والی باندہ کے یہاں ریاست باندہ میں بسلسلۂ درس وافتاء بمشاہرہ دوسو روپیہ ماہوار قیام رہا لیکن اپنی والدہ کی پیرانہ سالی کا خیال فرما کر وطن واپس چلے آئے اور ملازمت چھوڑدی اور باوجود اصرار بلیغ نواب صاحب کے پھر تشریف نہیں لیگئے، مولانا نہایت متقی، پرہیزگار اور متبع سنت بزرگ تھے، مولانا کے ذریعہ سے قدیم جاہلانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا اجرا بہت ہوا، وعظ وتلقین سے ہمیشہ رد بدعات اور اتباع سنت کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہے۔ فتوی مدلل لکھتے تھے، اقوال فقہاء میں سے ہمیشہ

اس قول پر فتوے دیتے تھے جس کی تائید قرآن وسنت صحیحہ سے ملتی تھی، مولانا کا یہ فیض ہے کہ اب تک جون پور میں کوئی سُنی تعزیہ داری نہیں کرتا، مولانا نہایت درجہ باعمل عالم تھے، تمام عمر اول وقت پر مسجد میں باجماعت نماز کا خاص اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قرأت طویلہ کے ساتھ غلس میں پڑھتے رہے۔ مشہور ہے کہ جب حج کو تشریف لیجانے لگے تو بعض حضرات نے کہا کہ مکہ معظمہ میں آپکے دو معمولوں میں سے ایک میں فرق آئے گا یا جماعت چھوٹے گی یا اول وقت مثل کا چھوٹے گا، کیونکہ حرم میں سب سے پہلے حنفیہ کی جماعت ہوتی ہے اور وہ دو مثل پر ہوتی ہے مولانا نے فرمایا کہ خدا سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں باتیں ادا کرا دے گا، عجب اتفاق کہ مولانا کے پہونچنے سے ایک ماہ قبل حنفی مصلے پر ایک مثل پر نماز ہونے لگی اور مولانا کی نیت اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔ مولانا کی استعداد علمی اور ذہانت وقابلیت اور مولانا کے صحیح خیالات کا آئینہ خود مولانا کی تحریریں اور تصانیف ہیں۔ اگرچہ مولانا کو کثرت درس سے تصنیف و تالیف کا موقع بہت کم ملتا تھا جو تصانیف تھیں ان میں سے بھی بعض ناپید ہوگئیں اور جو پائی جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

القویم فی احادیث النبی الکریم (مطبوعہ صدیقی پریس بنارس) رسالہ تقوے در رد بدعات، رسالہ اسلم در علم منطق، یہ رسالہ سلم کے مقابلہ میں نہایت مختصر اور جامع ہے۔ اس رسالہ کی ایک شرح مولانا علی نعمت پھلواروی نے لکھی اور ایک شرح مولانا عبدالوہاب بہاری نے اسّی جزو میں لکھی ہے۔ عقائد نامہ اردو، رسالہ کلمات کفر،

رسالہ اسرار در فقر، وصیت نامہ، رسالہ عرفان الاوقات در تحقیق اوقات نماز پنجگانہ، جوابات سوالات تسعہ از مولوی شیخ محمد مچھلی شہری قاضی بھوپال۔ ان جوابات میں تقلید صیحح اور حدیث ثقلین اور ما کثیر و قلیل کی بہت لطیف بحثیں ہیں، ان جوابات میں مولانا کے عقائد و خیالات پر بہت صاف روشنی پڑتی ہے، یہ تمام رسائل چھپ گئے ہیں لیکن اب کمیاب ہیں، رسالہ عرض ینک در مناظرہ شیعہ غیر مطبوعہ۔ مولانا کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے خصوصاً اضلاع شرقی و بہار میں بکثرت ہیں۔ چند نام درج ذیل ہیں، مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، ملا غلام محمد جگدیسپوری، مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا سید محمد یعقوب دسنوی بہاری، مولانا سید مصطفےٰ شیر دسنوی بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ سہسرام، مولانا شجاعت حسین بہاری، مولانا محمد عمر غازیپوری، مولانا غلام جیلانی بازید پوری غازیپوری مولانا فیض اللہ مئوی اعظمگڈھی، مولانا رحیم اللہ ساکن ضلع بستی۔

مولانا نہایت خوش رو، کشیدہ قد، گداز بدن تھے، آخر عمر میں بدن زیادہ بھاری ہو گیا تھا کپڑا نہایت صاف سادہ پہنتے تھے، بہت خوش خوراک تھے، مولانا کا دسترخوان بہت وسیع رہتا تھا، ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام ہوتا تھا اس زمانہ میں جب کہ برف کا رواج بھی نہ تھا، ٹھنڈا پانی مہیا کرنا خاص مشکل کام تھا آموں کا بہت شوق تھا، علاوہ خانہ باغ کے آموں کی فصل میں پانچ پانچ سو روپئے کے آم خود کھاتے اور طلباء کو کھلاتے تھے۔ کبھی کبھی دسترخوان پر نفیس ترین غذا کو ہاتھ نہ لگاتے اور بالکل سادی غذا پر قناعت کرتے، مولانا کی

والد کے انتقال کے بعد مولانا کو ان کے ماموں مفتی محمد غوثؒ نے پرورش کی اور اپنے ہمراہ جونپور میں رکھا اور مولانا کی پہلی شادی اپنی لڑکی سے کر دی اس بیوی کے بطن سے دو صاحبزادے مولوی محمد اور مولوی محمد جنید اور ایک صاحبزادی ہوئی، پھر اہلیہ نے انتقال کیا، مولانا کی دوسری شادی قاضی محمد ضیا اللہ سب جج کی صاحبزادی سے ہوئی، آپکے بطن سے بھی دو صاحبزادے مولوی محمد شبلی اور مولوی ابوالخیر محمد مکی اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی چاروں بیٹے عالم ہوئے، مولوی محمد اور مولوی محمد جنید نوجوان وفات فرما گئے اور اب انکی نسل میں کوئی باقی نہیں۔ مولوی محمد شبلی کے ایک صاحبزادے مولوی ابوالبقا ہیں، جو جون پور میں خاص وقار اور امتیاز کے ساتھ مختاری کرتے ہیں اور شہر کے اعیان میں شمار ہوتے ہیں۔ مولوی ابوالخیر محمد مکیؒ کے چار صاحبزادے ہیں۔ مولانا ابوبکر محمد شیث (ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) ان سے چھوٹے مولوی ابوالفضل محمد فاروق جو مکان پر مقیم ہیں پورے عالم حافظ اور باعمل ہیں، گھر کے علاقہ داری کے انتظام میں زیادہ مصروف رہتے ہیں افسوس کہ پڑھنے پڑھانے کا موقع نہیں ملا ورنہ بنظیر جوہر قابلیت رکھتے ہیں اور علم فرائض و تخریج میں تو اپنا جواب نہیں رکھتے، ان سے چھوٹے مولوی ابوالمغازی علی اعلیٰ میں جو ندوہ کے فارغ التحصیل ہیں اور مکان پر مقیم ہیں، اپنے خاندانی مدرسہ قرآنیہ جامع مسجد جون پور کی خدمت کرتے ہیں، چوتھے صاحبزادے مولوی ابوالحیا محمد عقیل ہیں جو ندوہ کے فارغ التحصیل ہیں اور نہایت سنجیدہ متین اور ذہین ہیں اسوقت طبیہ کالج علیگڈھ میں مدرس ہیں۔

آخر عمر میں ہندوستان کے مشہور ہنگامہ ۵۷ء سے چھ ماہ قبل مولانا امیر علی صاحبؒ شہید کی

شہادت کے بعد مولانا ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے، اہلیہ ساتھ تھیں، مولوی مکی وہیں پیدا ہوئے۔ مولانا وہیں اپنے اوقات عزیز خدا کی عبادت میں صرف کرتے اور درس تدریس میں مشغول رہتے بالآخر ۱۲ شوال ۱۲۷۴ھ میں انتقال فرمایا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

(۴۶) سید سراج الدین رائے بریلوی

(۴۷) مولانا سید سراج الدین ہسوی

مولانا سید سراج الدین بن سید مہدی الحسینی الواسطی ہسوی، حضرت سید صاحبؒ کے مریدین مجاز میں سے تھے اور آپ سے خاندانی تعلق بھی تھا، زہد و ورع، سخاوت و مروت شہامت وجلادت علم و ذکاوت میں نوادر روزگار میں سے تھے اور بقول صاحب نزہتہ الخواطران اوصاف میں ان اطراف میں ضرب المثل تھے، آپکے والد حضرت شاہ مہدی کاملین طریقت اور حضرت شاہ علی اکبر مودودی فیض آبادی کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے دوسرے بھائی حضرت شاہ ابوالقاسم حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے صاحبزادے اور مولانا سراج الدین کے بھتیجے اور داماد مولانا سید عبدالسلام ہسوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ مشائخ وقت اور اکابر علماء میں سے ہیں، آپ کے حافظ شاہ سید عبدالمغنی مرحوم (مجاز مولانا شاہ ضیاء الدین نقشبندی اُناوی) صاحبزادے تھے جن کے مولوی سید محمد یوسف اکیلے صاحبزادے ہیں مولانا سید سراج الدین کے صاحبزادہ مولوی سید عبدالعزیز جو نہایت مدبر، منتظم، متدین اور صائب الرائے بزرگ تھے اور دو صاحبزادیاں (اہلیہ مولانا سید عبدالسلامؒ و اہلیہ مولانا حکیم سید فخرالدین رائے بریلوی تھیں) مولوی سید عبدالعزیز کے صاحبزادہ مولوی سید ابوالقاسمؒ تھے

سید ابوالقاسم کے پانچ صاحبزادے مولوی سید سراج احمد ندوی مرحوم، مولوی حافظ سید زبیر احمد، ڈاکٹر سید محمد، مولوی سید احمد ندوی و مولوی سید ابو محمد ندوی مؤلف سیر الاحناف وغیرہ و دو صاحبزادیاں (اہلیہ مولانا سید عزیز الرحمن ندوی، اہلیہ ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبد العلی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۴۸) **مولوی سید سعید الدین رائے بریلوی** مولوی سید سعید الدین رائے بریلوی سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے تھے۔ لکھنؤ میں مولوی محمد حیات مرحوم سے درسیات کی تکمیل کی، کلکتہ میں بابو راما پرشاد کے جو امرا کلکتہ میں سے تھے ملازم ہو گئے انکی معیت میں دہلی اکبر شاہ کی خدمت میں آئے اور خلعت سے سرفراز ہوئے، اکبر شاہ کی طرف سے بابو راما پرشاد اور مولوی سعید الدین کا سفارت کے لئے لندن جانا طے ہوا۔ اس ارادہ سے کلکتہ آئے مگر دونوں کا جانا نہیں ہو سکا، کلکتہ کے قیام میں ایک انگریز سے انگریزی پڑھی اور بابو راما پرشاد کی ترغیب سے وکالت کا امتحان دیا اور مظفر پور میں وکیل سرکار مقرر ہوئے، پندرہ سال کمال لیاقت، دیانت و تقوی اور نیک نامی کیساتھ وکالت کی اور جائز طریقہ پر ہزاروں پیدا کئے، ۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد خانہ نشین ہو گئے، زمینداری خرید لی، باغات لگوائے اور خدمت خلق غربا پروری اعزا نوازی اور دین و دنیا کی جامعیت کے ساتھ کمال عزت و حرمت و نیکنامی سے زندگی گزار کر اسی برس کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا۔ آپ کی سادگی، تواضع، غریب نوازی شفقت اور حسن انتظام کے قصے خاندان میں زبان زد خاص و عام ہیں، آپ کے دو

صاحبزادے تھے مولوی سید رشید الدین اور حضرت شاہ سید ضیاء النبیؒ مولوی سید رشید الدین کے دو صاحبزادے مولوی سید خلیل الدین احمد اور مولوی سید امین الدین احمد سید خلیل الدین کے ایک صاحبزادہ سید رشید احمد، سید امین الدین احمد کے ایک صاحبزادہ سید محمد احمد ایم، اے، بیرسٹر ایٹ لاہیں۔

(۴۹) سید محمد لہاروی

(ش)

(۵۰) میر شاہ علی، (۵۱) مولوی شجاعت علی عظیم آبادی۔ (۵۲) شیخ شمس الدین مصری واعظ بیت اللہ الحرام (۵۳) شمشیر خان جمعدار مورانوی (۵۴) مولوی شہاب الدین بٹالوی، اخوند شاہ محمد ولایتی۔

(ص)

(۵۵) سید صبغۃ اللہ ولایتی (۵۶) حافظ محمد صدیق۔

(ط)

(۵۷) قاضی طیب

(ظ)

(۵۸) مولانا محمد ظاہر رائے بریلوی | مولانا محمد ظاہر ۱۱۹۸ھ - ۱۲۷۹ھ

مولانا سید محمد ظاہر بن سید غلام جیلانی بن سید محمد واضح بن سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن شاہ علم اللہ، سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے ہیں۔ محمد ظاہر تاریخی نام ہے، ابتدائی

درسی کتابیں اپنے حقیقی چچا مولانا سید قطب الہدیٰؒ (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) سے پڑھیں۔ پھر ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم کے دو شاگردوں مولانا ذوالفقار علی دیوی اور مولانا عبدالجامع سید نپوری سے تکمیل کی، اور اکابر علمائے عصر سے استفادہ و مذاکرہ کیا، سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی اور آپ کی معیت میں ۱۲۳۶ھ میں حج کیا، سالہا سال آپ کے ساتھ رہے۔ تقریر و لپذیر خشونت و نفسانیت سے پاک ہوتی تھی، متفق علیہ مسائل کو ہمیشہ بیان کرتے، فقہ کے جزوی مسائل پر نظر غائر رکھتے، مسائل کی تنقیح اور احادیث کی تحقیق کا اہتمام تھا، رائے بریلی، غازی پور، اعظم گڈھ و جون پور وغیرہ میں آپ کے فتاویٰ و فیصلوں کا بڑا اعتبار تھا، اور ان دیار میں فتاویٰ کے آپ سب سے بڑے مرجع تھے۔ طرق خمسہ چشتیہ، قادریہ، مجددیہ، نقشبندیہ و محمدیہ میں آپ کو خلافت حاصل تھی۔ لیکن بیشتر طریقۂ قادریہ میں بیعت لیتے تھے، سلوک طریقت میں ایک مفید رسالہ خیر المسالک کے نام سے تصنیف فرمایا جو طالبین سلوک کیلئے بہت مفید ہے۔ مولوی سید خلیل الدین مرحوم تکیوی نے اس کو طبع کروایا، اس کے علاوہ عربی، فارسی میں آپکے دوسرے رسائل و تصنیفات ہیں اس علم و عرفان کے ساتھ فنون سپہ گری خصوصًا بانک بنوٹ، بندوق لگانے میں اساتذۂ وقت میں سے تھے، صحت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کر کے ۸۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آہ سید محمد ظاہر۔ تاریخ وفات ہے اولاد نرینہ نہ تھی، اولاد دختری میں ایک نواسے مولانا حکیم سید فخر الدین مرحوم اور پانچ

نواسیاں تھیں، آپ کی صاحبزادی فاطمہ بی بی (اہلیہ مولوی سید عبدالعلی نصیرآبادی مرحوم) نہایت خوش اوقات اپنے زمانہ کے لحاظ سے تعلیمیافتہ اور خاندان میں بہت باوقار بیوی تھیں بدو شعور سے تادم مرگ فرائض وسنن رواتب تہجد، اوابین، چاشت اشراق اور نوافل طاعات، تلاوت قرآن مجید، مطالعہ رسائل فقہ وحدیث اوراد واذکار کی پابند تھیں، ترجمہ مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس حکایات الصالحین طب احسانی ورسالہ خوان نعمت وغیرہ کا مطالعہ رہتا تھا، بچوں اور عورتوں کے علاج میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

(۵۹) منشی ظہور علی

(ع)

(۶۰) سید عبدالجلیل رائے بریلوی سید عبدالجلیل رائے بریلوی آپ کے والد حافظ سید محمد حضرت سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی اور سید ابواللیث کے صاحبزادہ ہیں۔ جو مشائخ خاندان میں سے تھے، سید عبدالجلیل اپنے وقت کے مشائخ اور سید صاحبؒ کے خاندان کے اکابر میں سے تھے ۱۳۰۰ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، سید عبدالسلام، سید عبدالقیوم، سید عبدالحفیظ، سید عبدالرب سید عبدالرشید، کلثوم بی، سید عبدالسلام کے صاحبزادے سید ابوسعید، سید ابوسعید کی ایک صاحبزادی صدیقہ بی، سید عبدالقیوم کے دو صاحبزادے سید محمد و سید ابواللیث حافظ سید محمد کی دو صاحبزادیاں طیب بی زوجہ حافظ سید محمد طاہر بی زوجہ سید عبیداللہ مرحوم

سید ابو اللیث بن سید عبد القیوم کے دو صاحبزادے سید محمد مرحوم و سید احمد، سید عبد الرب کی ایک صاحبزادی محسنہ بی زوجہ سید محمد بن سید عبد القیوم، سید عبد الرشید کے تین صاحبزادے سید آیت اللہ مرحوم، سید محمد ایوب اور سید عبد الحفیظ مرحوم، سید آیت اللہ کے ایک صاحبزادہ سید محمد جعفر ندوی۔ سید محمد ایوب کے دو صاحبزادے سید عبد الرحمٰن سید محمد احمد اور ایک صاحبزادی حفصہ بی۔ سید عبد الحفیظ کے ایک صاحبزادہ سید محمد مامون اور چار دختر۔

۶۱ مولانا عبد الجلیل کوئلی | مولانا عبد الجلیل کوئلی ۱۲۲۵ - ۱۲۷۳ھ علیگڑھ کے رہنے والے، عالم محدث اور صاحب مناقب وفضائل بزرگ تھے، حدیث شاہ اسحٰقؒ سے پڑھی اور پورے طور پر اس میں انہاک کیا، سید صاحبؒ سے بیعت تھے اور تمام عمر آپ کے طریقہ پر قائم رہے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں شہید ہوئے۔

۶۲ حاجی عبد الرحیم سہارنپوری | حاجی عبد الرحیم سہارنپوری حسینی افغانی تھے۔ طریقۂ قادریہ میں شاہ رحم علی التمیمی الساڈھوری اور طریقۂ چشتیہ میں شاہ عبد الباری سے بیعت تھے پھر سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے، کچھ حالات وملفوظات گزر چکے ہیں۔ میاں جی نور محمد جھنجھانوی (شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کے شیخ تھے، سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہمرکاب تھے ۱۲۴۶ھ میں بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

۶۳ مولانا عبد الحق بنارسی | مولانا عبد الحق بنارسی ۱۲۰۶ - ۱۲۷۶ھ علماء اہلحدیث اور شاہ اسمٰعیلؒ و مولانا عبد الحیؒ کے تلامذہ میں سے تھے، طلب حدیث کے شوق میں یمن کا

سفر کیا اور قاضی محمد بن علی شوکانی، قاضی عبدالرحمن بن احمد بن الحسن البھکلی، شیخ عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمانی اور شیخ محمد عابد بن احمد علی السندی سے استفادہ کیا اور حدیث کی عام اجازت حاصل کی۔

(۶۴) قاضی عبدالصمد افغانی۔

(۶۵) مولانا عبدالعلی نصیر آبادی

مولانا عبدالعلی نصیر آبادی۔ کتب درسیہ اساتذہ لکھنؤ سے پڑھیں اور حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل مولانا سید محمد علی رامپوری (خلیفہ حضرت سید صاحب) سے کی اور اجازت حاصل کی، بیعت طریقت اپنے خاندان میں حضرت سید صاحبؒ سے تھی اور آپ سے تعلق کے اثرات اور خاندانی برکات بخوبی نمایاں تھے آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم سید فخرالدین خیالی مہر جہانتاب (فارسی) میں لکھتے ہیں کہ

"از بدزماں اور متقی دوراں تھے، ریاست ناگود (بندیلکھنڈ) میں تحصیلدار اور منصف تھے، معقول مشاہرہ تھا، مگر تعلق دنیا اور سلسلہ ملازمت کے باوجود باہمہ و بیہمہ تھے دل بیار و دست بکار کا مضمون تھا، نہایت خوش اوقات ذاکر شاغل بزرگ تھے اشراق پڑھ کر مصلے سے اٹھتے، عصر تک سرکاری کام انجام دیتے، عصر کے بعد تسبیح در دست اور اوراد بر لب مصلی پر بیٹھے رہتے اور نماز مغرب تک کسی سے بات نہ کرتے اس کے بعد عشاء کی نماز تک وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے، کھانے پینے میں نہایت محتاط تھے، کسی فریق مقدمہ کے ہاں کھانا نہ کھاتے نہ اس کا تحفہ قبول کرتے، منہیات شرعیہ سے بنہایت مجتنب تھے اس قرب و جوار کے

لوگ آپ کی برکت اور فیض صحبت سے متشرع اور پابند صوم وصلوٰۃ ہوگئے، پوری تنخواہ مستحقین اور مسافروں اور اعزا و اقربا کی خدمت میں صرف ہوجاتی اور اپنے لئے دو ایک جوڑے سادے کپڑوں کے سوا کچھ نہ ہوتا، جو شخص آپ کے پاس آتا اس کو ملازم رکھوا کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کرتے اکثر پیدل چلتے اپنے ساتھ پیادہ خدمتگار نہ لیتے، مجلس میں مخصوص جگہ نہ بیٹھتے، گفتگو میں ضد یا اصرار نہ کرتے، حق فوراً قبول کر لیتے، کسی ادنیٰ اعلیٰ پر خفا نہ ہوتے نوکروں کی غلطی اور قصور سے اغماض کرتے، غیبت زبان پر نہ آتی کھانا جو سامنے آجاتا کھا لیتے، کھانے کی برائی نہ کرتے اگر نمک کم ہوتا تو بھی نہ کہتے، انکسار و سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی تخت پر سو رہتے، کبھی کرسی پر کبھی زمین پر، صناعی و کتابت خط نسخ و نستعلیق طغرا کشی، صنعت، نجاری، زرگری، و ترصیع میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ۴۰ برس کی عمر میں ۱۲۶۹ھ میں ناگودیں وفات پائی آخری کلمہ زبان پر بالرفیق الاعلیٰ تھا، اس کفرستان میں پہلی مسجد جو آپکی سعی سے تیار ہوئی تھی اس کے جوار میں دفن ہوئے۔

(۴۸) مولانا عبدالقیوم بڑہانوی

مولانا عبدالقیوم بڑہانوی ۱۲۳۱ - ۱۲۹۹ھ

مولانا عبدالحی بڑہانوی کے نامور صاحبزادہ، وقت کے مشہور علماء و صلحاء میں سے تھے بچپن میں سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی مولانا محمد یعقوب اور شاہ اسحٰق سے علم حاصل کیا سید صاحبؒ کے ایک مرید شاہ محمد عظیم سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، نواب سکندر بیگم نے

بھوپال کی اقامت کے لئے اصرار کیا اور عہدۂ افتا سپرد کیا اور جاگیر نذر کی، اپنے والد نامدار، جد بزرگوار اور خاندان ولی اللّٰہی کے قدم بقدم اور انکی برکات کے وارث تھے مناقب فضائل کے لئے دفتر درکار ہے۔

(۶۷) اخوند عبد العظیم

(۶۸) مولانا عبد اللہ علوی | مولانا عبد اللہ علوی شمس آباد کے رہنے والے علماء عصر میں سے تھے، شاہ اسمٰعیل کے شاگرد اور ادب شاعری، انشا اور طب میں کمال رکھتے تھے، دہلی سے فرخ آباد آئے جہاں نواب محمد علیخاں مرحوم نے آپکی خدمات حاصل کیں، سید صاحب کی مدح میں مولانا کے بلیغ قصائد ہیں وفات ۱۲۶۲ھ

(۶۹) مولانا عبد الہادی جھوکوی | مولانا عبد الہادی جھوکوی ۱۲۰۵ - ۱۲۶۵ھ ایک ہندو گھرانہ میں پیدا ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا اور پٹنہ وکالت کا امتحان دینے گئے وہاں سید صاحب کی زیارت ہوئی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ کے ہمرکاب ہو گئے، شاہ اسمٰعیل سے تعلیم حاصل کی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی مولانا اولاد حسن قنوجیؒ اور شاہ اسحٰقؒ سے تکمیل کی، سید صاحبؒ نے آپ کو سارن اور چمپارن میں اپنا نائب بنادیا وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت فیض پہونچایا اور ہزاروں کو ہدایت نصیب کی۔

(۶۹) مولانا علی احمد ٹونکی | مولانا علی احمد ٹونکی علمائے صالحین میں سے تھے۔ مولانا عبد الخالق دہلوی اور شاہ اسحٰقؒ سے تعلیم حاصل کی، شاہ صاحبؒ سے حدیث کی

روایت کی ۱۲۴۵ھ میں سندھ گئے، پھر سید صاحبؒ کے قافلہ سے جا ملے، واقعۂ بالاکوٹ کے بعد اُسکے ساتھ ٹونک آئے، نواب وزیرالدولہ نے خیر مقدم کیا۔ اور دفتر آپ کے سپرد کیا۔

(۱) قاضی عمادالدین

(۲) مولانا عنایت علی غازی | مولانا عنایت علی غازی ۱۲۰۷ - ۱۲۷۴ھ

مولانا ولایت علی علیہ الرحمہ کے دست و بازو اور حضرت موسیٰؑ کی دعا واجعل لی وزیرا من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کے مصداق تھے۔ سید صاحبؒ سے بیعت کے بعد سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے اور آپکے حسب ارشاد تبلیغ و جہاد کا کام انجام دیتے رہے۔

لیکن آپ کے جوہر اس وقت کھلے جب سید صاحبؒ کی شہادت کی خبر سے ہندوستان میں انتشار وجود پیدا ہو گیا اور مولانا ولایت علی نے احیاء و تنظیم کام کر عظیم آباد پٹنہ کو قرار دیا (تفصیل باب چہارم میں گزر چکی ہے) اسوقت آپ مولانا ولایت علیؒ کی قوت بازو بن گئے اور خصوصاً بنگال میں آپ نے مولانا کی پوری نیابت، امارت، امامت اصلاح و ارشاد کے پورے فرائض انجام دئے، ہندوستان کی عام اور صوبہ بنگال کی خاص تنظیم سے جو محیر العقول واقعات، مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم کے عنوان کے ماتحت اور جہاد و سرفروشی کی جو ولولہ انگیز حکایات سرحدی جنگوں کے سلسلہ میں باب چہارم میں گزری ہیں ان میں مولانا عنایت علی غازی کا خاص دخل اور حصہ ہے، سرحد پر عرصہ تک

اسلامی فوجوں کے قائد اعظم اور جماعت مجاہدین و مہاجرین کے امیر آپ ہی رہے، سید ضامن شاہ کو کاغان میں اور اکبر شاہ کو سوات میں مدد دیتے رہے آپ کا وجود حکومت کی نظر میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا اور حکام کی رپورٹوں اور انگریز مصنفین کی تاریخوں میں آپ کا نام مولانا ولایت علی علیہ الرحمہ کے نام کے ساتھ آتا ہے آپ کے کارناموں کی تفصیل اس باب کے ابتدا میں دیکھنی چاہیئے، آپ کی اولاد میں پروفیسر محمد مسلم صاحب ایم۔اے وغیرہ ہیں۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری)

(۷۳) سید عبدالباقی رای بریلوی سید عبدالباقی رائے بریلوی سید صاحب کے بنی اعمام میں سے تھے، ذی علم و وقار، صاحب ہمت، سخاوت و ایثار، جفاکش زاہد و عابد، فارسی و اردو کے شاعر، مصحفی اور مرزا قتیل کے شاگرد، بزرگوں اور علماء و شعراء کے صحبت یافتہ، رائے بریلی کے رؤساء، اور دربار اودھ کے عہدیداروں میں سے تھے جماعت و تلاوت کے بیحد پابند، ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا، آپ کے دو صاحبزادہ تھے۔ سید عبدالوہاب خلیفہ مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی اور سید عبدالقادر، سید عبدالقادر کی اولاد میں سید عبدالوہاب ایک پسر و تین دختر زوجہ اولیٰ و ثانیہ حکیم سید محمد اسحٰق اور زوجہ ثانیہ مولوی حکیم سید فخرالدین مرحوم۔

(۷۴) مولوی عبدالقدوس کشمیری (۷۵) سید عبداللہ ولد سید بہادر علی (۷۶) مولوی عبداللہ بنارسی (۷۷) مولوی عبدالحلیم ساکن بمبئی (۷۸) مولوی عبداللہ (۷۹) شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ (۸۰) سید عقیل

(۸۱) عمر بن عبدالرسول محدث (۸۲) عبدالرزاق دیوبندی (۸۳) سید عبدالرحمن سیالی (۸۴) عبادالله مؤ (۸۵) سید عبدالرحمن سندھی (۸۶) عبدالباقی خاں قندھاری (۸۷) عبدالجبار مورانوی (۸۸) عبدالمجید خاں جہان آبادی رائے بریلوی (۸۹) علی حسن گنتوری۔

(غ)

(۹۰) حکیم غلام سبحانی جھنجھانوی

(۹۱) شیخ غلام علی رئیس اعظم الہ آباد

حضرت شیخ غلام علی[۱] قصبہ نہرونڈہ میں پیدا ہوئے اور بعد شہادت یہیں دفن ہوئے، شیخ صاحبؒ کا مکان جو کوٹ یا گڈھی کے نام سے مشہور تھا بطور ایک مضبوط قلعہ کے تھا وہ بالکل مسمار ہو چکا ہے صرف ایک پختہ حمام باقی ہے، جہاد پنجاب کے موقع پر روپیہ کی فراہمی اور مجاہدین کی روانگی کا انتظام شیخ صاحب کے متعلق تھا، خبر رسانی و آمد و رفت میں موجودہ آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اورنگ آباد، ڈھاکہ جیسے دور دراز مقامات سے شیخ صاحبؒ کے تعلقات قائم تھے، روپیہ و اسلحہ میں جو کمی ہوتی تھی جس طرح ہوتا تھا وہ اپنے پاس سے پوری کرتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنی کل دولت، علاقہ، مکان مسکونہ تک اس جہاد میں قربان کر دیا جزاہ اللہ خیرا الجزاء - گڈھی جس میں نہایت عالیشان پختہ مکانات تھے ایک لاکھ روپیہ قرض میں مکفول تھی، شہادت کے کچھ عرصہ کے بعد الہ آباد کا مہاجن آیا اور جسقدر لکڑیاں وغیرہ تھیں کھدوا کر الہ آباد لے گیا اور گڈھی کو ایک کھنڈیل کی صورت

---

(۱) نصر اللہ صاحب دھرونڈہ الہ آباد جو شیخ صاحب کی اولاد میں ہیں اپنے عنایت نامہ میں حالات شیخ صاحب کے لکھتے ہیں

میں چھوڑ گیا، خیریت یہ ہوئی کہ گڈھی کے نیچے جسقدر فیل خانے و اصطبل تھے وہ بار کفالت سے محفوظ تھے انکی اولاد نے انھیں میں سکونت اختیار کی، چنانچہ نانا مرحوم کا مکان جو اس وقت میری والدہ کی ملکیت ہے وہ بھی ایک عالیشان اصطبل تھا، جائداد کا بیشتر وہی حصہ ان کی اولاد میں باقی ہے جو عورتوں کے نام تھا"

"الہ آباد میں پندرہ روز تک شیخ غلام علیؒ نے سارے قافلہ کی دعوت کی، شیخ صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ دعوت قافلہ پر خرچ کرکے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر کھلاتے تھے، اور کھانا بھی اس کثرت سے آتا تھا کہ صدہا ساکین الہ آباد کے پندرہ روز تک قافلہ کے ساتھ ہی کھاتے رہے، الہ آباد تک پہونچنے میں تعداد مردمان قافلہ کی سات سو ہو گئی تھی، شیخ غلام علی صاحب نے تیرہ عدد خیمے اور ہر ایک حاجی کے واسطے ایک ایک جوڑہ پارچہ احرام اور ہر ایک اہل قافلہ کے واسطے ایک ایک روپیہ نقد، اور حضرت کے قرابتداروں کے واسطے دس دس روپیہ نقد اور خود حضرت کیواسطے چار ہزار پانچسو روپیہ نقد نذر کئے"(۱)۔

شیخ صاحبؒ کے تقویٰ و طہارت کے متعلق لکھنا فضول ہے۔ یہی کافی ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے مخلص مریدین میں سے تھے، مرید ہونے کے بعد انھوں نے ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کیا اور بغیر بستر بچھائے کھلی چارپائی اور چھوٹی چارپائی پر کہ پیر نہ پھیلائے جاسکیں سونے لگے، بعد ختم جہاد پنجاب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شوق شہادت میں ہر وقت سرشار

---

(۱) سوانح احمدی۔

نظر آتے تھے بار بار اس کا ذکر فرماتے تھے، ایک روز کہنے لگے کہ تمنا پوری ہونے کا وقت آگیا، کفار کی چند منظم جماعتیں جو ہمہ وقت شیخ صاحبؒ کی تاک میں رہتی تھیں جب مقابلہ ہوا مغلوب ہوئیں جبدن شہادت ہوئی ہے ہاتھی منگوایا اور فیلبان کو ساتھ لیکر خلاف معمول تنہا روانہ ہوئے، الہ آباد بنارس کے مابین کفار سے معرکہ ہوا، پہلے فیلبان پھر آپ شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ہاتھی لاش لیکر روانہ ہوا، گڈھی کے پھاٹک پر آکر چنگھاڑ سب پہونچگئے لاش اُتاری گئی، ہاتھی بھی اسی وقت اسی جگہ مر گیا، گڈھی کے متصل پھلواری قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا، قریب ہی ہاتھی بھی ایک کھیت میں دفن ہے۔ آپ کی قبر پر نہ عمارت ہے نہ چاروں طرف کوئی احاطہ ہے۔ خام قبر سطح زمین سے کسی قدر بلند درخت نیم سے متصل پچھم کی طرف واقع ہے۔

(۹۲) غلام نبی خاں

(ف)

(۹۳) مولوی فرحت حسین | آپکی ولادت ۱۲۲۶ھ میں ہوئی۔ آپ کو اپنے والد اور اپنے برادر معظم سے تلمذ و سند تھی، آپ حافظ و قاری بھی تھے، مولانا ولایت علیؒ کے حضر میں نائب اور بعد سفر ملک افغانستان آپ کے جانشین ہوئے۔ اور آپ ہی مرجع انام رہے سارے امور عظام آپ ہی کے زیر فرمان تعمیل پاتے، شرق و غرب کی باگ آپکے ہاتھ میں تھی، تدبیر امور میں آپ کی فراست مشہور تھی، نہایت فہیم حلیم و متواضع اور کریم النفس مہماں نواز، صابر و شاکر تھے، بذل اموال میں اپنے بھائیوں کے مثیل تھے، یاد الٰہی کا

شوق تھا، صبح میں لوگوں کو مقامات لطائف و آداب مراقبہ تعلیم فرماتے اور بعد ظہر درس قرآن و احادیث دیتے، آپ عارف کامل تھے۔ شب سہ شنبہ عام وعظ کیلئے مقرر تھی، رمضان مبارک کے آخر عشرہ میں حسب معمول بڑے حضرت شب آخر میں نماز تراویح پڑھاتے (اور قبل کے دو عشرے میں حکیم ارادت حسینؒ نماز تراویح پڑھاتے) مرد و زن کا بڑا مجمع ہوتا آپ فن حرب میں ماہر کامل تھے اور رشنادری میں بھی کمال تھا، زہد و تقویٰ آپ کا شعار تھا، اپنی اولاد کی شادیاں غایت سادگی سے انجام دیں۔ ۱۶۔ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ میں آپ داخل خلد بریں ہوئے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب، صاحبِ درِ منثور اور راسیر اندمن آپ کے صاحبزادہ تھے۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری)

(۹۴) مولانا فتح علی جونپوری (۹۵) مولوی فخر الدین سہارنپوری

(۹۶) مولانا فصیح غازیپوری

مولانا محمد فصیح غازیپوری مشہور صاحب سلسلہ مشائخ میں سے ہیں، عمر کا ایک حصہ کشتی و پہلوانی میں صرف کیا، پھر سید صاحب کی برکت سے علم اور طریقت کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا محمد علیؒ سے بیعت تھی۔

(۹۷) مولوی میاں فضل سیالکوٹی (۹۸) فہیم خاں حسین پوری بھانوی

ـــــ :۰:(ق):۰: ـــــ

(۹۹) مولوی سید قاسم نصیر آبادی (۱۰۰) مولوی حافظ قطب الدین

ـــــ :۰:(ک):۰: ـــــ

(۱۰۱) مولانا کرامت علی جونپوری

مولانا کرامت علی صاحب جونپوری ۲۵ ۱۲

۱۲۹۰ھ اکابر علمائے احناف اور فقہ حنفی کے ماہرین میں سے تھے، بنگال میں آپ سے بڑی ہدایت اور اسلام کی اشاعت ہوئی، تصنیفات میں مفتاح الجنۃ، زینۃ المصلی، زینۃ القاری، زاد التقویٰ، الکوکب الدری، الدعوات المسنونہ، شرح الجزری، نور الہدیٰ رفیق السالکین، فیض عام، مکاشفات رحمت، قوت الایمان، نسیم الحرمین وغیرہ ہیں سید صاحبؒ کے عام اصحاب سے آپ کا رنگ کچھ مختلف تھا۔

(۱۰۲) کریم بخش بڑہانوی (۱۰۳) محمد کمال خرم پوری۔

—— (ل) ——

(۱۰۴) مولوی شاہ لطف اللہ سلونوی۔

—— (م) ——

(۱۰۵) مولوی سید محبوب علی دہلوی (۱۰۶) سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی

(۱۰۸) مولوی سید محمد حسین ساکن بھنگرہ ضلع مظفر نگر

(۱۰۹) شاہ محمد حسین عظیم آبادی | جناب کی ولادت ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ اور تلمذ و بیعت آپ کو اپنے عم محترم شاہ محمد کریم سے تھی۔ آپ میں زہد و تقویٰ ابتدا عمر سے تھا جب حضرت مجدد داد پٹنہ ہوئے تو باجازت عم مرشد مع اہلیہ و دختران حضرت ممدوح سے شرف بیعت ثانی حاصل کیا اور ہمہ دم تاقیام حضرت مجدد حاضر باش رہے، حضرت مجدد نے آپ کو سند خلافت عطا کی جسکی نقل جناب کے قلمی نسخہ صراط مستقیم کے آخر میں مرقوم ہے، بیعت کے وقت سے اپنے صوبہ کے لوگوں کی ہدایت و ارشاد میں نہایت سرگرم رہے، شرک و

بدعت کے خلاف جہاد اور احیار سنت میں سعی بلیغ فرمائی اور لاکھوں آدمیوں کو صراط مستقیم پہ لگادیا، نثمو ہیہ کی جامع مسجد کی آپ ہی نے صرف کثیر سے توسیع فرمائی، آپ کے مریدان بیاپور۔ داناپور اور فتوحہ سے سمٹ کر شریک جمعہ ہوتے، بعد نماز جمعہ آپ کا وعظ ہوتا، نہایت عام فہم اور باثر اور دوسرا وعظ شب کو زنانہ مکان میں فرماتے جسمیں دور و نزدیک سے عورتیں جمع ہوتیں، ہر موقع وعظ میں بفضل الٰہی مسترشدین کا اضافہ ہوتا رہتا، آپکی اہلیہ محترمہ بھی امور دینی میں آپکی موید رہتیں اصلحنالہ زوجہ انہم کانوا یسارعون فی الخیرات الآیۃ آپ کا دل جذبۂ دینی سے معمور تھا، طبیعت نہایت ذکی اور سریع الفہم تھی، آپ صاحب مروت خلق عظیم تھے، اتباع سنت کا از بس خیال تھا، اپنی صبیہ خورد مسماۃ شریفن کا بغرض تعمیل وانکحوا الایامیٰ منکم مولانا عنایت علیؒ سے عقد ثانی کردیا، آپ کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا، تخلص ہاشمی کرتے، اسپ سواری اور فن سپہ گری میں مہارت تامہ تھی ۱۲۷۶ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری)

(۱۱۰) محمد زماں خاں ابن وزیر خاں لوہانی پور۔

(۱۱۱) مولوی محمد عظیم پشاوری۔

(۱۱۲) مولوی سید محمد علی | مولوی سید محمد علی۔ سید صاحبؒ کے بڑے بھانجے مولوی سید عبدالسبحان کے صاحبزادہ اور مخزن احمدی کے مصنف ہیں، عالم و شاعر اور فارسی کے اچھے منشی تھے، آزاد منش، بے تکلف طبیعت پائی تھی، نواب وزیر الدولہ مرحوم کا سخت اصرار تھا کہ آپ کوئی عہدہ قبول فرمائیں، آپنے باصرار پچاس روپیہ ماہوار قبول فرمائے

۱۲۶۶ھ میں ٹونک میں انتقال کیا، آپ کے صاحبزادہ بخشی الملک سید نورالہدیٰ خاں بہادر ہیبت جنگ تھے جن کے دو صاحبزادے بخشی الملک سید محمد عثمان........ اور معتمد الملک معتمد خاص کپتان سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ تھے، اول الذکر کے صاحبزادے بخشی الملک حافظ سید احمد مرحوم اور آخر الذکر کے صاحبزادے حافظ سید محمد زبیر سپرنٹنڈنٹ دفتر حضور بھوپال، سید محمد عمر اسٹیٹ انجینیر ریاست ٹونک

مولانا سید طلحہ ایم، اے پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور، سید ابوبکر اورسیر ریاست ٹونک اور سید علی و یک دختر اہلیہ میاں سید محمد اسمٰعیل ہیں۔

(۱۱۳) مولانا محمد علی رامپوری (۱۱۴) مولانا محمد علی صدپوری ملیح آبادی

(۱۱۵) شیخ محمد علی ہندی مدرس مکہ معظمہ (۱۱۶) شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ

(۱۱۷) سید محمد لہاروی (۱۱۸) سید محمد موسیٰ (۱۱۹) پیرجی محمود شاہ۔

(۱۲۰) شیخ مخدوم سید نپوری

(۱۲۱) مولانا سید مرتضیٰ حسین لکھنوی

مولانا سید مرتضیٰ حسین لکھنوی علماء صالحین میں سے تھے، لکھنؤ کے رہنے والے ملا مبینؒ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، رزیڈنسی میں ملازم تھے، ایک عرصہ تک کلکتہ میں قیام کیا، نواب سعادت علیخاں کے زمانہ میں لکھنؤ کے مفتی رہے نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں سید صاحبؒ کے مرید ہوئے اور آقا سے علیحدگی اختیار کی وفات ۱۲۵۰ھ

(۱۲۲) مولوی مرتضیٰ خاں رامپوری (۱۲۳) شیخ مصطفےٰ امام مصلے حنفی

(۱۲۴) شیخ معظم جگدیش پوری (۱۲۵) حکیم مغیث الدین سہارنپوری۔

(۱۲۶) منور خاں ملیح آبادی

(۱۲۷) حکیم مومن خاں دہلوی | محمد مومن خاں نام، مومن تخلص، حکیم غلام نبی خاں کے بیٹے تھے، ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے جب ذرا ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے عربی کتابیں پڑھیں، جب استعداد درست ہو گئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انھیں کی زیر نگرانی نسخہ نویسی کی، اسی زمانہ میں نجوم کا شوق پیدا ہوا، اس کو بھی اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہونچائی شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا، ابتدا میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا، پھر ذہن خداداد کے اطمینان پر اصلاح لینی چھوڑ دی اور بطور خود مشق سخن کی، رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع، خوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، غزل دردناک آواز اور دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے باایں ہمہ دینداری کے خیال سے بھی خالی نہ تھے، جوانی میں حضرت سید احمد شہیدؒ سعید کے مرید ہوئے اور آخر عمر تک عقائد میں انھیں کے تبع و پیرو رہے، کلیات میں ایک مثنوی جہادیہ ہے جو اسوقت لکھی تھی جب کہ سید صاحبؒ سکھوں سے جہاد کر رہے تھے، علاوہ اس کے دو قطعہ تاریخ ان کی امامت کے ہیں، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے روحانی رشتہ کی بنا پر ٹونک بلایا مگر خاں صاحب سے دلّی کی گلیاں کب چھوٹ سکتی تھیں، کچھ سمجھ بوجھ کر معذرت کا قصیدہ لکھ کر بھیجدیا جس کا مشہور مطلع ہے۔

یاد ایام عشرت فانی ‏ ‏ ‏ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

۱۲۶۸ھ میں اس جامع کمالات ہستی نے باون سال کی عمر میں وفات پائی، اور میدھپورہ میں دلی دروازہ کے باہر حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے پاس سپرد خاک کئے گئے"(۱)

(۱۲۸) میاں جی احسان اللہ بڑہانوی

(ن)

(۱۲۹) **سید ناصر علی** (دیکھئے ازامرائے محراب پور سندھ) (۱۳۰) **مولوی نصیر الدین دہلوی** (داماد حضرت شاہ اسحٰق) (۱۳۱) **مولوی نظام الدین دہلوی** (۱۳۲) **صوفی نور محمد**

(۱۳۳) **مولانا نور محمد جھنجھانوی** مولانا نور محمد جھنجھانوی، شیخ وقت اور مشہور عارف تھے، طریقہ چشتیہ کی تعلیم حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی شہید بالاکوٹ سے لی، لوہاری میں بچوں کو پڑھا کر مستور الحال رہے، تیس برس تک تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی، اپنے شیخ حضرت حاجی صاحب کے ساتھ سرحد جہاد کے لئے گئے اور حضرت سید صاحبؒ سے بیعت کی اور فائدہ اٹھایا، پھر آپ کے حکم سے ہندوستان واپس آئے، مریدین میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نام کافی ہے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(و)

(۱۳۴) **مولوی وحید الدین** (۱۳۵) **نواب وزیر الدولہ مرحوم**(۲)

---

(۱) ماخوذ از تذکرہ گل رعنا۔ (۲) نواب وزیر الدولہ مرحوم کے بعض حالات اور واقعات جن سے آپ کا مرتبہ معلوم ہو سکتا ہے جماعت کی سیرت واخلاق کے تذکرے میں گزر چکے ہیں۔

—:(۵):—

(۱۳۶) شیخ ہمدانی خالص پوری

—:(دی):—

(۱۳۷) مولوی سید محمد یعقوبؒ (برادر زادہ سید صاحبؒ) مولوی سید محمد یعقوب، سید محمد ابراہیم بن سید محمد عرفان کے صاحبزادہ اور سید صاحبؒ کے حقیقی بھتیجے تھے نہایت متقی اور احکام شرعیہ کا بغایت لحاظ رکھنے والے، نواب وزیرالدولہ مرحوم نے عہدۂ قضا سپرد کرنا چاہا۔ قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ میں سود کی ڈگری پر مہر نہیں کر سکتا، نواب صاحب نے پچاس روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا، سید صاحبؒ کے بیحد معتقد تھے اور آپ کے دوبارہ تشریف لانے کے قائل اور منتظر تھے ۸۰ برس کی عمر میں ۱۳۰۸ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید محمد یوسف، سید محمد ایوب، سید محمد ابراہیم۔ سید محمد یوسف کی بی بی ہاجرہ سے جو حضرت سید صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں شادی ہوئی۔ جن کے تین صاحبزادے تھے، مولانا سید محمد عرفانؒ، حافظ سید محمد یونس اور مولانا سید محمد مصطفیٰؒ مولانا سید عرفان اور مولانا سید محمد مصطفیٰ، صلاح و تقوے، زہد و ورع، اتباع سنت و تشرع اور استقامت میں اپنے نانا (حضرت سید صاحبؒ) کی یادگار اور امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض اور بشر حافی اور دوسرے ائمہ سلف کا نمونہ تھے، آپ دونوں کی سیرت و اخلاق کے لئے مستقل کتاب چاہیئے۔ حافظ سید محمد یونس مرحوم کے دو صاحبزادے، مولوی سید محمد یعقوب اور مولوی سید محمد یوسف

مرحوم (ناشر تلقیح للامام ابن الجوزی) تین صاحبزادیاں، اہلیہ سید محمد ایوب، اور اہلیہ سید عبدالحفیظ و اہلیہ سید محمد سعید۔ سید محمد ابراہیم کے دو صاحبزادے ہیں حافظ سید محمد اور حافظ سید محمد یوسف اور ایک دختر اہلیہ مولوی سید محمد یعقوب۔

(۱۳۸) محمد یوسف (دیکھیے از امراء سندھ) (۱۳۹) مولانا محمد یوسف پھلتی

(۱۴۰) قاضی محمد یوسف مرکی ساکن بمبئی

سیّد صاحبؒ کی اولاد و اعقاب

حضرت سید صاحبؒ نے پہلی شادی سید محمد روشن[۱] بن سید محمد شافع کی صاحبزادی سے کی تھی، ان سے آپ کی صاحبزادی بی بی سائرہ پیدا ہوئیں جنکا نکاح آپکے بھتیجے مولانا سید محمد اسحٰق بن سید عرفانؒ کے صاحبزادہ سید محمد اسمٰعیل سے ہوا، سید محمد اسمٰعیل کے ایک صاحبزادہ سید محمد اسحٰق اور دو دختر تھیں، ایک اہلیہ سید عبدالقیوم بن سید عبدالجلیل دوسری اہلیہ سید احمد سعید بن سید محمد سعید، سید محمد اسحٰق (نبیرہ حضرت سید صاحبؒ) کے ایک صاحبزادہ مولوی سید محمد اسمٰعیل و دو دختر ہیں۔ ایک اہلیہ حافظ سید محمد زبیر دوسری مرحومہ اہلیہ سید محمد عمر، مولوی سید محمد اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی سید احمد مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء و سید ابراہیم اور سید اسحٰق اور دو دختر ہیں، صاحبزادیوں کی اولاد میں

(۱) سید محمد روشن کی دوسری صاحبزادی محمد قائم جائسی کے نکاح میں تھیں جنکی اولاد میں معین الدہر و سراج الدہر ہیں۔

سید محمد مصعب، سید محمد، سید حمزہ ابناء سید محمد زبیر اور سید عاصم (بن سید عمر ہیں)

دوسری شادی آپنے اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد اسحٰق کے انتقال کے بعد آپکی اہلیہ سے کی جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

تیسری شادی آپنے سرحد میں ایک سیدہ خاتون سے کی جن کو آپ کی خدمتمیں سلیمان شاہ والئی کاشغر نے بھیجا تھا ان بیوی سے ایک صاحبزادی بی بی ہاجرہ پیدا ہوئیں جن کا نکاح سید محمد یوسف بن سید محمد یعقوب سے ہوا۔ انکی اولاد و اعقاب کا تذکرہ سید محمد یعقوب کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

قطعاتِ تاریخ

از جناب مولانا محمد شاہد حسن صاحب سوز ناردی (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

سیّد احمد آں شہیدِ راہِ حق | بود وقفِ حفظِ دیں ذاتِ شہیدؒ
زد بدلہا آتشِ شوقِ جہاد | مرحبا تاثیرِ کلماتِ شہیدؒ
باز رسمِ سرفروشی زندہ کرد | بود ایں زندہ کرامات شہیدؒ
چوں زجہدِ فاضلے روشن ضمیر | شد مرتب سعی و حالاتِ شہیدؒ
شد عیاں از وے مقامِ شوقِ او | گشت زاں روشن کمالاتِ شہیدؒ

مصرعِ تاریخ و تحسین است سوزؔ
واہ ایں حالات جذباتِ شہیدؒ
۱۹ — ۶ — ۳۸

از جناب قاری محمد علیم صاحب کاتبِ کتاب ہذا

چھپ گئی کیسی کتاب لاجواب | ہاں! پڑھو حالات پُر عظمت پڑھو
مصرعِ تاریخ تم لکھ دو علیمؔ | یہ شہید خاص کی سیرت پڑھو
۱۹ — ۶ — ۳۸

مادہ ہائے تاریخ

از جناب مولوی حافظ عبید اللہ البصیر ٹونکی

سنہ تصنیف
التذکرۃ
۱۳۵۶ھ

سنہ طباعت
اسمِ کتاب علی سیرت احمد
۱۳۵۷ھ

REFERENCE BOOKS.

1. INDIAN MUSALMANS.
   By Sir William Hunter.

2. SIKH-RULERS OF INDIA SERIES.
   By Sir Lepel.H. Griffin.

3. HISTORY OF THE SIKHS.
   By C. Cuningnham.

4. HISTORY OF THE PUNJAB.
   By S. M. Lateef.

5. NEW WORLD OF ISLAM.
   By Lothrop Stoddard.

6. CALCUTTA REVIEW. 1870 & 1871.

7. THE GREAT WAHABI CASE.

8. ENCYCLOPÆDIA OF ISLAM.